سلسلۂ مطبوعات ادارۂ دارالاسلام نمبر ۸

خطبات

مصنفہ

ابوالاعلیٰ مودودی

شائع کردہ

مکتبہ جماعت اسلامی - دارالاسلام متصل پٹھانکوٹ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

جس زمانہ میں میرا قیام پٹھان کوٹ کے قریب قریہ جمال پور میں تھا اور اس مقام کو "ادارہ دارالاسلام" کا مرکز بنانے کی تجویز تھی، میں نے وہاں کی مسجد میں اقامتِ جمعہ کا انتظام کرکے دیہات کے باشندوں کو دین اسلام سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ یہ مجموعہ انھی خطبات پر مشتمل ہے۔ ان خطبات میں میرے مخاطب گاؤں کے لوگ تھے۔ اور وہ بھی پنجاب کے جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے اس لیے مجھے زبان اور انداز بیان دونوں نہایت سہل و عام فہم اختیار کرنے پڑے۔ اس طرح ایک ایسا مجموعہ تیار ہو گیا ہے جو عوام کو دین کی تعلیم دینے کے لیے ان شاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

اس سے پہلے میں اپنے رسالہ دینیات میں عقائد اسلام کی کافی تشریح کر چکا ہوں اور اسلام کے نظام شریعت کو بھی میں نے اختصار کے ساتھ وہاں بیان کر دیا ہے۔ اب اس مجموعہ میں دو چیزیں زیادہ ضروری شرح و بسط کے ساتھ آگئی ہیں۔ ایک روح دین۔ دوسرے عبادات۔ مجھے امید ہے کہ جو لوگ رسالہ دینیات کے ساتھ ان خطبات کو ملا کر پڑھیں گے ان کے لیے دین کی راہ اچھی طرح روشن ہو جائے گی۔ وباللہ التوفیق۔

جو اصحاب ان خطبات کو جمعہ میں سنانا چاہیں وہ ہر خطبہ کی ابتدا میں خطبہ مسنونہ پڑھیں۔ خطبہ ثانیہ کے انتخاب میں وہ آزاد ہیں مگر وہ لازماً عربی میں ہونا چاہیے۔

ابوالاعلیٰ

لاہور ۔ ۱۵ رمضان ۱۳۵۹ھ

مسلمان ہونے کیلئے علم کی ضرورت

برادرانِ اسلام! ہر مسلمان سچے دل سے یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں خدا کی سب سے بڑی نعمت اسلام ہے۔ ہر مسلمان اس بات پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اسے شامل کیا اور اسلام کی نعمت اس کو عطا کی۔ خود اللہ تعالیٰ بھی اس کو اپنے بندوں پر اپنا سب سے بڑا انعام قرار دیتا ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسند کیا)۔ یہ احسان جو اللہ نے آپ پر فرمایا ہے، اس کا حق ادا کرنا آپ پر فرض ہے، کیونکہ جو شخص کسی کے احسان کا حق ادا نہیں کرتا وہ احسان فراموش ہوتا ہے، اور سب سے بدتر احسان فراموشی یہ ہے کہ انسان اپنے خدا کے احسان کا حق بھول جائے۔ اب آپ مجھ سے پوچھیے کہ خدا کے احسان کا حق کس طرح ادا کیا جائے؟ میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ جب خدا نے آپ کو امتِ محمدیہ میں شامل کیا ہے تو اس کے احسان کا صحیح شکریہ ہے کہ آپ پورے محمدی بنیں جب خدا نے آپ کو مسلمانوں کی امت میں شامل کیا ہے تو اس کی اس مہربانی کا حق آپ اسی طرح ادا کر سکتے ہیں کہ آپ پورے مسلمان بنیں۔ اس کے سوا خدا کے اس احسانِ عظیم کا حق آپ اور کسی طرح ادا نہیں کر سکتے، اور یہ حق اگر آپ نے ادا نہ کیا تو جتنا بڑا خدا کا احسان ہے، اتنا ہی بڑا اس احسان فراموشی کا وبال بھی ہوگا۔ خدا ہم سب کو اس وبال سے بچائے۔ آمین۔

اس کے بعد آپ مجھ سے سوال کیجیے کہ آدمی پورا مسلمان کس طرح بن سکتا ہے؟ اس کا جواب بہت تفصیل چاہتا ہے اور آئندہ جمعہ کے خطبوں میں اسی کا ایک ایک جز آپ کے سامنے پوری تشریح کے ساتھ بیان کروں گا، لیکن آج کے خطبہ میں، میں آپ کے سامنے وہ چیز بیان کرتا ہوں جو مسلمان بننے کے لیے سب

سے مقدم ہے آپ کو اس راستہ کا سب سے پہلا قدم سمجھنا چاہیے۔

ذرا دماغ پر زور ڈال کر سوچیے کہ آپ "مسلمان" کا لفظ جو بولتے ہیں اس کا مطلب کیا ہے؟ کیا انسان ماں کے پیٹ سے "اسلام" ساتھ لے کر آتا ہے؟ کیا ایک شخص صرف اس بنا پر مسلمان ہوتا ہے کہ وہ مسلمان کا بیٹا اور مسلمان کا پوتا ہے؟ کیا مسلمان بھی اسی طرح مسلمان پیدا ہوتا ہے جس طرح ایک برہمن کا بچہ برہمن پیدا ہوتا ہے، ایک راجپوت کا بیٹا راجپوت پیدا ہوتا ہے اور ایک شودر کا لڑکا شودر پیدا ہوتا ہے؟ کیا مسلمان کسی نسل یا ذات برادری کا نام ہے کہ جس طرح ایک انگریز، انگریزی قوم میں پیدا ہونے کی وجہ سے انگریز ہوتا ہے، اور ایک جاٹ جاٹ قوم میں پیدا ہونے کی وجہ سے جاٹ ہوتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان، صرف اس وجہ سے مسلمان ہو کہ وہ مسلمان نامی قوم میں پیدا ہوا ہے؟ یہ سوالات جو میں آپ سے کر رہا ہوں ان کا آپ کیا جواب دیں گے؟ آپ یہی کہیں گے نا کہ نہیں صاحب! مسلمان اس کو نہیں کہتے۔ مسلمان تو پیدا نہیں ہوتا بلکہ اسلام لانے سے مسلمان بنتا ہے، اور اسلام کو چھوڑتے ہی آدمی مسلمان نہیں رہتا۔ ایک شخص خواہ برہمن ہو یا راجپوت، انگریز ہو یا جاٹ، پنجابی ہو یا حبشی، جب اس نے اسلام قبول کیا تو مسلمانوں میں شامل ہو جائے گا۔ اور ایک دوسرا شخص جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے اگر وہ اسلام کی پیروی چھوڑ دے تو وہ مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو جائے گا، چاہے وہ سید کا بیٹا ہو یا پٹھان کا۔

کیوں حضرات آپ میرے سوالات کا یہی جواب دیں گے نا؟ اچھا تو آپ ہی کے جواب سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ خدا کی یہ سب سے بڑی نعمت جو آپ کو حاصل ہے، یہ کوئی پیدائشی چیز نہیں ہے کہ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی خود بخود آپ کو حاصل ہو جائے اور خود بخود تمام عمر آپ کے ساتھ لگی رہے، خواہ آپ اس کی پروا کریں یا نہ کریں۔ بلکہ یہ ایسی نعمت ہے کہ اس کے حاصل کرنے کے لیے خود آپ کی کوشش شرط ہے۔ اگر آپ کوشش کر کے اسے حاصل کریں تو یہ آپ کو مل سکتی ہے اور اگر آپ اس کی پروا نہ کریں تو یہ آپ سے چھن بھی سکتی ہے۔ معاذ اللہ۔

اب آگے بڑھیے۔ آپ کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے آدمی مسلمان بنتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام لانے کا

مطلب کیا ہے؟ کیا اسلام لانے کا یہ مطلب ہے کہ جو آدمی بس زبان سے کہہ دے کہ میں مسلمان ہوں، یا مسلمان بن گیا ہوں، وہ مسلمان ہے؟ یا اسلام لانے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک برہمن پجاری بغیر سمجھے بوجھے سنسکرت کے چند منتر پڑھتا ہے اسی طرح ایک شخص عربی کے چند فقرے بغیر سمجھے بوجھے زبان سے ادا کر دے اور بس وہ مسلمان ہو گیا؟ آپ بتائیے کہ اس سوال کا آپ کیا جواب دیں گے؟ آپ یہی کہیں گے نا کہ اسلام لانے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دی ہے اس کو آدمی جان کر، سمجھ کر، دل سے قبول کرے، اور اس کے مطابق عمل کرے۔ جو ایسا کرے وہ مسلمان ہے اور جو ایسا نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔

یہ جواب جو آپ دیں گے اس سے خودبخود یہ بات کھل گئی کہ اسلام پہلے علم کا نام ہے، اور علم کے بعد عمل کا نام ہے۔ ایک شخص علم کے بغیر برہمن ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ برہمن پیدا ہوا ہے اور برہمن ہی رہے گا۔ ایک شخص علم کے بغیر جاٹ ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ جاٹ پیدا ہوا ہے اور جاٹ ہی رہے گا۔ مگر ایک شخص علم کے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتا، کیونکہ مسلمان پیدائش سے مسلمان نہیں ہوتا بلکہ علم سے ہوتا ہے۔ جب تک اس کو یہ علم نہ ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کیا ہے، وہ اس پر ایمان کیسے لا سکتا ہے اور اس کے مطابق عمل کیسے کر سکتا ہے؟ اور جب وہ جان کر اور سمجھ کر ایمان ہی نہ لایا تو مسلمان کیسے ہو سکتا ہے؟ پس معلوم ہوا کہ جہالت کے ساتھ مسلمان ہونا اور مسلمان رہنا غیر ممکن ہے۔ ہر شخص جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے جس کا نام مسلمانوں کا سا ہے جو مسلمانوں کے سے کپڑے پہنتا ہے، اور جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہے، بلکہ مسلمان در حقیقت صرف وہ شخص ہی ہے جو اسلام کا علم رکھتا ہو اور جان بوجھ کر اس پر ایمان لائے۔ ایک کافر اور ایک مسلمان میں اصلی فرق نام کا نہیں ہے کہ وہ رام پرشاد ہے اور یہ عبداللہ ہے اس لئے وہ کافر ہے اور یہ مسلمان۔ اسی طرح ایک کافر اور ایک مسلمان میں اصلی فرق لباس کا بھی نہیں ہے کہ وہ دھوتی باندھتا ہے اور یہ پجامہ پہنتا ہے اس لیے وہ کافر ہے اور یہ مسلمان۔ بلکہ اصلی فرق ان دونوں کے درمیان علم کا ہے۔ وہ کافر اس لیے ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ خداوند عالم کا اس سے اور اس کا خداوند عالم سے کیا تعلق ہے، اور اپنے خالق کی مرضی کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرنے کا سیدھا راستہ کیا ہے۔

اگر یہی حال ایک مسلمان کے بچے کا بھی ہو تو بتاؤ کہ اس میں اور ایک کافر میں کس چیز کی بنا پر تم فرق کرتے ہو؟ اور کیوں یہ کہتے ہو کہ وہ تو کافر ہے اور یہ مسلمان ہے؟

حضرات! یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں اس کو ذرا کان لگا کر سنیے اور ٹھنڈے دل سے اس پر غور کیجیے۔ آپ کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ خدا کی یہ سب سے بڑی نعمت جس پر آپ شکر اور احسانمندی کا اظہار کرتے ہیں، اس کا حاصل ہونا اور حاصل رہنا دونوں باتیں علم پر موقوف ہیں۔ اگر علم نہ ہو تو یہ نعمت آدمی کو حاصل ہی نہیں ہو سکتی اور اگر تھوڑی بہت حاصل ہو بھی جائے تو جہالت کی بنا پر ہر وقت یہ خطرہ ہے کہ یہ عظیم الشان نعمت اس کے ہاتھ سے چلی جائے گی۔ محض نادانی کی بنا پر وہ اپنے نزدیک یہ سمجھتا رہے گا کہ میں ابھی تک مسلمان ہوں، حالانکہ وہ درحقیقت مسلمان نہ ہوگا۔ جو شخص یہ جانتا ہی نہ ہو کہ اسلام اور کفر میں کیا فرق ہے، اور اسلام اور شرک میں کیا امتیاز ہے۔ اس کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص اندھیرے میں ایک پگڈنڈی پر چل رہا ہو، ہو سکتا ہے کہ سیدھی لکیر پر چلتے چلتے خود بخود اس کے قدم کسی دوسرے راستے کی طرف مڑ جائیں اور اس کو یہ خبر بھی نہ ہو کہ میں سیدھی راہ سے ہٹ گیا ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راستے میں کوئی دجال کھڑا ہوا مل جائے اور اس سے کہے کہ ارے میاں تم اندھیرے میں راستہ بھول گئے ہو آؤ میں تمھیں منزل تک پہنچا دوں۔ بیچارہ اندھیرے کا مسافر چونکہ خود اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا کہ یہ راستہ کونسا ہے، اس لیے نادانی کے ساتھ اپنا ہاتھ اس دجال کے ہاتھ میں دے دیگا اور وہ اس کو بھٹکا کر کہیں سے کہیں لے جائے گا۔ یہ خطرات اس شخص کو اسی لیے تو پیش آتے ہیں کہ اس کے پاس خود کوئی روشنی نہیں ہے اور وہ خود اپنے راستے کے نشانات کو نہیں دیکھ سکتا۔ اگر اس کے پاس روشنی موجود ہو تو ظاہر ہے کہ نہ وہ راستہ بھولے گا اور نہ کوئی دوسرا اس کو بھٹکا سکے گا۔ بس اسی پر قیاس کر لیجیے کہ مسلمان کے لیے سب سے بڑا خطرہ اگر کوئی ہے تو یہی کہ وہ خود اسلام کی تعلیم سے ناواقف ہو، خود یہ نہ جانتا ہو کہ قرآن کیا سکھاتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہدایت دے گئے ہیں۔ اس جہالت کی وجہ سے وہ خود بھی بھٹک سکتا ہے اور دوسرے دجال بھی اس کو بھٹکا سکتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے پاس علم کی روشنی ہو تو وہ زندگی کے ہر قدم پر اسلام کے سیدھے راستے کو دیکھ سکے گا، ہر قدم پر کفر اور شرک اور گمراہی

اور فسق و فجور کے جو ٹیڑھے راستے بیچ میں آئیں گے ان کو پہچان کر ان سے بچ سکے گا اور جو کوئی راستے میں اس کو بہکانے والا ملے گا تو اس کی دو چار باتیں ہی سن کر وہ خود سمجھ جائے گا کہ یہ بہکانے والا آدمی ہے، اس کی پیروی نہ کرنی چاہیے۔

بھائیو! یہ علم جس کی ضرورت میں آپ سے بیان کر رہا ہوں اس پر تمہارے اور تمہاری اولاد کے مسلمان ہونے اور مسلمان رہنے کا انحصار ہے۔ یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے کہ اس سے بے پروائی کی جائے۔ تم اپنی کھیتی باڑی کے کام میں غفلت نہیں کرتے، اپنے مویشیوں کو چارہ دینے میں غفلت نہیں کرتے، اپنے پیشے کے کاموں میں غفلت نہیں کرتے۔ یہ کس لیے؟ محض اس لیے کہ اگر غفلت کرو گے تو بھوکے مر جاؤ گے اور جان جیسی چیز ضائع ہو جائے گی۔ پھر مجھے بتاؤ کہ اس علم کے حاصل کرنے میں کیوں غفلت کرتے ہو جس پر تمہارے مسلمان بننے اور مسلمان رہنے کا دارومدار ہے؟ کیا اس میں یہ خطرہ نہیں کہ ایمان جیسی عزیز چیز ضائع ہو جائے گی کیا ایمان جان سے زیادہ عزیز چیز نہیں ہے؟ تم جان کی حفاظت کرنے والی چیزوں کے لیے جتنا وقت اور جتنی محنت صرف کرتے ہو کیا اس وقت اور محنت کا دسواں حصہ بھی ایمان کی حفاظت کرنے والی چیزوں کے لیے صرف نہیں کر سکتے؟

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ تم میں سے ہر شخص مولوی بنے، بڑی بڑی کتابیں پڑھے اور اپنی عمر کے دس بارہ سال پڑھنے میں صرف کر دے۔ مسلمان بننے کے لیے اتنا پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے صرف ایک گھنٹہ علم دین سیکھنے میں صرف کرے۔ کم از کم اتنا علم ہر مسلمان بچے اور بوڑھے اور جوان کو حاصل ہونا چاہیے

کہ قرآن جس مقصد کے لیے اور جو تعلیم لے کر آیا ہے اس کا لب لباب جان لے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو مٹانے کے لیے اور اُس کی جگہ جو چیز قائم کرنے کے لیے تشریف لائے تھے اُس کو خوب پہچان لے۔ اور اُس خاص طریقِ زندگی سے واقف ہو جائے جو اللہ نے مسلمانوں کے لیے مقرر کیا ہے۔ اتنے علم کے لیے کچھ زیادہ وقت کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر ایمان عزیز ہو تو اس کے لیے ایک گھنٹہ روز نکالنا کچھ مشکل نہیں۔

مسلم اور کافر کا اصلی فرق

برادرانِ اسلام! ہر مسلمان اپنے نزدیک یہ سمجھتا ہے، اور آپ بھی ضرور ایسا ہی سمجھتے ہوں گے کہ مسلمان کا درجہ کافر سے اونچا ہے۔ مسلمان کو خدا پسند کرتا ہے اور کافر کو ناپسند کرتا ہے۔ مسلمان خدا کے ہاں بخشا جائے گا اور کافر کی بخشش نہ ہوگی۔ مسلمان جنت میں جائے گا اور کافر دوزخ میں جائے گا۔ آج میں چاہتا ہوں کہ آپ اس بات پر غور کریں کہ مسلمان اور کافر میں اتنا بڑا فرق آخر کیوں ہوتا ہے؟ کافر بھی آدم کی اولاد ہے اور تم بھی۔ کافر بھی ایسا ہی انسان ہے جیسے تم ہو۔ وہ بھی تمہارے ہی جیسے ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان رکھتا ہے۔ وہ بھی اسی ہوا میں سانس لیتا ہے، یہی پانی پیتا ہے، اسی زمین پر بستا ہے، یہی پیداوار کھاتا ہے۔ اسی طرح پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح مرتا ہے۔ اسی خدا نے اس کو بھی پیدا کیا ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔ پھر آخر کیوں اس کا درجہ نیچا ہے اور تمہارا اونچا؟ تمہیں جنت کیوں ملے گی اور وہ دوزخ میں کیوں ڈالا جائے گا؟

یہ بات ذرا سوچنے کی ہے۔ آدمی اور آدمی میں اتنا بڑا فرق صرف اتنی سی بات سے تو نہیں ہو سکتا کہ تم عبداللہ اور عبدالرحمٰن اور ایسے ہی دوسرے ناموں سے پکارے جاتے ہو اور وہ دین دیال اور کرتار سنگھ اور رابرٹسن جیسے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ یا تم ختنہ کراتے ہو اور وہ نہیں کراتا۔ یا تم گوشت کھاتے ہو اور وہ نہیں کھاتا۔ اللہ تعالیٰ جس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے اور جو سب کا پروردگار ہے ایسا ظلم تو کبھی نہیں کر سکتا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنی مخلوقات میں فرق کرے اور ایک بندے کو جنت میں اور دوسرے کو دوزخ میں پہنچائے۔

جب یہ بات نہیں ہے تو پھر غور کرو کہ دونوں میں اصلی فرق کیا ہے؟ اس کا جواب صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں میں اصلی فرق اسلام اور کفر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسلام کے معنی خدا کی فرماں برداری کے ہیں اور کفر کے معنی خدا کی نافرمانی کے۔ مسلمان اور کافر دونوں انسان ہیں، دونوں خدا کے بندے ہیں، مگر ایک انسان اس لیے

افضل ہو جاتا ہے کہ یہ اپنے مالک کو پہچانتا ہے، اس کے حکم کی اطاعت کرتا ہے، اور اس کی نافرمانی کے انجام سے ڈرتا ہے۔ اور دوسرا انسان اس لیے اونچے درجے سے گر جاتا ہے کہ وہ اپنے مالک کو نہیں پہچانتا اور اس کی فرماں برداری نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے مسلمان سے خدا خوش ہوتا ہے اور کافر سے ناراض۔ مسلمان کو جنت دینے کا وعدہ کرتا ہے اور کافر کو کہتا ہے کہ دوزخ میں ڈالوں گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو کافر سے جدا کرنے والی صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک علم اور دوسرے عمل۔ یعنی پہلے تو اسے یہ جاننا چاہیے کہ اس کا مالک کون ہے؟ اس کے احکام کیا ہیں؟ اس کی مرضی پر چلنے کا طریقہ کیا ہے؟ کن کاموں سے وہ خوش ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے؟ پھر جب یہ باتیں معلوم ہو جائیں تو دوسری بات یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو مالک کا غلام بنا دے۔ جو مالک کی مرضی ہو اس پر چلے اور جو اپنی مرضی ہو اس کو چھوڑ دے۔ اگر اس کا دل ایک کام کو چاہے اور مالک کا حکم اس کے خلاف ہو تو اپنے دل کی بات نہ مانے اور مالک کی بات مان لے۔ اگر ایک کام اس کو اچھا معلوم ہوتا ہے اور مالک کہے کہ وہ برا ہے، تو اسے برا ہی سمجھے، اور اگر دوسرا کام اسے برا معلوم ہوتا ہو مگر مالک کہے کہ وہ اچھا ہے تو اسے اچھا ہی سمجھے۔ اگر ایک کام میں اسے نقصان نظر آتا ہو اور مالک کا حکم ہو کہ اس کو کیا جائے تو چاہے اس میں جان اور مال کا کتنا ہی نقصان ہو، وہ اس کو ضرور کر کے ہی چھوڑے۔ اگر دوسرے کام میں اس کو فائدہ نظر آتا ہو اور مالک کا حکم ہو کہ اسے نہ کیا جائے، تو خواہ دنیا بھر کی دولت ہی اس کام میں کیوں نہ ملتی ہو، وہ اس کام کو ہرگز نہ کرے۔

یہ علم اور یہ عمل ہے جس کی وجہ سے مسلمان خدا کا پیارا بندہ ہوتا ہے، اور اس پر خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اور خدا اس کو عزت عطا کرتا ہے۔ کافر یہ علم نہیں رکھتا اور علم نہ ہونے کی وجہ سے اس کا عمل بھی ایسا نہیں ہوتا، اس لیے وہ خدا کا جاہل اور نافرمان بندہ ہوتا ہے، اور خدا اس کو اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔

اب خود ہی انصاف سے کام لے کر سوچو کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو مگر ویسا ہی جاہل ہو جیسا ایک کافر ہوتا ہے، اور ویسا ہی نافرمان ہو جیسا ایک کافر ہوتا ہے، تو محض نام اور لباس اور کھانے پینے کے فرق کی

وجہ سے وہ کافر کے مقابلہ میں کس طرح افضل ہوسکتا ہے اور کس بنا پر دنیا اور آخرت میں خدا کی رحمت کا حق دار ہوسکتا ہے؟ اسلام کسی نسل، خاندان یا برادری کا نام نہیں ہے کہ باپ سے بیٹے کو اور بیٹے سے پوتے کو آپ ہی آپ مل جائے۔ یہاں یہ بات نہیں ہے کہ برہمن کا لڑکا چاہے کیسا ہی جاہل ہو اور کیسے ہی بُرے کام کرے، مگر وہ اونچا ہی ہو گا کیونکہ برہمن کے گھر میں پیدا ہوا ہے اور اونچی ذات کا ہے۔ اور چمار کا لڑکا چاہے علم اور عمل کے لحاظ سے ہر طرح اس سے بڑھ کر ہو، مگر وہ نیچا ہی رہے گا، کیونکہ چمار کے گھر پیدا ہوا ہے اور کمین ہے۔ یہاں تو خدا نے اپنی کتاب پاک میں صاف فرما دیا ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ یعنی جو خدا کو زیادہ پہچانتا ہے اور اس کی زیادہ فرماں برداری کرتا ہے، وہی خدا کے نزدیک زیادہ عزت والا ہے۔ حضرت ابراہیم ایک بت پرست کے گھر پیدا ہوئے۔ مگر انھوں نے خدا کو پہچانا اور اس کی فرماں برداری کی، اس لیے خدا نے ان کو ساری دنیا کا امام بنا دیا۔ حضرت نوح کا لڑکا ایک پیغمبر کے گھر پیدا ہوا، مگر اس نے خدا کو نہ پہچانا اور اس کی نافرمانی کی اس لیے خدا نے اس کے خاندان کی کچھ پروا نہ کی اور اسے ایسا عذاب دیا جس پر دنیا عبرت کرتی ہے۔ پس خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ خدا کے نزدیک انسان اور انسان میں جو کچھ بھی فرق ہے وہ علم اور عمل کے لحاظ سے ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس کی رحمت صرف انھی کے لیے ہے جو اس کو پہچانتے ہیں، اور اس کے بتائے ہوئے سیدھے راستے کو جانتے ہیں، اور اس کی فرماں برداری کرتے ہیں جن لوگوں میں یہ صفت نہیں ہے، ان کے نام خواہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہوں یا دین دیال اور کرتار سنگھ، خدا کے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں اور ان کو اس کی رحمت سے کوئی حق نہیں پہنچتا۔

بھائیو! تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو، اور تمھارا ایمان ہے کہ مسلمان پر خدا کی رحمت ہوتی ہے۔ مگر ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو، کیا خدا کی رحمت تم پر نازل ہو رہی ہے؟ آخرت میں جو کچھ ہو گا وہ تو تم بعد میں دیکھو گے مگر اس دنیا میں تمھارا جو حال ہے اس پر نظر ڈالو۔ اس ہندوستان میں تم نو کروڑ ہو۔ تمھاری اتنی بڑی تعداد ہے کہ اگر ایک ایک شخص ایک ایک کنکری پھینکے تو پہاڑ بن جائے۔ لیکن جہاں اتنے مسلمان موجود ہیں وہاں کفار حکومت

کر رہے ہیں۔ تمھاری گردنیں ان کی مٹھی میں ہیں کہ جدھر چاہیں تمھیں موڑ دیں۔ تمھارا سر جو خدا کے سوا کسی کے آگے نہ جھکتا تھا، اب انسانوں کے آگے جھک رہا ہے۔ تمھاری عزت جس پر ہاتھ ڈالنے کی کوئی ہمت نہ کر سکتا تھا، آج وہ خاک میں مل رہی ہے۔ تمھارا ہاتھ جو ہمیشہ اونچا ہی رہتا تھا اب وہ نیچا ہوتا ہے اور کافر کے آگے پھیلتا ہے۔ جہالت اور افلاس اور قرض داری نے ہر جگہ تم کو ذلیل و خوار کر رکھا ہے۔ کیا یہ خدا کی رحمت ہے؟ اگر یہ رحمت نہیں ہے، بلکہ کھلا ہوا غضب ہے، تو کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمان اور اس پر خدا کا غضب نازل ہو! مسلمان اور ذلیل ہو! مسلمان اور غلام ہو! یہ تو ایسی ناممکن بات ہے جیسے کوئی چیز سفید بھی ہو اور سیاہ بھی۔ جب مسلمان خدا کا محبوب ہوتا ہے تو خدا کا محبوب دنیا میں ذلیل و خوار کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا نعوذ باللہ تمھارا خدا ظالم ہے کہ تم اس کا حق پہچانو اور اس کی فرماں برداری کرو اور وہ نافرمانوں کو تم پر حاکم بنا دے، اور تم کو فرماں برداری کے معاوضے میں سزا دے؟ اگر تمھارا ایمان ہے کہ خدا ظالم نہیں ہے، اور اگر تم یقین رکھتے ہو کہ خدا کی فرماں برداری کا بدلہ ذلت سے نہیں مل سکتا، تو پھر تمھیں ماننا پڑے گا کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ جو تم کرتے ہو اسی میں کوئی غلطی ہے۔ تمھارا نام سرکاری کاغذات میں تو ضرور مسلمان لکھا جاتا ہے، مگر خدا کے ہاں انگریزی سرکار کے دفتر کی سند پر فیصلہ نہیں ہوتا۔ خدا اپنا دفتر الگ رکھتا ہے، وہاں تلاش کرو کہ تمھارا نام فرماں برداروں میں لکھا ہوا ہے یا نافرمانوں میں؟

خدا نے تمھارے پاس کتاب بھیجی تاکہ تم اس کو پڑھ کر اپنے مالک کو پہچانو اور اس کی فرماں برداری کا طریقہ معلوم کرو۔ کیا تم نے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہے؟ خدا نے اپنے نبی کو تمھارے پاس بھیجا تاکہ وہ تمھیں مسلمان بننے کا طریقہ سکھائے۔ کیا تم نے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ اس نبی نے کیا سکھایا ہے؟ خدا نے تم کو دنیا اور آخرت میں عزت حاصل کرنے کا طریقہ بتایا۔ کیا تم اس طریقہ پر چلتے ہو؟ خدا نے کھول کھول کر بتایا کہ کون سے کام ہیں جن سے انسان دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوتا ہے۔ کیا تم ایسے کاموں سے بچتے ہو؟ بتاؤ تمھارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ اگر تم مانتے ہو کہ نہ تو تم نے خدا کی کتاب اور اس کے نبی کی زندگی سے علم حاصل کیا، اور نہ اس کے بتائے ہوئے طریقہ کی پیروی کی، تو تم مسلمان ہوئے کب کہ تمھیں اس کا اجر ملے؟ جیسے تم مسلمان

ہو ویسا ہی اجر تمھیں مل رہا ہے اور ویسا ہی اجر آخرت میں بھی دیکھ لو گے۔

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ مسلمان اور کافر میں علم اور عمل کے سوا کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کا علم اور عمل ویسا ہی ہے جیسا کافر کا ہے، اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، تو بالکل جھوٹ کہتا ہے۔ کافر قرآن کو نہیں پڑھتا اور نہیں جانتا کہ اس میں کیا لکھا ہے، یہی حال اگر مسلمان کا بھی ہو تو وہ مسلمان کیوں کہلائے؟ کافر نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تعلیم ہے اور آپ نے خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ کیا بتایا ہے۔ اگر مسلمان بھی اسی کی طرح ناواقف ہو تو وہ مسلمان کیسے ہوا؟ کافر خدا کی مرضی پر چلنے کے بجائے اپنی مرضی پر چلتا ہے۔ مسلمان بھی اگر اسی کی طرح خود سر اور آزاد ہو، اسی کی طرح اپنے ذاتی خیالات اور اپنی رائے پر چلنے والا ہو، اسی کی طرح خدا سے بے پروا اور اپنی خواہش کا بندہ ہو تو اسے اپنے آپ کو "مسلمان" (یعنی خدا کا فرماں بردار) کہنے کا کیا حق ہے؟ کافر حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتا اور جس کام میں اپنے نزدیک فائدہ یا لذت دیکھتا ہے اس کو اختیار کر لیتا ہے، چاہے خدا کے نزدیک وہ حلال ہو یا حرام۔ یہی رویہ اگر مسلمان کا ہو تو اس میں اور کافر میں کیا فرق ہوا؟ غرض یہ ہے کہ جب مسلمان بھی اسلام کے علم سے اتنا ہی کورا ہو جتنا کافر ہوتا ہے، اور جب مسلمان بھی وہی سب کچھ کرے جو کافر کرتا ہے تو اس کو کافر کے مقابلہ میں کیوں فضیلت حاصل ہو، اور اس کا حشر بھی کافر جیسا کیوں نہ ہو؟ یہ ایسی بات ہے جس پر ہم سب کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔

میرے عزیز بھائیو! کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ میں مسلمانوں کو کافر بنائے چلا ہوں۔ نہیں، میرا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے۔ میں خود بھی سوچتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ سوچے کہ ہم آخر خدا کی رحمت سے کیوں محروم ہو گئے ہیں؟ ہم پر ہر طرف سے کیوں مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں؟ جن کو ہم کافر، یعنی خدا کے نافرمان بندے کہتے ہیں وہ ہم پر ہر جگہ غالب کیوں ہیں؟ اور ہم جو فرماں بردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ہم ہر جگہ مغلوب کیوں ہو رہے ہیں؟ اس کی وجہ پر میں نے جتنا زیادہ غور کیا، اتنا ہی مجھے یقین ہوتا چلا گیا کہ ہم میں اور کفار میں بس نام کا فرق رہ گیا ہے، ورنہ ہم بھی خدا سے غفلت اور اس سے بے خوفی اور اس کی نافرمانی میں کچھ ان سے کم نہیں ہیں۔ تھوڑا سا فرق ہم میں اور ان میں ضرور ہے، مگر اس کی

وجہ سے ہم کسی اجر کے مستحق نہیں ہیں، بلکہ سزا کے مستوجب ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن خدا کی کتاب ہے اور پھر اس کے ساتھ وہ برتاؤ کرتے ہیں جو کافر کرتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں، اور پھر ان کی پیروی سے اس طرح بھاگتے ہیں جس طرح کافر بھاگتا ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ جھوٹے پر خدا نے لعنت کی ہے، رشوت کھانے اور کھلانے والے کو جہنم کا یقین دلایا ہے، سود کھانے اور کھلانے والے کو بدترین مجرم قرار دیا ہے، غیبت کو اپنے بھائی کا گوشت کھانے کے برابر بتایا ہے، فحش اور بے حیائی اور بدکاری پر سخت عذاب کی دھمکی دی ہے، مگر یہ جاننے کے بعد بھی ہم کفار کی طرح یہ سب کام آزادی کے ساتھ کرتے ہیں، گویا ہمیں خدا کا کوئی خوف ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جو کفار کے مقابلہ میں تھوڑے بہت مسلمان بنے ہوئے نظر آتے ہیں، اس پر ہمیں انعام نہیں ملتا، بلکہ سزا دی جاتی ہے۔ کفار کا ہم پر حکمراں ہونا، ہر جگہ ہمارا ذلیل ہونا، اسی جرم کی سزا ہے کہ ہمیں اسلام کی نعمت دی گئی تھی اور پھر ہم نے اس کی قدر نہ کی۔

عزیزو! آج کے خطبہ میں جو کچھ میں نے کہا ہے، یہ اس لیے نہیں ہے کہ تم کو ملامت کروں۔ میں ملامت کرنے نہیں اٹھا ہوں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ کھو دیا گیا ہے اس کو پھر سے حاصل کرنے کی کچھ فکر کی جائے۔ کھوئے ہوئے کو پانے کی فکر اسی وقت تو کی جاتی ہے جب انسان کو معلوم ہو کہ اس کے پاس سے کیا چیز کھوئی گئی ہے اور وہ کیسی قیمتی چیز ہے۔ اسی لیے میں تم کو چونکانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر تم کو ہوش آجائے اور تم سمجھ لو کہ حقیقت میں بہت قیمتی چیز تمہارے پاس تھی تو تم پھر سے اس کے حاصل کرنے کی فکر کرو گے۔

میں نے پچھلے خطبہ میں تم سے کہا تھا کہ مسلمان کو مسلمان ہونے کے لیے سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ اسلام کا علم ہے۔ ہر مسلمان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کی تعلیم کیا ہے، رسول پاک کا طریقہ کیا ہے، اسلام کس کو کہتے ہیں، اور کفر و اسلام میں اصلی فرق کن باتوں کی وجہ سے ہے۔ اس علم کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا مگر افسوس ہے کہ تم اسی علم کو حاصل کرنے کی فکر نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک تم کو احساس نہیں ہوا کہ تم کتنی بڑی نعمت سے محروم ہو۔ میرے بھائیو! ماں اپنے بچے کو دودھ بھی اس وقت تک نہیں دیتی جب تک کہ وہ رو کر مانگتا

نہیں۔ پیاسے کو جب پیاس لگتی ہے تو وہ خود پانی ڈھونڈتا ہے، اور خدا اس کے لیے پانی پیدا بھی کر دیتا ہے جب تم کو خود ہی پیاس نہ ہو تو پانی سے بھرا ہوا کنواں بھی تمہارے پاس آجائے تو بے کار ہے۔ پہلے تم کو خود سوچنا چاہیے کہ دین سے ناواقف رہنے میں تمہارا کتنا بڑا نقصان ہے۔ خدا کی کتاب تمہارے پاس موجود ہے، مگر تم نہیں جانتے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ اس سے زیادہ نقصان کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ نماز تم پڑھتے ہو مگر تمہیں نہیں معلوم کہ اس نماز میں تم اپنے خدا کے سامنے کیا عرض کرتے ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہو سکتا ہے؟ کلمہ جس کے ذریعہ سے تم اسلام میں داخل ہوتے ہو، اس کے معنی تک تم کو معلوم نہیں اور تم نہیں جانتے کہ اس کلمہ کو پڑھنے کے ساتھ تم پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی نقصان ہو سکتا ہے؟ کھیتی کے جل جانے کا نقصان تم کو معلوم ہے، روزگار نہ ملنے کا نقصان تم کو معلوم ہے، اپنے مال کے ضائع ہو جانے کا نقصان تم کو معلوم ہے، مگر اسلام سے ناواقف ہونے کا نقصان تمہیں معلوم نہیں۔ جب تم کو اس نقصان کا احساس ہو گا تو تم خود آکر کہو گے کہ ہمیں اس نقصان سے بچاؤ۔ اور جب تم خود کہو گے تو ان شاء اللہ تمہیں اس نقصان سے بچانے کا بھی انتظام ہو جائے گا۔

سوچنے کی باتیں

برادرانِ اسلام! دنیا میں اس وقت مسلمان ہی وہ خوش قسمت لوگ ہیں جن کے پاس اللہ کا کلام بالکل محفوظ، تمام تحریفات سے پاک ٹھیک انہی الفاظ میں موجود ہے جن الفاظ میں وہ اللہ کے رسول پر حق پر اترا تھا۔ اور دنیا میں اس وقت مسلمان ہی وہ بدقسمت لوگ ہیں جو اپنے پاس اللہ کا کلام رکھتے ہیں اور پھر بھی اس کی برکتوں اور بے حد وحساب نعمتوں سے محروم ہیں۔ قرآن اُن کے پاس اس لیے بھیجا گیا تھا کہ اس کو پڑھیں سمجھیں، اس کے مطابق عمل کریں، اور اس کو لے کر خدا کی زمین پر خدا کے قانون کی حکومت قائم کر دیں۔ وہ ان کو عزت اور طاقت بخشنے آیا تھا۔ وہ انھیں زمین پر خدا کا اصلی خلیفہ بنانے آیا تھا۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ جب انھوں نے اس کی ہدایت کے مطابق عمل کیا تو اس نے ان کو دنیا کا امام اور پیشوا بنا کر بھی دکھا دیا۔ مگر اب اُن کے ہاں اس کا مصرف اس کے سوا کچھ نہیں رہا کہ گھر میں اس کو رکھ کر جن بھوت بھگائیں، اس کی آیتوں کو لکھ کر گلے میں باندھیں اور گھول کر پئیں، اور محض ثواب کے لیے بے سمجھے بوجھے پڑھ لیا کریں۔ اب یہ اس سے اپنی زندگی کے معاملات میں ہدایت نہیں مانگتے۔ یہ اس سے نہیں پوچھتے کہ ہمارے عقائد کیا ہونے چاہییں؟ ہمارے اعمال کیا ہونے چاہییں؟ ہمارے اخلاق کیسے ہونے چاہییں؟ لین دین کس طرح کریں؟ دوستی اور دشمنی میں کس قانون کی پابندی کریں؟ خدا کے بندوں کے اور خود اپنے نفس کے حقوق ہم پر کیا ہیں اور انھیں ہم کس طرح ادا کریں؟ ہمارے لیے حق کیا ہے اور باطل کیا؟ اطاعت ہمیں کس کی کرنی چاہیے اور نافرمانی کس کی؟ تعلق کس سے رکھنا چاہیے اور کس سے نہ رکھنا چاہیے؟ ہمارا دوست کون ہے اور دشمن کون؟ ہمارے لیے عزت اور فلاح اور نفع کس چیز میں ہے اور ذلت اور نامرادی اور نقصان کس چیز میں؟ یہ ساری باتیں اب مسلمانوں

نے قرآن سے پوچھنی چھوڑ دی ہیں۔ اب یہ کافروں اور مشرکوں سے، گمراہ اور خود غرض لوگوں سے، اور خود اپنے نفس کے شیطان سے ان باتوں کو پوچھتے ہیں اور انہی کے کہے پر چلتے ہیں۔ اس لیے خدا کو چھوڑ کر دوسروں کے حکم پر چلنے کا جو انجام ہونا چاہیے وہی ان کا ہوا اور اسی کو یہ آج ہندوستان میں اچین اور جاوا میں، فلسطین اور شام میں، الجزائر اور مراکش میں، ہر جگہ بری طرح بھگت رہے ہیں۔ قرآن تو خیر کا سرچشمہ ہے۔ جتنی اور جیسی خیر تم اس سے مانگو گے یہ تمہیں دے گا۔ تم اس سے محض جن بھوت بھگانا اور کھانسی بخار کا علاج اور مقدمہ کی کامیابی اور نوکری کا حصول اور ایسی ہی چھوٹی ذلیل و بے حقیقت چیزیں مانگتے ہو تو یہی تمہیں ملیں گی۔ اگر دنیا کی بادشاہی اور روئے زمین کی حکومت مانگو گے تو وہ بھی دے گا۔ اور اگر عرش الٰہی کے قریب پہنچنا چاہو گے تو یہ تمہیں وہاں بھی پہنچا دے گا۔ یہ تمہارے اپنے ظرف کی بات ہے کہ سمندر سے پانی کی دو بوندیں مانگتے ہو۔ ورنہ سمندر تو دریا بخشنے کے لیے بھی تیار ہے۔

حضرات! جو ستم ظریفیاں ہمارے بھائی مسلمان اللہ کی اس کتاب پاک کے ساتھ کرتے ہیں وہ اس قدر مضحکہ انگیز ہیں کہ اگر یہ خود کسی دوسرے معاملہ میں کسی شخص کو ایسی حرکتیں کرتے دیکھیں تو اس کی ہنسی اڑائیں بلکہ اس کو پاگل قرار دیں۔ بتائیے اگر کوئی شخص حکیم سے نسخہ لکھوا کر لائے اور اسے کپڑے میں لپیٹ کر گلے میں باندھ لے یا اسے پانی میں گھول کر پی جائے تو اسے آپ کیا کہیں گے؟ کیا آپ کو اس پر ہنسی نہ آئے گی اور آپ اسے بے وقوف نہ سمجھیں گے؟ مگر سب سے بڑے حکیم نے آپ کے امراض کے لیے شفا اور رحمت کا جو بے نظیر نسخہ لکھ کر دیا ہے اس کے ساتھ آپ کی آنکھوں کے سامنے رات دن یہی سلوک ہو رہا ہے اور کسی کو اس پر ہنسی نہیں آتی۔ کوئی نہیں سوچتا کہ نسخہ گلے میں لٹکانے اور گھول کر پینے کی چیز نہیں بلکہ اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی ہدایت کے مطابق دوا استعمال کی جائے۔

بتائیے اگر کوئی شخص بیمار ہو اور علم طب کی کوئی کتاب لے کر پڑھنے بیٹھ جائے اور یہ خیال کرے کہ محض اس کتاب کو پڑھ لینے سے بیماری دور ہو جائے گی تو آپ اسے کیا کہیں گے؟ کیا آپ نہ کہیں گے کہ اسے

پاگل خانے میں، اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ مگر شفائے مطلق نے جو کتاب آپ کے امراض کا علاج کرنے کے لیے بھیجی ہے اس کے ساتھ آپ کا یہی برتاؤ ہے۔ آپ اس کو پڑھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ بس اس کے پڑھ لینے ہی سے تمام امراض دور ہو جائیں گے، اس کی ہدایات پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں، نہ ان چیزوں سے پرہیز کی ضرورت ہے جن کو یہ مضر بتا رہی ہے۔ پھر آپ خود اپنے اوپر بھی وہی حکم کیوں نہیں لگاتے جو اس بیمار پر لگاتے ہیں جو بیماری کے دور کرنے کے لیے صرف علم طب کی کتاب پڑھ لینے کو کافی سمجھتا ہے؟

آپ کے پاس اگر کوئی خط کسی ایسی زبان میں آتا ہے جسے آپ نہ جانتے ہوں تو آپ دوڑے ہوئے جاتے ہیں کہ اس زبان کے جاننے والے سے اس کا مطلب پوچھیں جب تک آپ اس کا مطلب نہیں جان لیتے آپ کو چین نہیں آتا۔ یہ معمولی کاروبار کے خطوط کے ساتھ آپ کا برتاؤ ہے جن میں زیادہ سے زیادہ چار پیسوں کا فائدہ ہو جاتا ہے۔ مگر خداوند عالم کا جو خط آپ کے پاس آیا ہوا ہے اور جس میں آپ کے لیے دین و دنیا کے تمام فائدے ہیں، اُسے آپ اپنے پاس یونہی رکھ چھوڑتے ہیں، اس کا مطلب سمجھنے کے لیے کوئی بے چینی آپ میں پیدا نہیں ہوتی۔ کیا یہ حیرت اور تعجب کا مقام نہیں ہے؟

یہ باتیں میں ہنسی دل لگی کے لیے نہیں کر رہا ہوں۔ آپ ان باتوں پر غور کریں گے تو آپ کا دل گواہی دے گا کہ دنیا میں سب سے بڑھ کر ظلم اللہ کی اس پاک کتاب کے ساتھ ہو رہا ہے، اور یہ ظلم کرنے والے وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، اور اس پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ بے شک وہ ایمان رکھتے ہیں، اور اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں، مگر افسوس یہ ہے کہ وہی اس پر سب سے زیادہ ظلم کرتے ہیں۔ اور اللہ کی کتاب پر ظلم کرنے کا جو انجام ہے وہ ظاہر ہے۔ خوب سمجھ لیجیے! اللہ کا کلام انسان کے پاس اس لیے نہیں آتا کہ وہ بدبختی اور نکبت و مصیبت میں مبتلا ہو۔ طٰهٰ مَآ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى۔ یہ سعادت اور نیک بختی کا سرچشمہ ہے۔ شقاوت اور بدبختی کا ذریعہ نہیں ہے۔ یہ قطعی

ناممکن ہے کہ کوئی قوم خدا کے کلام کی حامل ہو اور پھر دنیا میں ذلیل و خوار ہو، دوسروں کی محکوم ہو، پاؤں میں روندی اور جوتیوں سے ٹھکرائی جائے اس کے گلے میں غلامی کا پھندا ہو اور غیروں کے ہاتھ میں اس کی باگیں ہوں، اور وہ اس کو اس طرح ہانکیں جیسے جانور ہانکے جاتے ہیں۔ یہ انجام اس کا صرف اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ کے کلام پر ظلم کرتی ہے۔ بنی اسرائیل کا انجام آپ کے سامنے ہے، ان کے پاس توراۃ اور انجیل بھیجی گئی تھیں اور کہا گیا تھا:۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ	اگر وہ توراۃ اور انجیل اور ان کتابوں کی پیروی پر قائم رہتے
وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ	جو ان کے پاس بھیجی گئی تھیں تو ان پر آسمان سے رزق برستا اور
فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ	زمین سے رزق ابلتا۔

مگر انھوں نے اللہ کی ان کتابوں پر ظلم کیا اور اس کا نتیجہ یہ دیکھا کہ:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ	ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ خدا کے
وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ	غضب میں گھر گئے۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر
كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ	کرنے لگے تھے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ اور
النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا	اس لیے کہ اللہ کے نافرمان ہو گئے تھے اور حد سے گذر
وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۔	گئے تھے۔

پس جو قوم خدا کی کتاب رکھتی ہو اور پھر ذلیل و خوار اور محکوم و مغلوب ہو تو سمجھ لیجیے کہ وہ ضرور کتاب الٰہی پر ظلم کر رہی ہے اور اس پر یہ سارا وبال اسی ظلم کا ہے۔ خدا کے اس غضب سے نجات پانے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اس کی کتاب کے ساتھ ظلم کرنا چھوڑ دیا جائے، اور اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر آپ اس گناہ عظیم سے باز نہ آئیں گے تو آپ کی حالت ہرگز نہ بدلے گی خواہ آپ گاؤں گاؤں کالج کھول دیں اور آپ کا بچہ بچہ گریجویٹ ہو جائے، اور آپ یہودیوں کی طرح سودخواری

کرکے کروڑپتی ہی کیوں نہ بن جائیں۔

حضرات! ہر مسلمان کو سب سے پہلے جو چیز جاننی چاہیے وہ یہ ہے کہ "مسلمان" کہتے کس کو ہیں اور "مسلم" کے معنی کیا ہیں۔ اگر انسان یہ نہ جانتا ہو کہ "انسانیت" کیا چیز ہے اور انسان وحیوان میں فرق کیا ہے تو وہ حیوانوں کی سی حرکات کرے گا اور اپنے آدمی ہونے کی قدر نہ کرسکے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو یہ نہ معلوم ہو کہ مسلمان ہونے کے معنی کیا ہیں اور مسلم اور غیر مسلم میں امتیاز کس طرح ہوتا ہے تو وہ غیر مسلموں کی سی حرکات کرے گا اور اپنے مسلمان ہونے کی قدر نہ کرسکے گا۔ لہٰذا مسلمان کو اور مسلمان کے ہر بچے کو اس بات سے واقف ہونا چاہیے کہ وہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو اس کے معنی کیا ہیں، مسلمان ہونے کے ساتھ ہی آدمی کی حیثیت میں کیا فرق واقع ہوجاتا ہے، اس پر کیا ذمہ داری عائد ہوجاتی ہے، اور اسلام کی حدود کیا ہیں جن کے اندر رہنے سے آدمی مسلمان رہتا ہے اور جن کے باہر قدم رکھتے ہی وہ مسلمانیت سے خارج ہوجاتا ہے۔ چاہے وہ زبان سے اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا جائے۔

اسلام کے معنی ہیں خدا کی اطاعت اور فرماں برداری کے۔ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کردینا "اسلام" ہے۔ خدا کے مقابلہ میں اپنی آزادی وخودمختاری سے دست بردار ہوجانا "اسلام" ہے۔ خدا کی بادشاہی و فرماں روائی کے آگے سر تسلیم خم کردینا "اسلام" ہے۔ جو شخص اپنے سارے معاملات کو خدا کے حوالے کردے وہ مسلمان ہے۔ اور جو اپنے معاملات کو اپنے ہاتھ میں رکھے یا خدا کے سوا کسی اور کے سپرد کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔ خدا کے حوالے کرنے یا خدا کے سپرد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ سے جو ہدایت بھیجی ہے اس کو قبول کیا جائے، اس میں چون وچرا نہ کی جائے اور زندگی میں جو معاملہ بھی پیش آئے اس میں صرف قرآن اور سنت رسول کی پیروی کی جائے۔ جو شخص اپنی عقل اور دنیا کے دستور، اور خدا کے سوا ہر ایک کی بات کو پیچھے رکھتا ہے، اور ہر معاملہ میں خدا کی کتاب اور اس کے رسول سے پوچھتا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے، اور جو ہدایت وہاں سے

ملے اس کو بے چون وچرا مان لیتا ہے، اور اس کے خلاف ہر چیز کو رد کر دیتا ہے، وہ اور صرف وہی "مسلمان" ہے۔ اس لیے کہ اس نے اپنے آپ کو بالکل خدا کے سپرد کر دیا، اور اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنا ہی "مسلمان" ہونا ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص قرآن اور سنتِ رسول پر انحصار نہیں کرتا بلکہ اپنے دل کا کہا کرتا ہے، یا باپ دادا سے جو کچھ ہوتا چلا آتا ہو اس کی پیروی کرتا ہے، یا دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہو اس کے مطابق چلتا ہے، اور اپنے معاملات میں قرآن اور سنت سے یہ دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا کہ اسے کیا کرنا چاہیے، یا اگر اسے معلوم ہو جائے کہ قرآن و سنت کی ہدایت یہ ہے اور پھر وہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ میری عقل اسے قبول نہیں کرتی اس لیے میں اس بات کو نہیں مانتا، یا باپ دادا سے تو اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے لہٰذا میں اس کی پیروی نہ کروں گا، یا دنیا کا طریقہ اس کے خلاف ہے لہٰذا میں اسی پر چلوں گا، تو ویسا شخص ہرگز مسلمان نہیں ہے۔ وہ جھوٹ کہتا ہے اگر اپنے کو مسلمان کہتا ہے۔

آپ جس وقت کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں اور مسلمان ہونے کا اقرار کرتے ہیں، اسی وقت گویا آپ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ کے لیے قانون صرف خدا کا قانون ہے، آپ کا حاکم صرف خدا ہے، آپ کو اطاعت صرف خدا کی کرنی ہے، اور آپ کے نزدیک حق صرف وہ ہے جو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے ذریعہ سے معلوم ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ مسلمان ہوتے ہی خدا کے حق میں اپنی آزادی سے دست بردار ہو گئے۔ اب آپ کو یہ کہنے کا حق ہی نہ رہا کہ میری رائے یہ ہے یا دنیا کا دستور یہ ہے، یا خاندان کا رواج یہ ہے، یا فلاں حضرت اور فلاں بزرگ یہ فرماتے ہیں۔ خدا کے کلام اور اس کے رسول کی سنت کے مقابلہ میں اب ان میں سے کوئی چیز آپ نہیں کر سکتے۔ اب آپ کا کام یہ ہے کہ ہر چیز کو قرآن اور سنت کے سامنے پیش کریں جو کچھ اس کے مطابق ہو اسے قبول کریں اور جو اس کے خلاف ہو اسے اٹھا کر پھینک دیں خواہ وہ کسی کی بات اور کسی کا طریقہ ہو۔ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہنا اور پھر قرآن و سنت کے مقابلہ میں اپنے خیال یا دنیا کے دستور یا کسی انسان کے قول یا عمل کو ترجیح دینا یہ دونوں

ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جس طرح کوئی اندھا اپنے آپ کو آنکھوں والا نہیں کہہ سکتا، اور کوئی نکٹا اپنے آپ کو ناک والا نہیں کہہ سکتا اسی طرح کوئی ایسا شخص اپنے آپ کو مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا جو اپنی زندگی کے سارے معاملات کو قرآن اور سنت کا تابع بنانے سے انکار کرے، اور خدا و رسول کے مقابلہ میں اپنی عقل یا دنیا کے دستور یا کسی انسان کے قول و عمل کو پیش کرے۔

جو شخص مسلمان نہ رہنا چاہتا ہو اسے کوئی مسلمان رہنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اسے اختیار ہے کہ جو مذہب چاہے اختیار کرے اور اپنا جو نام چاہے رکھ لے۔ مگر جب وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہ مسلمان اسی وقت تک رہ سکتا ہے جب تک وہ اسلام کی سرحد میں رہے۔ خدا کا کلام اور اس کے رسول کی سنت کو حق اور صداقت کا معیار تسلیم کرنا اور اس کے خلاف ہر چیز کو باطل سمجھنا اسلام کی سرحد ہے۔ اس سرحد میں جو شخص رہے وہی مسلمان ہے۔ اس سے باہر قدم رکھتے ہی آدمی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد وہ اگر اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے اور مسلمان کہتا ہے تو وہ خود اپنے نفس کو بھی دھوکا دیتا ہے اور دنیا کو بھی، وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ۔

کلمۂ طیبہ کے معنی

برادرانِ اسلام! آپ کو معلوم ہے کہ انسان دائرۂ اسلام میں ایک کلمہ پڑھ کر داخل ہوتا ہے اور وہ کلمہ بھی کچھ بہت زیادہ لمبا چوڑا نہیں ہے، صرف چند لفظ ہیں، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ ان الفاظ کو زبان سے ادا کرتے ہی آدمی کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ پہلے کافر تھا، اب مسلمان ہو گیا۔ پہلے ناپاک تھا، اب پاک ہو گیا۔ پہلے خدا کے غضب کا مستحق تھا، اب اس کا پیارا ہو گیا۔ پہلے دوزخ میں جانے والا تھا اب جنت کا دروازہ اس کے لیے کھل گیا۔ اور بات صرف اتنے ہی پر نہیں رہتی۔ اسی کلمہ کی وجہ سے آدمی اور آدمی میں بڑا فرق ہو جاتا ہے۔ جو اس کلمے کے پڑھنے والے ہیں وہ ایک امت ہوتے ہیں اور جو اس سے انکار کرتے ہیں وہ دوسری امت ہو جاتے ہیں۔ باپ اگر کلمہ پڑھنے والا ہے اور بیٹا اس سے انکار کرتا ہے تو گویا باپ باپ نہ رہا اور بیٹا بیٹا نہ رہا۔ باپ کی جائیداد سے اس بیٹے کو ورثہ نہ ملے گا۔ ماں اور بہنیں اس سے پردہ کریں گی۔ غیر شخص اگر کلمہ پڑھنے والا ہے اور اس گھر کی بیٹی بیاہتا ہے تو وہ اور اس کی اولاد تو اس گھر سے ورثہ پائے گی مگر یہ اپنی نسل کا بیٹا صرف اس وجہ سے کہ کلمہ کو نہیں مانتا غیروں کا غیر بن جائے گا۔ گویا یہ کلمہ ایسی چیز ہے کہ غیروں کو ایک دوسرے سے ملا دیتی ہے اور اپنوں کو ایک دوسرے سے کاٹ دیتی ہے۔ حتّٰی کہ اس کلمہ کا زور اتنا ہے کہ خون اور رحم کے رشتے بھی اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔

اب ذرا اس بات پر غور کرو کہ یہ اتنا بڑا فرق جو آدمی اور آدمی میں ہو جاتا ہے، یہ آخر کیوں ہوتا ہے؟ کلمہ میں ہے کیا؟ صرف چند حرف ہی تو ہیں۔ لام، الف، ہ، م، د، س اور ایسے ہی دو چار حرف اور۔ ان حرفوں کو ملا کر اگر منہ سے نکال دیا تو کیا کوئی جادو ہو جاتا ہے کہ آدمی کی کایا پلٹ جائے؟ آدمی اور آدمی میں کیا بس اتنی سی بات سے زمین و آسمان کا فرق ہو سکتا ہے؟ میرے بھائیو تم ذرا سمجھ سے کام لوگے

تو تمہاری عقل خود کہہ دے گی کہ فقط منہ کھولنے اور زبان ہلا کر چند حرف بول دینے کی اتنی بڑی تاثیر نہیں ہوسکتی۔ بت پرست مشرک لوگ تو ضرور سمجھتے ہیں کہ بس ایک منتر پڑھ دینے سے پہاڑ ٹل جائے گا اور زمین شق ہو جائے گی، اور چشمے ابلنے لگیں گے، چاہے منتر کے معنی کی کسی کو خبر نہ ہو۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ساری تاثیر بس حرفوں میں ہے۔ وہ زبان سے نکلے اور طلسمات کے دروازے کھل گئے۔ مگر اسلام میں یہ بات نہیں ہے۔ یہاں اصل چیز معنی ہیں۔ الفاظ کی تاثیر معنوں سے ہے۔ معنی اگر نہ ہوں اور وہ دل میں نہ اتریں، اور ان کے زور سے تمہارے خیالات اور تمہارے اعمال نہ بدلیں، تو نرے الفاظ بول دینے سے کچھ بھی اثر نہ ہوگا۔

اس بات کو میں ایک موٹی سی مثال سے تمہیں سمجھاؤں۔ فرض کرو تمہیں سردی لگتی ہے۔ اگر تم زبان سے روئی، لحاف، روئی، لحاف، پکارنا شروع کرو تو سردی لگنی بند نہ ہوگی، چاہے تم رات بھر میں ایک لاکھ تسبیحیں روئی، لحاف کی پڑھ ڈالو۔ ہاں اگر لحاف میں روئی بھروا کر اوڑھ لوگے تو سردی لگنی بند ہوجائے گی۔ فرض کرو کہ تمہیں پیاس لگ رہی ہے۔ اگر تم صبح سے شام تک پانی، پانی پکارتے رہو تو پیاس نہ بجھے گی۔ ہاں اگر پانی کا ایک گھونٹ لے کر پی لوگے تو کلیجے کی ساری آگ فوراً ٹھنڈی ہو جائے گی۔ فرض کرو کہ تم کو نزلہ بخار ہو جاتا ہے۔ اس حال میں اگر بنفشہ، گاؤزبان، بنفشہ، گاؤزبان کی تسبیحیں تم پڑھنی شروع کر دوگے تو نزلے بخار میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔ ان دواؤں کا جوشاندہ بنا کر پی لوگے تو نزلہ بخار خود بھاگ جائے گا۔

بس یہی حال کلمۂ طیبہ کا بھی ہے۔ فقط چھ سات لفظ بول دینے سے اتنا بڑا فرق نہیں ہوتا کہ آدمی کافر سے مسلمان ہو جائے، ناپاک سے پاک ہو جائے، مردود سے محبوب بن جائے، دوزخی سے جنتی بن جائے۔ یہ فرق صرف اس طرح ہوگا کہ پہلے ان الفاظ کا مطلب سمجھو اور وہ مطلب تمہارے دل میں اتر جائے۔ پھر مطلب کو جان بوجھ کر جب تم ان الفاظ کو زبان سے نکالو تو تمہیں اچھی طرح یہ احساس ہو کہ تم اپنے خدا کے سامنے اور ساری دنیا کے سامنے کتنی بڑی بات کا اقرار کر رہے ہو اور اس اقرار سے تمہارے اوپر کتنی بڑی ذمہ داری آگئی ہے۔ پھر یہ سمجھتے ہوئے جب تم نے اقرار کر لیا تو اس کے بعد تمہارے خیالات پر اور تمہاری

ساری زندگی پر اس کلمہ کا قبضہ ہو جانا چاہیے۔ پھر تم کو اپنے دل اور دماغ میں کسی ایسی بات کو جگہ نہ دینی چاہیے جو اس کلمہ کے خلاف ہو۔ پھر تم کو ہمیشہ کے لیے بالکل فیصلہ کر لینا چاہیے کہ جو بات اس کلمہ کے خلاف ہے وہ جھوٹی ہے اور یہ کلمہ سچا ہے۔ پھر زندگی کے سارے معاملات میں یہ کلمہ تمھارا حاکم ہونا چاہیے۔ اس کلمہ کا اقرار کرنے کے بعد تم کافروں کی طرح آزاد نہیں ہو کہ جو چاہو کرو، بلکہ اب تم اس کلمہ کے پابند ہو، جو وہ کہے اس کو کرنا پڑے گا اور جس سے وہ منع کرے اس کو چھوڑنا پڑے گا۔ اس طرح کلمہ پڑھنے سے آدمی مسلمان ہوتا ہے اور اس طرح کلمہ پڑھنے کی وجہ سے آدمی اور آدمی میں اتنا بڑا فرق ہوتا ہے جس کا ذکر میں نے ابھی تم سے کیا۔

آؤ اب میں تمھیں بتاؤں کہ کلمہ کا مطلب کیا ہے اور اس کو پڑھ کر آدمی کس چیز کا اقرار کرتا ہے اور اس کا اقرار کرتے ہی آدمی کس چیز کا پابند ہو جاتا ہے۔

کلمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ کلمہ میں الٰہ کا لفظ جو آیا ہے، اس کے معنی "خدا" کے ہیں۔ خدا اس کو کہتے ہیں جو مالک ہو، حاکم ہو، خالق ہو، پالنے اور پوسنے والا ہو، دعاؤں کا سننے اور قبول کرنے والا ہو اور اس کا مستحق ہو کہ اس کی عبادت کی جائے۔ اب جو تم نے لا الٰہ الا اللہ کہا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اول تو تم نے یہ اقرار کیا کہ یہ دنیا نہ تو بے خدا کے بنی ہے اور نہ ایسا ہی ہے کہ اس کے بہت سے خدا ہوں۔ بلکہ دراصل اس کا خدا ہے، اور وہ خدا ایک ہی ہے، اور اس ایک ذات کے سوا خدائی کسی کی نہیں ہے۔ دوسری بات جس کا تم نے کلمہ پڑھتے ہی اقرار کیا وہ یہ ہے کہ وہی ایک خدا تمھارا اور سارے جہان کا مالک ہے۔ تم اور تمھاری ہر چیز اور دنیا کی ہر شے اس کی ہے۔ خالق وہ ہے، رازق وہ ہے، موت اور زندگی اس کی طرف سے ہے، مصیبت اور راحت اُس کی طرف سے ہے، جو کچھ کسی کو ملتا ہے اس کا دینے والا حقیقت میں وہ ہے، جو کچھ کسی سے چھینا جاتا ہے اس کا چھیننے والا حقیقت میں وہی ہے۔ ڈرنا چاہیے تو اس سے۔ سر جھکانا چاہیے تو اس کے سامنے۔ عبادت اور

بندگی کی جائے تو اس کی۔ اس کے سوا ہم کسی کے بندے اور غلام نہیں اور اس کے سوا کوئی ہمارا آقا اور حاکم نہیں۔ ہمارا اصلی فرض یہ ہے کہ اسی کا حکم مانیں، اور اسی کے قانون کی پیروی کریں۔

یہ عہد و پیمان ہے جو لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہی تم اپنے خدا سے کرتے ہو اور ساری دنیا کو گواہ بنا کر کرتے ہو۔ اس کی خلاف ورزی کرو گے تو تمہاری زبان، تمہارے ہاتھ پاؤں، تمہارا رونگٹا رونگٹا، زمین اور آسمان کا ایک ایک ذرّہ جس کے سامنے تم نے جھوٹا اقرار کیا تمہارے خلاف خدا کی عدالت میں گواہی دے گا، اور تم ایسی بے بسی کے عالم میں وہاں کھڑے ہوگے کہ ایک بھی گواہ تم کو صفائی پیش کرنے کے لیے نہ ملے گا، اور کوئی وکیل یا بیرسٹر تمہاری طرف سے پیروی کرنے والا نہ ہوگا۔ بلکہ خود وکیل صاحب اور بیرسٹر صاحب جو دنیا کی عدالتوں میں قانون کی اُلٹ پھیر کرتے پھرتے ہیں، یہ بھی وہاں تمہاری ہی طرح بے بسی کے عالم میں کھڑے ہوں گے۔ وہ عدالت ایسی نہیں ہے جہاں تم جھوٹی گواہیاں اور جعلی دستاویزیں پیش کرکے اور غلط پیروی کرکے بچ جاؤ گے۔ دنیا کی پولیس سے تم اپنا جرم چھپا سکتے ہو، خدا کی پولیس سے نہیں چھپا سکتے۔ دنیا کی پولیس رشوت کھا سکتی ہے، خدا کی پولیس رشوت کھانے والی نہیں۔ دنیا کے گواہ جھوٹ بول سکتے ہیں، خدا کے گواہ بالکل سچے ہیں۔ دنیا کے حاکم بے انصافی کرسکتے ہیں، خدا ایسا حاکم نہیں جو بے انصافی کرے۔ پھر خدا جس جیل میں ڈالے گا اس سے بچ کر بھاگنے کی بھی کوئی صورت نہیں۔ پس خدا کے ساتھ جھوٹا اقرار نامہ بہت بڑی بے وقوفی ہے، سب سے بڑی بے وقوفی ہے۔ جب اقرار کرتے ہو تو خوب سوچ سمجھ کر کرو اور اس کو پورا کرو، ورنہ تم پر کوئی زبردستی نہیں ہے کہ خواہ مخواہ زبانی ہی اقرار کرلو، کیونکہ زبانی اقرار محض بے کار ہے۔

"لا الٰہ الا اللہ" کہنے کے بعد تم "محمد رسول اللہ" کہتے ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے یہ تسلیم کرلیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ایلچی ہیں جن کے ذریعہ سے خدا نے اپنا قانون تمہارے پاس بھیجا ہے۔ خدا کو اپنا آقا اور شہنشاہ مان لینے کے بعد یہ معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ اس شہنشاہ کے احکام کیا ہیں، ہم کون سے کام کریں جن سے وہ خوش ہوتا ہے اور کون سے کام نہ کریں جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ کس قانون پر چلنے

سے وہ ہم کو بخشے گا، اور اس کی خلاف ورزی کرنے پر وہ ہم کو سزا دے گا۔ یہ سب باتیں بتانے کے لیے خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ایلچی مقرر کیا، آپؐ کے ذریعہ سے اپنی کتاب ہمارے پاس بھیجی، اور آپؐ نے خدا کے حکم کے مطابق زندگی بسر کر کے ہم کو بتا دیا کہ مسلمان کو اس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے۔ پس جب تم نے "محمد رسول اللہ" کہا تو گویا اقرار کر لیا کہ جو قانون اور جو طریقہ حضورؐ نے بتایا ہے تم اس کی پیروی کرو گے، اور جو قانون اس کے خلاف ہے اس پر لعنت بھیجو گے۔ یہ اقرار کرنے کے بعد اگر تم حضورؐ کے لائے ہوئے قانون کو چھوڑ دو گے اور دنیا کے قانون کو مانو گے تو تم سے بڑھ کر جھوٹا اور بے ایمان کوئی نہ ہوگا، کیونکہ تم یہ اقرار کر کے اسلام میں داخل ہوئے، مسلمانوں کے بھائی بنے، اسی اقرار کی بدولت باپ سے ورثہ پایا، اسی کی بدولت ایک مسلمان عورت سے تمہارا نکاح ہوا، اسی کی بدولت تمہاری اولاد تمہاری جائز اولاد بنی، اسی کی بدولت تمہیں یہ حق ملا کہ تمام مسلمان تمہارے مددگار رہیں، تمہیں زکوٰۃ دیں، تمہاری جان، مال اور عزت آبرو کی حفاظت کا ذمہ لیں، اور اس کے باوجود تم نے اپنا اقرار توڑ دیا۔ اس سے بڑھ کر دنیا میں کون سی بے ایمانی ہو سکتی ہے۔ اگر تم لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کے معنی جانتے ہو اور جان بوجھ کر اس کا اقرار کرتے ہو تو تم کو ہر حال میں خدا کے قانون کی پیروی کرنی چاہیے، خواہ اس کی پیروی پر مجبور کرنے والی کوئی پولیس اور عدالت اس دنیا میں نظر نہ آتی ہو۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ خدا کی پولیس اور فوج اور عدالت اور جیل کہیں موجود نہیں ہے اس لیے اس کے قانون کو توڑنا آسان ہے، اور گورنمنٹ برطانیہ کی پولیس، فوج، عدالت اور جیل موجود ہے اس لیے اس کے قانون کو توڑنا مشکل ہے، ایسے شخص کے متعلق میں صاف کہتا ہوں کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کا جھوٹا اقرار کرتا ہے، اپنے خدا کو، ساری دنیا کو، تمام مسلمانوں کو اور خود اپنے نفس کو دھوکا دیتا ہے۔

بھائیو اور دوستو! ابھی میں نے تمہارے سامنے کلمہ طیبہ کے معنی بیان کیے ہیں۔ اب اسی سلسلہ میں ایک اور پہلو کی طرف تم کو توجہ دلاتا ہوں۔

تم اقرار کرتے ہو کہ اللہ تمہارا اور ہر چیز کا مالک ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ اس کے معنی یہ ہیں

تمھاری جان تمھاری اپنی نہیں، خدا کی ملک ہے۔ تمھارے ہاتھ اپنے نہیں تمھاری آنکھیں اور تمھارے کان اور تمھارے جسم کا کوئی عضو تمھارا اپنا نہیں، یہ زمینیں جن کو تم جوتتے ہو، یہ جانور جن سے تم خدمت لیتے ہو، یہ مال اسباب جن سے تم فائدہ اٹھاتے ہو، ان میں سے بھی کوئی چیز تمھاری نہیں، سب کچھ خدا کی ملک ہے اور خدا کی طرف سے عطیہ کے طور پر تمھیں ملی ہے۔ اس بات کا اقرار کرنے کے بعد تمھیں یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ جان میری ہے، جسم میرا ہے، مال میرا ہے، اور فلاں چیز میری ہے اور فلاں چیز میری ہے۔ دوسرے کو مالک کہنا اور پھر اس کی چیز کو اپنی قرار دینا، بالکل ایک لغو بات ہے۔ اگر درحقیقت یہ بات سچے دل سے مانتے ہو کہ ان سب چیزوں کا مالک خدا ہے تو اس سے دو باتیں خود بخود تم پر لازم ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ جب مالک خدا ہے اور اس نے اپنی ملکیت امانت کے طور پر تمھارے حوالے کی ہے تو جس طرح مالک کہتا ہے اسی طرح تمھیں ان چیزوں سے کام لینا چاہیے۔ اس کی مرضی کے خلاف تم اگر ان سے کام لیتے ہو تو دھوکہ بازی کرتے ہو۔ تم اپنے ان ہاتھوں اور پاؤں کو بھی اس کی مرضی کے خلاف ہلانے کا حق نہیں رکھتے۔ تم ان آنکھوں سے بھی اس کی مرضی کے خلاف دیکھنے کا کام نہیں لے سکتے۔ تم کو اس پیٹ میں بھی کوئی ایسی چیز ڈالنے کا حق نہیں ہے جو اس کی مرضی کے خلاف ہو۔ تمھیں ان زمینوں اور ان جائدادوں پر بھی مالک کے منشا کے خلاف کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ تمھاری بیویاں جن کو تم اپنی کہتے ہو، اور تمھاری اولاد جن کو تم اپنی کہتے ہو، یہ بھی صرف اس لیے تمھاری ہیں کہ تمھارے مالک کی دی ہوئی ہیں، لہٰذا تم کو ان سے بھی اپنی خواہش کے مطابق نہیں بلکہ مالک کے حکم کے مطابق ہی برتاؤ کرنا چاہیے۔ اگر اس کے خلاف کروگے تو تمھاری حیثیت غاصب کی ہوگی۔ جس طرح دوسرے کی زمین پر قبضہ کرنے والے کو تم کہتے ہو کہ وہ بے ایمان ہے، اسی طرح اگر دوسرے کی دی ہوئی چیزوں کو تم اپنا سمجھ کر اپنی مرضی کے مطابق استعمال کروگے، یا مالک کے سوا کسی اور کی مرضی کے مطابق ان سے کام لوگے تو وہی بے ایمانی کا الزام تم پر بھی آئے گا۔ اگر مالک کی مرضی کے مطابق کام کرنے میں کوئی نقصان ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ جان جاتی ہے تو جائے۔ ہاتھ پاؤں ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹیں۔ اولاد کا

نقصان ہوتا ہے تو ہو۔ مال و جائداد برباد ہو تو ہوا کرے تمھیں کیوں غم ہو؟ جس کی چیز ہے وہی اگر نقصان پسند کرتا ہے تو اس کو حق ہے۔ ہاں اگر مالک کی مرضی کے خلاف تم کام کرو اور اس میں کسی چیز کا نقصان ہو تو بلاشبہ تم مجرم ہوگے، کیونکہ دوسرے کے مال کو تم نے خراب کیا۔ تم خود اپنی جان کے مختار نہیں ہو، مالک کی مرضی کے مطابق جان دوگے تو مالک کا حق ادا کروگے۔ اس کے خلاف کام کرنے میں جان دوگے تو یہ بے ایمانی ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ مالک نے جو چیز تمھیں دی ہے اس کو اگر تم مالک ہی کے کام میں صرف کرتے ہو تو کسی پر احسان نہیں کرتے۔ نہ مالک پر احسان ہے، نہ کسی اور پر۔ تم نے اگر اس کی راہ میں کچھ دیا، یا کچھ خدمت کی یا جان دے دی، جو تمھارے نزدیک بہت بڑی چیز ہے، تب بھی کوئی احسان کسی پر نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ جو کام تم نے کیا وہ بس اتنا ہی تو ہے کہ مالک کا حق جو تم پر تھا وہ تم نے ادا کر دیا۔ یہ کونسی ایسی بات ہے جس پر کوئی پھولے اور فخر کرے اور یہ چاہے کہ اس کی تعریفیں کی جائیں اور یہ سمجھے کہ اس نے کوئی بہت بڑا کام کیا ہے جس پر اس کی بڑائی تسلیم کی جائے۔ یاد رکھو کہ سچا مسلمان مالک کی راہ میں کچھ صرف کرنے یا کچھ خدمت کرنے کے بعد پھولتا نہیں ہے۔ بلکہ خاکساری اختیار کرتا ہے۔ فخر کرنا کارِ خیر کو برباد کر دیتا ہے۔ تعریف کی خواہش جس نے کی اور اس کی خاطر کوئی کارِ خیر کیا، وہ خدا کے ہاں کسی اجر کا مستحق نہ رہا، کیونکہ اس نے تو اپنے کام کا معاوضہ دنیا ہی میں مانگا اور یہیں اس کو مل بھی گیا۔

بھائیو! اپنے مالک کا احسان دیکھو کہ اپنی چیز تم سے لیتا ہے، اور پھر کہتا ہے کہ یہ چیز میں نے تم سے خریدی ہے اور اس کا معاوضہ میں تمھیں دوں گا۔ اللہ اکبر اس شانِ جود و کرم کا بھی کوئی ٹھکانا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (یعنی اللہ نے ایمان داروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں اس معاوضہ میں کہ ان کے لیے جنت ہے)۔ یہ تو مالک کا برتاؤ تمھارے ساتھ ہے۔ اب ذرا اپنا برتاؤ بھی دیکھو۔ جو چیز مالک سے

تم کو دی تھی، اور جس کو مالک نے پھر تم سے معاوضہ دے کر خرید بھی لیا، اس کو غیروں کے ہاتھ بیچتے ہو۔ نہایت ذلیل معاوضے لے کر بیچتے ہو، وہ مالک کی مرضی کے خلاف تم سے کام لیتے ہیں، اور تم یہ سمجھ کر ان کی خدمت کرتے ہو کہ گویا رزاق وہ ہیں۔ تم اپنے دماغ بیچتے ہو، اپنے ہاتھ پاؤں بیچتے ہو، اپنے جسم کی طاقتیں بیچتے ہو، اور وہ سب کچھ بیچتے ہو جس کو خدا کے باغی خریدنا چاہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بداخلاقی اور کیا ہو سکتی ہے؟ بیچی ہوئی چیز کو پھر بیچنا قانونی اور اخلاقی جرم ہے۔ دنیا میں اس پر دغابازی اور فریب ہی کا مقدمہ چلایا جاتا ہے، کیا تم سمجھتے ہو کہ خدا کی عدالت میں اس پر مقدمہ نہیں چلایا جائے گا؟

کلمۂ طیبہ اور کلمۂ خبیثہ

برادرانِ اسلام! پچھلے خطبہ میں کلمۂ طیبہ کے متعلق میں نے آپ سے کچھ کہا تھا۔ آج پھر اسی کلمہ کی کچھ اور تشریح میں آپ کے سامنے بیان کروں گا۔ اس لیے کہ یہ کلمہ ہی اسلام کی بنیاد ہے، اسی کے ذریعہ آدمی اسلام میں داخل ہوتا ہے، اور مسلمان حقیقت میں بن نہیں سکتا جب تک کہ وہ اس کلمہ کو پوری طرح سمجھ نہ لے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق نہ بنالے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں اس کلمہ کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۔ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اِۨجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۔ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۚ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۔

یعنی کلمۂ طیبہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اچھی ذات کا درخت ہو جس کی جڑیں زمین میں خوب جمی ہوئی ہوں اور جس کی شاخیں آسمان تک پھیلی ہوئی ہوں اور جو ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے پھل پر پھل لائے چلا جاتا ہو۔۔۔۔ اس کے برعکس کلمۂ خبیثہ یعنی برا اعتقاد اور جھوٹا قول ایسا ہے جیسے ایک بدذات خودرو پودا کہ وہ بس زمین کے اوپر ہی اوپر ہوتا ہے، اور ایک اشارہ میں جڑ چھوڑ دیتا ہے کیونکہ اس کی جڑ گہری جمی ہوئی نہیں ہوتی۔

یہ ایسی بے نظیر مثال اللہ تعالیٰ نے دی ہے کہ اگر تم اس پر غور کرو تو اس میں بڑا سبق تم کو ملے گا

دیکھو تمہارے سامنے ہی دونوں قسم کے درختوں کی مثالیں موجود ہیں۔ ایک تو یہ آم کا درخت ہے۔ کتنا گہرا جما ہوا ہے۔ کتنی بلندی تک اٹھا ہوا ہے۔ کتنی اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ کتنے اچھے پھل اس میں لگتے ہیں۔ یہ بات اسے کیوں حاصل ہوئی؟ اس لیے کہ اس کی گٹھلی زوردار تھی، اس کو درخت بننے کا حق حاصل تھا، اور وہ حق اتنا سچا تھا کہ جب اس نے اپنے حق کا دعویٰ کیا تو زمین نے، پانی نے، ہوا نے، دن کی گرمی اور رات کی ٹھنڈک نے، غرض ہر چیز نے اس کے حق کو تسلیم کیا اور اس نے جس سے جو کچھ مانگا ہر ایک نے وہ اس کو دیا۔ اس طرح وہ اپنے حق کے زور سے اتنا بڑا درخت بن گیا اور اپنے میٹھے پھل دے کر اس نے ثابت بھی کر دیا کہ حقیقت میں وہ اسی قابل تھا کہ ایسا درخت بنے اور زمین و آسمان کی ساری قوتوں نے مل کر اگر اس کا ساتھ دیا تو کچھ بے جا نہیں کیا، بلکہ ان کو ایسا کرنا ہی چاہیے تھا، اس لیے کہ درختوں کو غذا دینے اور بڑھانے اور پکانے کی جو طاقت زمین اور پانی اور ہوا اور دوسری چیزوں کے پاس ہے وہ اسی کام کے لیے تو ہے کہ اچھی ذات والے درختوں کے کام آئے۔

اس کے مقابلہ میں یہ جھاڑ جھنکاڑ اور خود رو پودے ہیں۔ ان کی بساط کیا ہے؟ ذرا سی جڑ کہ ایک بچہ اکھاڑ لے۔ نرم اور بودا اتنا کہ ہوا کے ایک جھونکے سے مرجھا جائیں۔ ہاتھ لگاؤ تو کانٹے سے تمہاری خبر لیں۔ چکھو تو منہ کا مزہ خراب کر دیں۔ روز خدا جانے کتنے پیدا ہوتے ہیں اور کتنے اکھاڑے جاتے ہیں۔ ان کا یہ حال کیوں ہے؟ اس لیے کہ ان کے پاس حق کا وہ زور نہیں جو آم کے پاس ہے جب اعلیٰ ذات کے درخت نہیں ہوتے تو زمین پڑے پڑے اکتا جاتی ہے اور ان پودوں کو اپنے اندر جگہ دے دیتی ہے۔ کچھ مدد پانی کر دیتا ہے۔ کچھ ہوا اپنے پاس سے سامان دے دیتی ہے۔ مگر زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی ایسے پودوں کا حق ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتی، اس لیے نہ زمین اپنے اندر ان کی جڑیں پھیلنے دیتی ہے نہ پانی دل کھول کر ان کو غذا دیتا ہے اور نہ ہوا کھلے دل سے ان کو پروان چڑھاتی ہے۔ پھر جب اتنی سی بساط پر یہ خبیث پودے بدمزہ، خاردار اور زہریلے بن کر اٹھتے ہیں تو واقع میں ثابت ہو جاتا ہے کہ زمین و آسمان کی

طاقتیں ایسے پودے کو اگانے کے لیے نہیں تھیں۔ ان کو اتنی زندگی بھی ملی تو بہت ملی۔

ان دونوں مثالوں کو سامنے رکھو اور پھر کلمۂ طیب اور کلمۂ خبیث کے فرق پر غور کرو۔

کلمۂ طیب کیا ہے۔ ایک سچی بات ہے، ایسی سچی بات کہ دنیا میں اس سے زیادہ سچی بات کوئی ہو نہیں سکتی۔ سارے جہان کا خدا ایک اللہ ہے۔ اس چیز پر زمین اور آسمان کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے۔ یہ انسان، یہ جانور، یہ درخت، یہ پتھر، یہ ریت کے ذرّے، یہ بہتی ہوئی نہر، یہ چمکتا ہوا سورج، یہ ساری چیزیں جو ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، ان میں سے کونسی چیز ہے جس کو اللہ کے سوا کسی اور نے پیدا کیا ہو؟ جو اللہ کے سوا کسی اور کی مہربانی سے زندہ اور قائم رہ سکے؟ جس کو اللہ کے سوا کوئی اور فنا کر سکتا ہو؟ پس جب یہ سارا جہان اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے اور اللہ ہی کی عنایت سے قائم ہے اور اللہ ہی اس کا مالک اور حاکم ہے، تو جس وقت تم کہو گے کہ "اس جہان میں اس ایک اللہ کے سوا کسی اور کی خدائی نہیں ہے" تو زمین و آسمان کی ایک ایک چیز پکارے گی کہ تو نے بالکل سچی بات کہی، ہم سب تیرے اس قول کی صداقت پر گواہ ہیں۔ جب تم اس کے آگے سر جھکاؤ گے تو کائنات کی ہر چیز تمہارے ساتھ جھک جائے گی کیونکہ یہ ساری چیزیں بھی اسی کی عبادت گزار ہیں۔ جب تم اس کے فرمان کی پیروی کرو گے تو زمین و آسمان کی ہر چیز تمہارا ساتھ دے گی کیونکہ یہ سب بھی تو اسی کے فرماں بردار ہیں۔ جب تم اس کی راہ میں چلو گے تو تم اکیلے نہ ہو گے بلکہ کائنات کا بے شمار لشکر تمہارے ساتھ چلے گا کیونکہ آسمان کے سورج سے لے کر زمین کے ایک حقیر ذرّے تک ہر چیز ہر آن اسی کی راہ میں تو چل رہی ہے۔ جب تم اس پر بھروسہ کرو گے تو کسی چھوٹی طاقت پر بھروسہ نہ کرو گے بلکہ اس عظیم الشان طاقت پر بھروسہ کرو گے جو زمین اور آسمان کے سارے خزانوں کی مالک ہے۔ غرض اس حقیقت پر جب تم نظر رکھو گے تو تم کو معلوم ہو گا کہ کلمۂ طیبہ پر ایمان لا کر جو انسان اپنی زندگی کو اسی کے مطابق بنائے گا زمین و آسمان کی ساری طاقتیں اس کا ساتھ دیں گی۔ دنیا سے لے کر آخرت تک وہ پھلتا اور پھولتا ہی چلا جائے گا، اور کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی ناکامی و نامرادی اس کے پاس نہ آئے گی۔ یہی چیز اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ یہ کلمہ ایسا درخت ہے جس کی جڑیں زمین میں جمی ہوئی ہیں اور شاخیں آسمان پر پھیلی ہوئی ہیں، اور ہر وقت یہ خدا کے حکم سے پھل لاتا رہتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں کلمہ خبیث کو دیکھو کلمہ خبیث کیا چیز ہے؟ یہ کہ اس جہان کا کوئی خدا نہیں یا یہ کہ اللہ کے سوا کسی اور کی خدائی بھی ہے۔ غور کرو اس سے بڑھ کر جھوٹی اور بے اصل بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ زمین اور آسمان کی کونسی چیز اس پر گواہی دیتی ہے؟ دہریہ کہتا ہے کہ خدا نہیں ہے۔ زمین اور آسمان کی ہر چیز کہتی ہے کہ تو جھوٹا ہے۔ ہم کو اور تجھ کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے۔ اور اسی خدا نے تجھ کو وہ زبان دی ہے جس سے تو یہ جھوٹ بک رہا ہے۔ مشرک کہتا ہے کہ خدائی میں دوسرے بھی اللہ کے شریک ہیں۔ دوسرے بھی رازق ہیں۔ دوسرے بھی مالک ہیں۔ دوسرے بھی فائدہ اور نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ دوسرے بھی دعائیں سننے والے ہیں۔ دوسرے بھی بھروسہ کرنے کے قابل ہیں۔ دوسرے بھی ڈرنے کے لائق ہیں۔ اس خدائی میں دوسروں کا حکم بھی چلتا ہے۔ ان کا فرمان اور ان کا قانون بھی پیروی کے لائق ہے۔ اس کے جواب میں زمین اور آسمان کی ہر چیز کہتی ہے کہ تو بالکل جھوٹا ہے۔ ہر ہر بات جو تو کہہ رہا ہے یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ اب غور کرو کہ یہ کلمہ جو شخص اختیار کرے گا اور اس کے مطابق جو شخص زندگی بسر کرے گا، دنیا اور آخرت میں وہ کیونکر پھل پھول سکتا ہے؟ اللہ نے اپنی مہربانی سے ایسے لوگوں کو مہلت دے رکھی ہے اور رزق کا وعدہ اس سے کیا ہے، اس لیے زمین اور آسمان کی طاقتیں کسی نہ کسی طرح اس کو بھی پرورش کریں گی جس طرح وہ جھاڑ جھنکاڑ اور خودرو پودوں کو بھی آخر پرورش کرتی ہی ہیں لیکن کائنات کی کوئی چیز بھی اس کا حق سمجھ کر اس کا ساتھ نہ دے گی اور نہ پوری طاقت کے ساتھ اس کی مدد کرے گی۔ وہ انہی خودرو درختوں کی طرح ہوگا جن کی مثال ابھی آپ کے سامنے بیان ہوئی ہے۔

یہی فرق دونوں کے پھلوں میں ہے۔ کلمہ طیبہ جب کبھی پھلے گا اس سے میٹھے اور مفید پھل ہی پیدا ہوں گے۔ دنیا میں اس سے امن قائم ہوگا۔ نیکی اور سچائی اور انصاف کا بول بالا ہوگا۔ اور خلق خدا اس سے فائدہ ہی اٹھائے گی۔ مگر کلمہ خبیثہ کی جتنی پرورش ہوگی اس سے خار دار شاخیں ہی نکلیں گی۔ اس میں کڑوے کسیلے ہی پھل آئیں گے۔ اس کی رگ رگ میں زہر ہی بھرا ہوگا۔ دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ جہاں کفر اور شرک اور دہریت کا زور ہے وہاں کیا ہو رہا ہے؟ آدمی کو آدمی پھاڑ کھانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آبادیاں کی آبادیاں تباہ کرنے کے سامان

ہوئے ہیں۔ زہریلی گیسیں بن رہی ہیں۔ ایک قوم دوسری قوم کو برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ جو طاقتور ہے وہ کمزور کو غلام بناتا ہے صرف اس لیے کہ اس کے حصہ کی روٹی خود چھین کر کھا جائے۔ اور جو کمزور ہے وہ فوج اور پولیس اور جیل اور پھانسی کے زور سے دب کر رہنے اور طاقتور کا ظلم سہنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ پھر ان قوموں کی اندرونی حالت کیا ہے؟ اخلاق بد سے بدتر ہیں جن پر شیطان بھی شرمائے۔ انسان وہ کام کر رہا ہے جو جانور بھی نہیں کرتے مائیں اپنے بچوں کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کرتی ہیں کہ کہیں یہ بچے ان کے عیش میں خلل نہ ڈال دیں۔ شوہر اپنی بیویوں کو خود غیروں کی بغل میں دیتے ہیں تاکہ ان کی بیویاں ان کی بغل میں آئیں۔ ننگوں کے کلب بنائے جاتے ہیں جن میں مرد اور عورت جانوروں کی طرح برہنہ ایک دوسرے کے سامنے پھرتے ہیں۔ امیر سود کے ذریعہ سے غریبوں کا خون چوسے لیتے ہیں، اور مال دار نا داروں سے اس طرح خدمت لیتے ہیں گویا وہ ان کے غلام ہیں اور صرف ان کی خدمت ہی کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ غرض اس کلمہ خبیث سے جو پودا بھی جہاں پیدا ہوا ہے کانٹوں سے بھرا ہوا ہے اور جو پھل بھی اس میں لگتا ہے کڑوا اور زہریلا ہی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں مثالوں کو بیان فرمانے کے بعد آخر میں فرماتا ہے کہ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ یعنی کلمہ طیب پر جو لوگ ایمان لائیں گے اللہ ان کو ایک مضبوط قول کے ساتھ دنیا اور آخرت دونوں میں ثبات اور جماؤ بخشے گا اور ان کے مقابلہ میں وہ ظالم لوگ جو کلمہ خبیث کو مانیں گے اللہ ان کی ساری کوششوں کو بھٹکا دے گا۔ وہ کبھی کوئی سیدھا کام نہ کریں گے جس سے دنیا یا آخرت میں کوئی اچھا پھل پیدا ہو۔

بھائیو! کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کا فرق اور دونوں کے نتیجے تم نے سن لیے۔ اب تم یہ سوال ضرور کرو گے کہ ہم تو کلمہ طیبہ کے ماننے والے ہیں۔ پھر کیا بات ہے کہ ہم نہ پھلتے ہیں نہ پھولتے ہیں، اور کفار جو کلمہ خبیثہ کے ماننے والے ہیں یہ کیوں پھل پھول رہے ہیں؟

اس کا جواب میرے ذمہ ہے اور میں جواب دوں گا۔ بشرطیکہ آپ میں سے کوئی میرے جواب پر برا نہ مانے

بلکہ اپنے دل سے پوچھے کہ میرا جواب واقعی صحیح ہے یا نہیں۔

اول تو آپ کا یہی کہنا غلط ہے کہ آپ کلمہ طیبہ کو مانتے ہیں اور پھر بھی نہ پھلتے ہیں نہ پھولتے ہیں۔ کلمہ طیبہ کو ماننے کے معنی زبان سے کلمہ پڑھنے کے نہیں ہیں۔ اس کے معنی دل سے ماننے کے ہیں اور اس طرح ماننے کے ہیں کہ اس کے خلاف کوئی عقیدہ آپ کے دل میں نہ رہے اور اس کے خلاف کوئی کام آپ سے ہو نہ سکے۔ میرے بھائیو! خدارا مجھے بتاؤ کیا تمہارا حقیقت میں یہی حال ہے؟ کیا سینکڑوں ایسے مشرکانہ اور کافرانہ خیالات تم میں نہیں پھیلے ہوئے ہیں جو کلمہ طیبہ کے بالکل خلاف ہیں؟ کیا مسلمان کا سر خدا کے سوا دوسروں کے آگے نہیں جھکتا ہے؟ کیا مسلمان دوسروں سے خوف نہیں کرتا؟ کیا وہ دوسروں کی مدد پر بھروسہ نہیں کرتا؟ کیا وہ دوسروں کو رازق نہیں سمجھتا؟ کیا وہ خدا کے قانون کو چھوڑ کر دوسروں کے قانون کی خوشی خوشی پیروی نہیں کرتا؟ کیا اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے عدالتوں میں جاکر یہ صاف نہیں کہتے کہ ہم شرع کو نہیں مانتے بلکہ رسم و رواج کو مانتے ہیں؟ کیا تم میں ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جن کو کفار کے غضب کا ڈر ہے مگر خدا کے غضب کا ڈر نہیں؟ جو کفار کی نظر عنایت حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں مگر خدا کی نظر عنایت حاصل کرنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟ جو کفار کی حکومت کو حکومت سمجھتے ہیں اور خدا کی حکومت کے متعلق انھیں کبھی یاد بھی نہیں آتا کہ وہ بھی کہیں موجود ہے؟ خدارا سچ بتائیے کیا یہ واقعہ نہیں ہے؟ اگر یہ واقعہ ہے تو پھر کس منہ سے تم کہتے ہو کہ ہم کلمہ طیبہ کو ماننے والے ہیں اور اس کے باوجود ہم نہیں پھولتے پھلتے؟ پہلے سچے دل سے ایمان تو لاؤ اور کلمہ طیبہ کے مطابق زندگی اختیار تو کرو، پھر اگر وہ درخت نہ پیدا ہو جو زمین میں گہری جڑوں کے ساتھ جمنے والا اور آسمان تک چھا جانے والا ہے، تو معاذ اللہ، معاذ اللہ اپنے خدا کو جھوٹا سمجھ لینا کہ اس نے تمہیں غلط بات کا اطمینان دلایا۔

پھر آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ جو کلمہ خبیثہ کو مانتے ہیں وہ واقعی دنیا میں پھل پھول رہے ہیں۔ کلمہ خبیثہ کو ماننے والے نہ کبھی پھولے پھلے ہیں نہ آج پھول پھل رہے ہیں۔ تم دولت کی کثرت، عیش و عشرت کے اسباب

اور ظاہری شان و شوکت کو دیکھ کر سمجھتے ہو کہ وہ پھل پھول رہے ہیں۔ مگر ان کے دلوں سے پوچھو کہ کتنے ہیں جن کو اطمینانِ قلب میسر ہے؟ ان کے اوپر عیش کے سامان لدے ہوئے ہیں مگر ان کے دلوں میں آگ کی بھٹیاں سلگ رہی ہیں جو ان کو کسی وقت چین نہیں لینے دیتیں۔ خدا کے قانون کی خلاف ورزی نے ان کے گھروں کو دوزخ بنا رکھا ہے۔ اخباروں میں دیکھو کہ امریکہ اور یورپ میں خودکشی کا کتنا زور ہے۔ طلاق کی کیسی کثرت ہے۔ نسلیں کس طرح گھٹ رہی ہیں اور گھٹائی جا رہی ہیں۔ امراضِ خبیثہ نے کس طرح لاکھوں انسانوں کی زندگیاں تباہ کر دی ہیں۔ مختلف طبقوں کے درمیان روٹی کے لیے کیسی سخت کشمکش برپا ہے۔ حسد اور بغض اور دشمنی نے کس طرح ایک ہی جنس کے آدمیوں کو آپس میں لڑا رکھا ہے۔ عیش پسندی نے لوگوں کے لیے زندگی کو کس قدر تلخ بنا دیا ہے اور یہ بڑے بڑے عظیم الشان شہر جن کو دور سے دیکھ کر آدمی رشکِ جنت سمجھتا ہے ان کے اندر لاکھوں انسان کس مصیبت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کیا اسی کو پھلنا پھولنا کہتے ہیں؟ کیا یہی وہ جنت ہے جس پر تم رشک کی نگاہیں ڈالتے ہو؟

میرے بھائیو! یاد رکھو کہ خدا کا قول کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ حقیقت میں کلمۂ طیبہ کے سوا اور کوئی کلمہ نہیں جس کی پیروی کر کے انسان کو دنیا میں راحت اور آخرت میں سرخروئی حاصل ہو سکے۔ تم جس طرف چاہو نظر دوڑا کر دیکھ لو۔ اس کے خلاف تم کو کہیں کوئی چیز نہ مل سکے گی۔

کلمہ طیّبہ پر ایمان لانے کا مقصد

برادرانِ اسلام، اس سے پہلے دو خطبوں میں آپ کے سامنے کلمہ طیبہ کا مطلب بیان کر چکا ہوں۔ آج میں اس سوال پر بحث کرنا چاہتا ہوں کہ اس کلمہ پر ایمان لانے کا فائدہ اور اس کی ضرورت کیا ہے۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ آدمی جو کام بھی کرتا ہے کسی نہ کسی غرض اور کسی نہ کسی فائدے کے لیے کرتا ہے۔ بے غرض، بے مقصد، بے فائدہ کوئی کام نہیں کیا کرتا۔ آپ پانی کیوں پیتے ہیں؟ اس لیے کہ پیاس بجھے۔ اگر پانی پینے کے بعد بھی آپ کا وہی حال رہے جو پینے سے پہلے ہوتا ہے تو آپ ہرگز پانی نہ پییں، کیونکہ یہ ایک بے نتیجہ کام ہوگا۔ آپ کھانا کیوں کھاتے ہیں؟ اس لیے کہ بھوک رفع ہو اور آپ میں زندہ رہنے کی طاقت پیدا ہو۔ اگر کھانا کھانے اور نہ کھانے کا نتیجہ ایک ہی ہو تو آپ یہی کہیں گے کہ یہ بالکل ایک فضول کام ہے۔ بیماری میں آپ دوا کیوں پیتے ہیں؟ اس لیے کہ بیماری دور ہو جائے اور تندرستی حاصل ہو۔ اگر دوا پی کر بھی بیمار کا وہی حال ہو جو دوا پینے سے پہلے تھا تو آپ یہی کہیں گے کہ ایسی دوا پینا بے کار ہے۔ آپ زراعت میں اتنی محنت کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کہ زمین سے غلہ اور پھل اور ترکاریاں پیدا ہوں۔ اگر بیج بونے پر بھی زمین سے کوئی چیز نہ اُگتی تو آپ ہل چلانے اور تخم ریزی کرنے اور پانی دینے میں اتنی محنت ہرگز نہ کرتے۔ غرض آپ دنیا میں جو کام بھی کرتے ہیں اس میں ضرور کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ اگر مقصد حاصل ہو تو آپ کہتے ہیں کہ کام ٹھیک ہوا۔ اگر مقصد حاصل نہ ہو تو آپ کہتے ہیں کہ کام ٹھیک نہیں ہوا۔

اس بات کو ذہن نشین رکھیے اور میرے ایک ایک سوال کا جواب دیتے جائیے۔ سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ کلمہ کیوں پڑھا جاتا ہے؟ اس کا جواب آپ اس کے سوا اور کچھ نہیں دے سکتے کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ کافر اور مسلمان میں فرق ہو جائے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ فرق ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا یہ

مطلب ہے کہ کافر کی دو آنکھیں ہوتی ہیں تو مسلمان کی چار آنکھیں ہو جائیں؟ یا کافر کا ایک سر ہوتا ہے تو مسلمان کے دو سر ہو جائیں؟ آپ کہیں گے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ فرق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کافر کے انجام اور مسلمان کے انجام میں فرق ہو۔ کافر کا انجام یہ ہے کہ آخرت میں وہ خدا کی رحمت سے محروم ہو جائے اور ناکام و نامراد رہے اور مسلمان کا انجام یہ ہے کہ خدا کی خوشنودی اسے حاصل ہو اور آخرت میں وہ کامیاب اور بامراد رہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ جواب آپ نے بالکل ٹھیک دیا۔ مگر مجھے یہ بتایئے کہ آخرت کیا چیز ہے؟ جب تک میں اس بات کو نہ سمجھ لوں اُس وقت تک آگے نہیں بڑھ سکتا۔

اس سوال کا جواب آپ کو دینے کی ضرورت نہیں۔ اس کا جواب پہلے ہی دیا جا چکا ہے کہ الدُّنیا مزرعۃ الاٰخرۃ۔ یعنی دنیا اور آخرت دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی سلسلہ ہے جس کی ابتدا دنیا ہے اور انتہا آخرت ہے۔ ان دونوں میں وہی تعلق ہے جو کھیتی اور فصل میں ہوتا ہے۔ آپ زمین میں ہل جوتتے ہیں، پھر بیج بوتے ہیں، پھر پانی دیتے ہیں، پھر کھیتی کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ فصل تیار ہو جاتی ہے، اور اس کو کاٹ کر آپ سال بھر تک مزے سے کھاتے ہیں۔ آپ زمین میں جس چیز کی کاشت کریں گے اسی چیز کی فصل تیار ہو گی۔ گیہوں بوئیں گے تو گیہوں پیدا ہو گا۔ کانٹے بوئیں گے تو کانٹے ہی پیدا ہوں گے۔ کچھ نہ بوئیں گے تو کچھ نہ پیدا ہو گا۔ ہل چلانے اور بیج بونے اور پانی دینے اور کھیتی کی رکھوالی کرنے میں جو جو غلطیاں اور کوتاہیاں آپ سے ہوں گی ان سب کا برا اثر آپ کو فصل کاٹنے کے موقع پر معلوم ہو گا۔ اور اگر آپ نے یہ سب کام اچھی طرح کیے ہیں تو ان کا فائدہ بھی آپ فصل ہی کاٹنے کے وقت دیکھیں گے۔ بالکل یہی حال دنیا اور آخرت کا ہے۔ دنیا ایک کھیتی ہے۔ اس کھیتی میں آدمی کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ اپنی محنت اور اپنی کوشش سے اپنے لیے فصل تیار کرے۔ پیدائش سے لے کر موت تک کے لیے آدمی کو یہاں کام کی مہلت دی گئی ہے۔ اس مہلت میں جیسی فصل آدمی نے تیار کی ہے ویسی ہی فصل وہ موت کے بعد دوسری

زندگی میں کاٹے گا۔ اور پھر جو فصل وہ کاٹے گا اسی پر آخرت کی زندگی میں اس کا گزر بسر ہوگا۔ اگر کسی نے عمر بھر دنیا کی کھیتی میں اچھے پھل بوئے ہیں، اور ان کو خوب پانی دیا ہے، اور ان کی خوب رکھوالی کی ہے تو آخرت کی زندگی میں جب وہ قدم رکھے گا تو اپنی محنت کی کمائی ایک سرسبز شاداب باغ کی صورت میں تیار پائے گا اور اسے اپنی دوسری زندگی میں پھر کوئی محنت نہ کرنی پڑے گی، بلکہ دنیا میں عمر بھر محنت کرکے جو باغ اس نے لگایا تھا اسی باغ کے پھلوں پر آرام سے زندگی بسر کرے گا۔ اسی چیز کا نام جنت ہے اور آخرت میں بامراد ہونے کا مطلب یہی ہے۔ اس کے مقابلے میں جو شخص اپنی دنیا کی زندگی میں کانٹے اور کڑوے کسیلے زہریلے پھل بوتا رہا ہے، آخرت کی زندگی میں انہی کی فصل اسے تیار ملے گی۔ وہاں پھر اس کو دوبارہ اتنا موقع نہیں ملے گا کہ اپنی اس حماقت کی تلافی کرسکے اور اس خراب فصل کو جلا کر دوسری اچھی فصل تیار کرسکے۔ پھر تو اس کو آخرت کی ساری زندگی اسی فصل پر بسر کرنی ہوگی جسے وہ دنیا میں تیار کرچکا ہے۔ جو کانٹے اس نے بوئے تھے انہی کے بستر پر اسے لیٹنا ہوگا، اور جو کڑوے کسیلے زہریلے پھل اس نے لگائے تھے وہی اس کو کھانے پڑیں گے یہی مطلب ہے آخرت میں ناکام و نامراد ہونے کا۔

آخرت کی یہ شرح جو میں نے بیان کی ہے، حدیث اور قرآن سے بھی یہی شرح ثابت ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آخرت کی زندگی میں انسان کا نامراد یا بامراد ہونا، اور اس کے انجام کا اچھا یا برا ہونا در اصل نتیجہ ہے دنیا کی زندگی میں اس کے علم اور عمل کے صحیح یا غلط ہونے کا۔

یہ بات جب آپ نے سمجھ لی تو ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے کہ مسلمان اور کافر کے انجام کا فرق یونہی بلا وجہ نہیں ہوجاتا۔ در اصل انجام کا فرق آغاز ہی کے فرق کا نتیجہ ہے جب تک دنیا میں مسلمان اور کافر کے علم و عمل کے درمیان فرق نہ ہوگا، آخرت میں بھی ان دونوں کے انجام کے درمیان فرق نہیں ہوسکتا۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ دنیا میں ایک شخص کا علم اور عمل وہی ہو جو کافر کا علم اور عمل ہے، اور پھر آخرت میں وہ اس انجام سے بچ جائے جو کافر کا انجام ہوتا ہے۔

اب پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد کیا ہے؟ پہلے آپ نے اس کا جواب یہ پایا تھا کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ کافر کے انجام اور مسلمان کے انجام میں فرق ہو۔ اب انجام اور آخرت کی جو تشریح آپ نے سنی ہے، اس کے بعد آپ کو اپنے جواب پر پھر غور کرنا ہوگا۔ اب آپ کو یہ کہنا پڑے گا کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد دنیا میں انسان کے علم اور عمل کو درست کرنا ہے تاکہ آخرت میں اس کا انجام درست ہو۔ یہ کلمہ انسان کو دنیا میں وہ باغ لگانا سکھاتا ہے جس کے پھل آخرت میں اس کو توڑنے ہیں۔ اگر آدمی اس کلمہ کو نہیں مانتا تو اس کو باغ لگانے کا طریقہ ہی معلوم نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ باغ لگائے گا کس طرح، اور آخرت میں پھل کس چیز کے توڑے گا؟ اور اگر آدمی اس کلمہ کو زبان سے پڑھ لیتا ہے، مگر اس کا علم بھی وہی رہتا ہے جو نہ پڑھنے والے کا علم تھا، اور اس کا عمل بھی ویسا ہی رہتا ہے جیسا کافر کا عمل تھا، تو آپ کی عقل خود کہہ دے گی کہ ایسا کلمہ پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے شخص کا انجام کافر کے انجام سے مختلف ہو۔ زبان سے کلمہ پڑھ کر اس نے خدا پر کوئی احسان نہیں کیا ہے کہ باغ لگانے کا طریقہ بھی وہ نہ سیکھے، باغ لگائے بھی نہیں، ساری عمر کانٹے ہی بوتا رہے اور پھر بھی آخرت میں اس کو پھلوں سے لدا ہوا لہلہاتا باغ مل جائے۔ جیسا کہ میں پہلے کئی مثالیں دے کر بیان کر چکا ہوں، جس کام کے کرنے اور نہ کرنے کا نتیجہ ایک ہو وہ کام فضول اور بے معنی ہے۔ جس دوا کو پینے کے بعد بھی بیمار کا وہی حال رہے جو پینے سے پہلے تھا، وہ دوا حقیقت میں دوا ہی نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح اگر کلمہ پڑھنے والے آدمی کا علم اور عمل بھی وہی کا وہی رہے جو کلمہ نہ پڑھنے والے کا ہوتا ہے، تو ایسا کلمہ پڑھنا محض بے معنی ہے۔ جب دنیا ہی میں کافر اور مسلم کی زندگی میں فرق نہ ہوا تو آخرت میں ان کے انجام میں کیسے فرق ہو سکتا ہے؟

اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ وہ کونسا علم ہے جو کلمہ طیبہ انسان کو سکھاتا ہے، اور اس علم کو سیکھنے کے بعد مسلمان کے عمل اور کافر کے عمل میں کیا فرق ہو جاتا ہے؟ دیکھیے پہلی بات جو اس کلمہ سے آپ

کو معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اللہ کے بندے ہیں اور کسی کے بندے نہیں ہیں۔ یہ بات جب آپ کو معلوم ہوگئی تو خود بخود آپ کو یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ آپ جس کے بندے ہیں، دنیا میں آپ کو اسی کی مرضی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کی مرضی کے خلاف اگر آپ چلیں گے تو یہ اپنے مالک سے بغاوت ہوگی۔ اس علم کے بعد دوسرا علم آپ کو کلمہ سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ یہ بات جب آپ کو معلوم ہوگئی، تو اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی آپ کو خود بخود معلوم ہوگئی کہ اللہ کے رسول نے دنیا کی کھیتی میں کانٹوں اور زہریلے پھلوں کے بجائے پھولوں اور میٹھے پھلوں کا باغ لگانا جس طرح سکھایا ہے اسی طرح آپ کو باغ لگانا چاہیے۔ اگر آپ اسی طریقہ کی پیروی کریں گے تو آخرت میں آپ کو اچھی فصل ملے گی۔ اور اگر اس کے خلاف عمل کریں گے تو دنیا میں کانٹے بوئیں گے اور آخرت میں کانٹے ہی پائیں گے۔

یہ علم حاصل ہونے کے بعد لازم ہے کہ آپ کا عمل بھی اس کے مطابق ہو۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ ایک دن مرنا ہے، اور مرنے کے بعد پھر ایک دوسری زندگی ہے، اور اس زندگی میں آپ کو اسی فصل پر گزارا کرنا ہوگا جیسے آپ زندگی میں تیار کرکے جائیں گے، تو پھر یہ ناممکن ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرسکیں۔ دنیا میں آپ کھیتی باڑی کیوں کرتے ہیں؟ اسی لیے کہ آپ کو یقین ہے کہ اگر کھیتی باڑی نہ کی تو غلہ پیدا نہ ہوگا، اور غلہ نہ پیدا ہوا تو بھوکے مر جائیں گے۔ اگر آپ کو اس بات کا یقین نہ ہوتا اور آپ سمجھتے کہ کھیتی باڑی کے بغیر ہی غلہ پیدا ہو جائے گا، یا غلہ کے بغیر بھی آپ بھوک سے بچ جائیں گے، تو ہرگز آپ کھیتی باڑی میں یہ محنت نہ کرتے۔ بس اسی پر اپنے حال کو بھی قیاس کر لیجیے۔ جو شخص زبان سے کہتا ہے کہ خدا کو میں اپنا مالک، اور رسول پاک کو خدا کا رسول مانتا ہوں اور آخرت کی زندگی کو بھی مانتا ہوں، مگر عمل اس کا قرآن کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے، اس کے متعلق یہ سمجھ لیجیے کہ درحقیقت اس کا ایمان کمزور ہے، اس کو جیسا یقین اپنی کھیتی میں کاشت

نہ کرنے کے بُرے انجام کا ہے، اگر ویسا ہی یقین آخرت کی فصل تیار نہ کرنے کے برے انجام کا بھی ہوتا تو وہ کبھی اس کام میں غفلت نہ کرے۔ کوئی شخص جان بوجھ کر اپنے حق میں کانٹے نہیں بوتا۔ کانٹے وہی بوتا ہے جسے یہ یقین نہیں ہوتا کہ جو چیز بو رہا ہے اس سے کانٹے پیدا ہوں گے اور وہ کانٹے اس کو تکلیف دیں گے۔ آپ جان بوجھ کر اپنے ہاتھ میں آگ کا انگارہ نہیں اٹھاتے۔ کیونکہ آپ کو یقین ہے کہ یہ جلا دے گا۔ مگر ایک بچہ آگ میں ہاتھ ڈال دیتا ہے، کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم نہیں ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

مسلمان کِسے کہتے ہیں؟

برادرانِ اسلام! آج میں آپ کے سامنے مسلمان کی صفات بیان کروں گا۔ یعنی یہ بتاؤں گا کہ مسلمان ہونے کے لیے کم سے کم شرطیں کیا ہیں۔ آدمی کو کم از کم کیا ہونا چاہیے کہ وہ مسلمان کہلائے جانے کے قابل ہو۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے آپ کو یہ جاننا چاہیے کہ کفر کیا ہے اور اسلام کیا ہے۔ کفر یہ ہے کہ آدمی خدا کی فرماں برداری سے انکار کر دے۔ اور اسلام یہ ہے کہ آدمی صرف خدا کا فرماں بردار ہو، اور ہر ایسے طریقے، یا قانون، یا حکم کو ماننے سے انکار کر دے جو خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت کے خلاف ہو۔ اسلام اور کفر کا یہ فرق قرآن مجید میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ — یعنی جو شخص خدا کی اتاری ہوئی ہدایت کے مطابق فیصلہ نہ کرے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ۔ ۷) — ایسے ہی لوگ دراصل کافر ہیں۔

فیصلہ کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ عدالت میں جو مقدمہ جائے بس اسی کا فیصلہ خدا کی کتاب کے مطابق ہو۔ بلکہ دراصل فیصلہ سے مراد وہ فیصلہ ہے جو ہر شخص اپنی زندگی میں ہر وقت کیا کرتا ہے۔ ہر موقع پر تمھارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ فلاں کام کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ فلاں بات اِس طرح کی جائے یا اُس طرح کی جائے؟ فلاں معاملہ میں یہ طریقہ اختیار کیا جائے یا وہ طریقہ اختیار کیا جائے؟ تمام ایسے موقعوں پر ایک طریقہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت بتاتی ہے۔ اور دوسرا طریقہ انسان کے اپنے نفس کی خواہشات، یا باپ دادا کی رسمیں، یا انسانوں کے بنائے ہوئے قانون بتاتے ہیں۔ اب جو شخص خدا کے بتائے ہوئے طریقہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے طریقہ کے مطابق کام کرنے کا فیصلہ کرتا ہے وہ دراصل کفر کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اگر اس نے اپنی ساری زندگی ہی کے لیے یہی ڈھنگ اختیار کیا ہو تو وہ پورا کافر ہے۔ اور اگر وہ بعض معاملات میں تو خدا کی ہدایت کو مانتا ہو اور بعض میں اپنے نفس

کی خواہشات کو یا رسم و رواج کو، یا انسانوں کے قانون کو خدا کے قانون پر ترجیح دیتا ہو، تو جس قدر بھی وہ خدا کے قانون سے بغاوت کرتا ہے اسی قدر کفر میں مبتلا ہے۔ کوئی آدھا کافر ہے، کوئی چوتھائی کافر ہے، کسی میں دسواں حصہ کفر کا ہے اور کسی میں بیسواں حصہ۔ غرض جتنی خدا کے قانون سے بغاوت ہے اتنا ہی کفر بھی ہے۔

اسلام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ آدمی صرف خدا کا بندہ ہو۔ نہ نفس کا بندہ، نہ باپ دادا کا بندہ، نہ خاندان اور قبیلہ کا بندہ، نہ مولوی صاحب اور پیر صاحب کا بندہ، نہ زمیندار صاحب اور مجسٹریٹ صاحب کا بندہ، نہ خدا کے سوا کسی اور صاحب کا بندہ۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (آل عمران ۶۴)

یعنی اے نبی! اہل کتاب سے کہو کہ آؤ ہم تم ایک ایسی بات پر اتفاق کر لیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے (یعنی جو تم بھی نبی کے بتائے ہوئے ہو، اور خدا کا نبی ہونے کی حیثیت سے میں بھی وہی بات کہتا ہوں) وہ بات یہ ہے کہ ایک تو ہم اللہ کے سوا کسی کے بندے بن کر نہ رہیں۔ دوسرے یہ کہ خدائی میں کسی کو شریک نہ کریں اور تیسری بات یہ کہ ہم میں سے کوئی انسان کسی انسان کو اللہ کے بجائے اپنا مالک اور اپنا آقا نہ بنائے۔ یہ تین باتیں اگر وہ نہیں مانتے تو ان سے کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں یعنی ہم ان تینوں باتوں کو مانتے ہیں۔

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ

یعنی کیا وہ خدا کی اطاعت کے سوا کسی اور کی اطاعت چاہتے ہیں؟ حالانکہ خدا وہ ہے کہ زمین اور آسمان کی ہر چیز چاہتے نہ چاہتے اسی کی اطاعت کر رہی ہے اور سب کو اسی کی طرف پلٹنا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں ایک ہی بات بیان کی گئی ہے یعنی یہ کہ اصلی دین خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ خدا کی عبادت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بس اس کے آگے سجدہ کرو، بلکہ اس کی عبادت کے معنی یہ ہیں کہ رات دن میں ہر وقت اس کے احکام کی اطاعت کرو۔ جس چیز کا اس نے حکم دیا ہے اس پر عمل کرو۔ ہر معاملہ میں یہ دیکھو کہ خدا کا کیا حکم ہے۔ یہ نہ دیکھو کہ تمہارا اپنا دل کیا کہتا ہے، تمہاری عقل کیا کہتی ہے، باپ دادا کیا کر گئے ہیں، خاندان اور قبیلہ والوں کی مرضی کیا ہے، جناب مولوی صاحب قبلہ اور جناب پیر صاحب قبلہ کیا فرماتے ہیں، اور فلاں صاحب کا کیا حکم ہے اور فلاں صاحب کی کیا مرضی ہے۔ اگر تم نے خدا کے حکم کو چھوڑ کر کسی کی بھی بات مانی تو گویا خدائی میں اس کو شریک کیا۔ اس کو وہ درجہ دیا جو صرف خدا کا درجہ ہے۔ حکم دینے والا تو صرف خدا ہے۔ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ۔ بندگی کے لائق تو صرف وہ ہے جس نے

تمھیں پیدا کیا، اور جس کے بل بوتے پر تم زندہ ہو، زمین اور آسمان کی ہر چیز اسی کی اطاعت کر رہی ہے۔ کوئی پتھر کسی پتھر کی اطاعت نہیں کرتا۔ کوئی درخت کسی درخت کی اطاعت نہیں کرتا۔ کوئی جانور کسی جانور کی اطاعت نہیں کرتا۔ پھر کیا تم جانوروں اور درختوں اور پتھروں سے بھی گئے گذرے ہو گئے کہ وہ تو صرف خدا کی اطاعت کریں، اور تم خدا کو چھوڑ کر انسانوں کی اطاعت کرو ـــــ یہ ہے وہ بات جو قرآن کی ان دونوں آیتوں میں بیان فرمائی گئی ہے۔

اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ کفر اور گمراہی دراصل نکلتی کہاں سے ہے۔ قرآن مجید ہم کو بتاتا ہے کہ اس کمبخت بلا کے آنے کے تین راستے ہیں:

پہلا راستہ انسان کے اپنے نفس کی خواہشات ہیں:-

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (القصص)

یعنی اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہو گا جس نے خدا کی ہدایت کے بجائے اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کی۔ ایسے ظالم لوگوں کو خدا ہدایت نہیں دیتا

مطلب یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر انسان کو گمراہ کرنے والی چیز انسان کے اپنے نفس کی خواہشات ہیں۔ جو شخص خواہشات کا بندہ بن گیا، اس کے لیے خدا کا بندہ بننا ممکن ہی نہیں۔ وہ تو ہر وقت یہ دیکھے گا کہ مجھے روپیہ کس کام میں ملتا ہے، میری عزت اور شہرت کس کام میں ہوتی ہے، مجھے لذت اور لطف کس کام میں حاصل ہوتا ہے، مجھے آرام اور آسائش کس کام میں ملتی ہے۔ بس یہ چیزیں جس کام میں ہوں گی، اسی کو وہ اختیار کرے گا، چاہے خدا اس سے منع کرے۔ اور یہ چیزیں جس کام میں نہ ہوں گی اس کو وہ ہرگز نہ کرے گا چاہے خدا اس کا حکم دے۔ تو ایسے شخص کا خدا اللہ تبارک و تعالیٰ نہ ہوا، اس کا اپنا نفس ہی اس کا خدا ہو گیا۔ اس کو ہدایت کیسے مل سکتی ہے؟ اسی بات کو دوسری جگہ قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے:-

اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۙ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا

یعنی اے نبی تم نے اس شخص کے حال پر غور بھی کیا جس نے اپنے نفس کی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے؟ تم کیا ایسے شخص کی نگرانی کر سکتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے بہت سے لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ ہرگز نہیں، یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔

نفس کے بندے کا جانوروں سے بدتر ہونا ایسی بات ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ کوئی جانور آپ کو ایسا نہ ملے گا جو

خدا کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھتا ہو۔ ہر جانور وہی چیز کھاتا ہے جو خدا نے اس کے لیے مقرر کی ہے۔ اسی قدر کھاتا ہے جس قدر اس کے لیے مقرر کی ہے۔ اور جتنے کام جس جانور کے لیے مقرر ہیں بس اتنے ہی کرتا ہے۔ مگر یہ انسان ایسا جانور ہے کہ جب یہ اپنی خواہش کا بندہ بنتا ہے تو وہ حرکتیں کر گذرتا ہے جن سے شیطان بھی پناہ مانگے۔

یہ تو گمراہی کے آنے کا پہلا راستہ ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ باپ دادا سے جو رسم و رواج، جو عقیدے اور خیالات، جو رنگ ڈھنگ چلے آرہے ہوں، آدمی اُن کا غلام بن جائے اور خدا کے حکم سے بڑھ کر ان کو سمجھے، اور اگر ان کے خلاف خدا کا حکم اس کے سامنے پیش کیا جائے تو کہے کہ میں تو وہی کروں گا جو میرے باپ دادا کرتے تھے اور جو میرے خاندان و قبیلہ کا رواج ہے۔ جو شخص اس مرض میں مبتلا ہے وہ خدا کا بندہ کب ہوا۔ اس کے خدا تو اس کے باپ دادا اور اس کے خاندان اور قبیلے کے لوگ ہیں۔ اس کو یہ جھوٹا دعویٰ کرنے کا کیا حق ہے کہ میں مسلمان ہوں؟

قرآن کریم میں اس پر بھی بڑی سختی کے ساتھ تنبیہ کی گئی ہے:-

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ۔ (البقرہ - ۲۱)

اور جب کبھی ان سے کہا گیا کہ جو حکم خدا نے بھیجا ہے اس کی پیروی کرو، تو انھوں نے یہی کہا کہ ہم تو اس بات کی پیروی کریں گے جو ہمیں باپ دادا سے ملی ہے۔ اگر ان کے باپ دادا کسی بات کو نہ سمجھتے ہوں اور راہ راست پر نہ ہوں تو کیا یہ پھر بھی انھی کی پیروی کیے چلے جائیں گے؟

دوسری جگہ فرمایا:-

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۔ (المائدہ - ۱۴)

اور جب ان سے کہا گیا کہ آؤ اس فرمان کی طرف جو خدا نے بھیجا ہے، اور آؤ رسول کے طریقہ کی طرف، تو انھوں نے کہا کہ ہمارے لیے تو بس وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ باپ دادا ہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے چاہے ان کو کوئی بات علم نہ ہو اور وہ سیدھے راستے پر نہ ہوں؟ اے ایمان لانے والو! تم کو تو اپنی فکر ہونی چاہیے۔ اگر تم سیدھے راستے پر لگ جاؤ تو کسی دوسرے کی گمراہی سے تمھیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ پھر آخرکار سب کو خدا کی طرف واپس جانا ہے، اس وقت خدا تم کو تمھارے اعمال کا نیک و بد سب دکھا دے گا۔

یہ ایسی گمراہی ہے جس میں تقریباً ہر زمانے کے جاہل لوگ مبتلا رہے ہیں، اور ہمیشہ خدا کے رسولوں کی ہدایت

کو ماننے سے یہی چیز انسان کو روکتی رہی ہے۔ حضرت موسیٰ نے جب لوگوں کو خدا کی شریعت کی طرف بلایا تھا اس وقت بھی لوگوں نے یہی کہا تھا:۔

أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا (یونس ع ۸)

کیا تو ہمیں اس راستے سے ہٹانا چاہتا ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے

حضرت ابراہیم نے جب اپنے قبیلہ والوں کو شرک سے روکا تو انھوں نے یہی کہا تھا:۔

وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ (الانبیاء ع ۵)

ہم نے تو اپنے باپ دادا کو انہی خداؤں کی بندگی کرتے ہوئے پایا ہے

غرض اسی طرح ہر نبی کے مقابلہ میں لوگوں نے یہی حجت پیش کی ہے کہ تم جو کہتے ہو یہ ہمارے باپ دادا کے طریقے کے خلاف ہے اس لیے ہم اسے نہیں مانتے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے:۔

وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ ۔ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكُم بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدتُّمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۔ (الزخرف ع ۲)

یعنی ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ جب کبھی ہم نے کسی بستی میں کسی ڈرانے والے یعنی پیغمبر کو بھیجا تو اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک ہی طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہی کے قدم بقدم چل رہے ہیں۔ پیغمبر نے ان سے کہا کہ اگر میں اس سے بہتر بات بتاؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے تو پھر بھی باپ دادا ہی کی پیروی کیے چلے جاؤ گے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کو نہیں مانتے جو تم لیکر آئے ہو۔ پس جب انھوں نے یہ جواب دیا تو ہم نے بھی انکو خوب سزا دی اور دیکھ لو کہ ہمارے احکام کو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا

یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یا تو باپ دادا ہی کی پیروی کر لو یا پھر ہمارے ہی حکم کی پیروی کرو۔ یہ دونوں باتیں ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں۔ مسلمان ہونا چاہتے ہو تو سب کو چھوڑ کر صرف اس بات کو مانو جو ہم نے بتائی ہے:۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۔ وَمَن يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

یعنی جب ان سے کہا گیا کہ اس حکم کی پیروی کرو جو خدا نے بھیجا ہے تو انھوں نے کہا کہ "نہیں ہم تو اس بات کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے"۔ چاہے شیطان ان کو عذاب جہنم ہی کی طرف کیوں نہ بلا رہا ہو۔ جو کوئی اپنے آپ کو بالکل خدا کے

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۔ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۔ (لقمان ــ ۳)

پھر دُرست اور نیکو کار ہو اس نے تو مضبوط رسی تھام لی اور آخر کار تمام معاملات خدا کے ہاتھ میں ہیں، اور جس نے اس سے انکار کیا تو اے نبی تم کو اس کے انکار سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ سب ہماری طرف واپس آنے والے ہیں۔ پھر ہم انھیں ان کے اعمال کا نتیجہ دکھا دیں گے۔

یہ گمراہی کے آنے کا دوسرا راستہ تھا۔ تیسرا راستہ قرآن نے یہ بتایا ہے کہ انسان جب خدا کے حکم کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کے حکم ماننے لگتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ فلاں شخص بڑا آدمی ہے، اس کی بات پکی ہوگی، یا فلاں شخص کے ہاتھ میں میری روٹی ہے اس لیے اس کی بات ماننی چاہیے، یا فلاں شخص صاحبِ اقتدار ہے اس لیے اس کی فرماں برداری کرنی چاہیے، یا فلاں صاحب اپنی بددعا سے مجھے تباہ کردیں گے یا اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے اس لیے جو وہ کہیں وہی صحیح ہے، یا فلاں قوم بڑی ترقی کر رہی ہے، اس کے طریقے اختیار کرنے چاہییں، تو ایسے شخص پر خدا کی ہدایت کا راستہ بند ہوجاتا ہے

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانعام ــ ۱۴)

اگر تو نے ان بہت سے لوگوں کی اطاعت کی جو زمین میں رہتے ہیں تو وہ تجھ کو خدا کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔

یعنی آدمی سیدھے راستہ پر اُس وقت ہوسکتا ہے جب اس کا ایک خدا ہو۔ سینکڑوں ہزاروں خدا جس نے بنا لیے ہوں، اور جو کبھی اس خدا کے کہے پر اور کبھی اس خدا کے کہے پر چلتا ہو، وہ راستہ کہاں پاسکتا ہے۔

اب آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ گمراہی کے تین بڑے بڑے سبب ہیں۔

ایک نفس کی بندگی۔

دوسرے، باپ دادا اور خاندان اور قبیلے کے رواجوں کی بندگی۔

تیسرے، عام طور پر دنیا کے لوگوں کی بندگی جن میں دولت مند لوگ، اور حکام وقت، اور بناوٹی پیشوا اور گمراہ قومیں سب شامل ہیں۔

یہ تین بڑے بڑے بت ہیں جو خدائی کے دعوے دار بنے ہوتے ہیں۔ جو شخص مسلمان بننا چاہتا ہو اس کو سب سے پہلے ان تینوں بتوں کو توڑنا چاہیے۔ پھر وہ حقیقت میں مسلمان ہو جائے گا۔ ورنہ جس نے یہ تینوں بت اپنے دل میں بٹھا رکھے ہوں اس کا بندۂ خدا ہونا مشکل ہے۔ وہ دن میں پچاس وقت کی نمازیں پڑھ کر اور دکھاوے کے روزے رکھ کر اور مسلمانوں کی سی شکل بنا کر انسانوں کو دھوکا دے سکتا ہے، خود اپنے نفس کو بھی دھوکا دے سکتا ہے کہ میں پکا مسلمان ہوں، مگر خدا کو دھوکا نہیں دے سکتا۔

بھائیو! آج میں نے آپ کے سامنے جن تین بتوں کا ذکر کیا ہے ان کی بندگی اصلی شرک ہے۔ آپ نے پتھر کے بت توڑ دیے۔ اینٹ اور چونے سے بنے ہوئے بت خانے ڈھا دیے۔ مگر سینوں میں جو بت خانے بنے ہوئے ہیں ان کی طرف کم توجہ کی۔ سب سے زیادہ ضروری، بلکہ مسلمان ہونے کے لیے اولین شرط ان بتوں کو توڑنا ہے۔ اگرچہ میرا خطاب تمام مسلمانوں سے ہے، اور مجھے یقین ہے کہ ساری دنیا اور تمام ہندوستان میں مسلمان جس قدر نقصان اٹھا رہے ہیں وہ انہی تین بتوں کی پوجا کا نتیجہ ہے، مگر چونکہ اس وقت میرے سامنے پنجابی بھائی ہیں، اس لیے خاص طور پر ان سے کہتا ہوں کہ آپ کی تباہی اور آپ کی ذلت و مصیبت کی جڑ یہ تین بت ہیں جو آپ نے ابھی مجھ سے سنی ہیں۔ آپ اس پنجاب کی سرزمین میں ڈیڑھ کروڑ سے زیادہ ہیں۔ اس صوبہ کی آبادی میں آدھے سے زیادہ آپ ہیں اور آدھے سے کم میں دوسری قومیں ہیں۔ مگر اتنی بڑی قوم ہونے کے باوجود یہاں آپ کا کوئی وزن نہیں۔ بعض نہایت قلیل التعداد قوموں کا وزن آپ سے بڑھ کر ہے۔ اس کی وجہ پر بھی آپ نے کبھی غور کیا؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ نفس کی بندگی، خاندانی رواجوں کی بندگی اور خدا کے سوا دوسرے انسانوں کی بندگی نے آپ کی طاقت کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔

آپ میں راجپوت ہیں، گکھڑ ہیں، مغل ہیں، جاٹ ہیں، اور بہت سی قومیں ہیں۔ اسلام نے ان سب قوموں کو ایک قوم، ایک دوسرے کا بھائی، ایک پختہ دیوار بننے کے لیے کہا تھا جس کی اینٹ سے اینٹ جُڑی ہوئی ہو۔ مگر آپ اب بھی وہی پرانے ہندوانہ خیالات لیے بیٹھے ہیں۔ جس طرح ہندوؤں میں الگ الگ گوتریں ہیں، اسی طرح آپ میں بھی اب تک قبیلے قبیلے الگ ہیں۔ آپس میں مسلمانوں کی طرح شادی بیاہ نہیں۔ ایک دوسرے سے برادری اور بھائی چارہ نہیں۔ زبان سے آپ ایک دوسرے کو مسلمان بھائی کہتے ہیں۔ مگر حقیقت میں آپ کے درمیان وہی سب امتیازات ہیں جو اسلام سے پہلے تھے۔ ان امتیازات نے آپ کو ایک مضبوط دیوار نہیں بننے دیا۔ آپ کی ایک ایک اینٹ الگ ہے۔ آپ نہ مل کر اٹھ سکتے ہیں اور نہ مل کر کسی مصیبت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگر اسلام کی تعلیمات کے مطابق آپ سے کہا جائے کہ توڑ دو ان امتیازات کو، اور آپس میں مل کر ایک ہو جاؤ تو آپ کیا کہیں گے؟ بس وہی ایک بات یعنی ہمارے باپ دادا سے جو رواج چلے آ رہے ہیں ان کو ہم نہیں توڑ سکتے۔ اس کا جواب خدا کی طرف سے کیا ملتا ہے۔ بس یہی کہ تم نہ توڑو ان رواجوں کو، تم نہ چھوڑو کفارانہ رسموں کی تقلید کو، ہم بھی تم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے اور تمھاری کثرتِ تعداد کے باوجود تم کو ذلیل و خوار کر کے دکھائیں گے۔

اللہ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ تمھاری وراثت میں لڑکے اور لڑکیاں سب شریک ہیں۔ آپ اس کا جواب کیا دیتے ہیں؟ یہ کہ ہمارے باپ دادا کے قانون میں لڑکے اور لڑکیاں شریک نہیں ہیں۔ اور یہ کہ ہم خدا کے قانون کے بجائے باپ دادا کا قانون مانتے ہیں۔ خدارا مجھے بتائیے کیا اسلام اسی کا نام ہے؟ آپ سے کہا جاتا ہے کہ اس خاندانی قانون کو توڑیے۔ آپ میں سے ہر شخص کہتا ہے کہ جب سب توڑیں گے تو میں بھی توڑ دوں گا۔ ورنہ اگر دوسروں نے لڑکی کو حصہ نہ دیا، اور میں نے دے دیا تو میرے گھر کی دولت تو دوسروں کے پاس چلی جائے گی، مگر دوسرے کے گھر کی دولت میرے گھر میں نہ آئے گی۔

غور کیجیے کہ اس جواب کے کیا معنی ہیں؟ کیا خدا کے قانون کی اطاعت اسی شرط سے کی جائے گی کہ دوسرے اطاعت کریں تو آپ بھی کریں گے؟ کل آپ کہیں گے کہ دوسرے زنا کریں گے تو میں بھی کروں گا دوسرے چوری کریں گے تو میں بھی کروں گا۔ غرض دوسرے جب تک سب گناہ نہ چھوڑیں گے، میں بھی اس وقت تک سب گناہ کرتا رہوں گا۔ بات یہ ہے کہ اس معاملہ میں تینوں بتوں کی پرستش ہو رہی ہے۔ نفس کی بندگی بھی ہے، باپ دادا کی بندگی بھی اور مشرک قوموں کی بندگی بھی۔ اور ان تینوں کے ساتھ اسلام کا دعویٰ بھی ہے۔

یہ صرف دو مثالیں ہیں۔ ورنہ آنکھیں کھول کر دیکھا جائے تو بے شمار اسی قسم کے امراض آپ کے اندر پھیلے ہوئے نظر آئیں گے، اور ان سب میں آپ یہی دیکھیں گے کہ کہیں ایک بت کی پرستش ہے اور کہیں دو بتوں کی، اور کہیں تینوں بتوں کی۔ جب یہ بت پوجے جا رہے ہوں، اور ان کے ساتھ اسلام کا دعویٰ بھی ہو تو آپ کیسے امید کر سکتے ہیں کہ آپ پر ان رحمتوں کی بارش ہو گی جن کا وعدہ سچے مسلمانوں سے کیا گیا ہے؟

ایمان کی کسوٹی

برادرانِ اسلام! پچھلے جمعہ کے خطبہ میں مَیں نے آپ کو بتایا تھا کہ قرآن کی رو سے انسان کی گمراہی کے تین سبب ہیں۔ ایک یہ کہ وہ خدا کے قانون کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہشات کا غلام بن جائے۔ دوسرے یہ کہ خدائی قانون کے مقابلہ میں اپنے خاندان کے رسم ورواج اور باپ دادا کے طریقے کو ترجیح دے۔ تیسرے یہ کہ خدا اور رسول نے جو طریقہ بتایا ہے، اس کو بالائے طاق رکھ کر انسانوں کی پیروی کرنے لگے، چاہے وہ انسان خود اس کی اپنی قوم کے بڑے لوگ ہوں یا غیر قوموں کے لوگ۔

مسلمان کی اصلی تعریف یہ ہے کہ وہ ان تینوں بیماریوں سے پاک ہو۔ مسلمان کہتے ہی اس کو ہیں جو خدا کے سوا کسی کا بندہ اور رسول کے سوا کسی کا پیرو نہ ہو۔ مسلمان وہ ہے جو سچے دل سے اس بات پر یقین رکھتا ہو کہ خدا اور اس کے رسول کی تعلیم سراسر حق ہے اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل اور انسان کے لیے دین و دنیا کی بھلائی جو کچھ بھی ہے صرف خدا اور اس کے رسول کی تعلیم میں ہے۔ اس بات پر کامل یقین جس شخص کو ہوگا وہ اپنی زندگی کے ہر معاملہ میں صرف یہ دیکھے گا کہ اللہ اور اس کے رسول کا کیا حکم ہے۔ اور جب اسے حکم معلوم ہو جائے گا تو وہ سیدھی طرح سے اس کے آگے سر جھکا دے گا۔ پھر چاہے اس کا دل کتنا ہی کلملائے اور خاندان کے لوگ کتنی ہی باتیں بنائیں، اور دنیا والے کتنی ہی مخالفت کریں وہ ان میں سے کسی کی پروانہ کرے گا، کیونکہ ہر ایک کو اس کا صاف جواب یہی ہوگا کہ میں خدا کا بندہ ہوں، تمھارا بندہ نہیں ہوں۔ اور میں رسول پر ایمان لایا ہوں، تم پر ایمان نہیں لایا ہوں۔

اس کے برخلاف اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ خدا اور رسول کا ارشاد یہ ہے تو ہوا کرے، میرا دل تو اس کو نہیں مانتا، مجھے تو اس میں نقصان نظر آتا ہے، اس لیے میں خدا اور رسول کی بات کو چھوڑ کر اپنی رائے پر چلوں گا

تو ایسے شخص کا دل ایمان سے خالی ہو گا۔ وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہے کہ زبان سے تو کہتا ہے میں خدا کا بندہ اور رسول کا پیرو ہوں، مگر حقیقت میں اپنے نفس کا بندہ اور اپنی رائے کا پیرو بنا ہوا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ خدا اور رسول کا کچھ بھی حکم ہو، مگر فلاں بات تو باپ دادا سے ہوتی چلی آرہی ہے، اس کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے، یا فلاں قاعدہ تو میرے خاندان میں مقرر ہے، اسے کیونکر توڑا جا سکتا ہے، تو ایسے شخص کا شمار بھی منافقوں میں ہو گا، خواہ نمازیں پڑھتے پڑھتے اس کی پیشانی پر کتنا ہی بڑا گٹا پڑ گیا ہو اور ظاہر میں اُس نے کتنی ہی متشرع صورت بنا رکھی ہو۔ اس لیے کہ دین کی اصل حقیقت اس کے دل میں اتری ہی نہیں۔ دین رکوع اور سجدے اور روزے اور حج کا نام نہیں، اور نہ دین انسان کی صورت اور اس کے لباس میں ہوتا ہے۔ بلکہ اصل میں دین نام ہے خدا اور رسول کی اطاعت کا۔ جو شخص اپنے معاملات میں خدا اور رسول کی اطاعت سے انکار کرتا ہے، اس کا دل حقیقت میں دین سے خالی ہے، اس کی نماز اور اس کا روزہ اور اس کی متشرع صورت ایک دھوکہ کے سوا کچھ نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی ہدایت سے بے پروا ہو کر کہتا ہے کہ فلاں بات اس لیے اختیار کی جائے کہ وہ انگریزوں میں رائج ہے، اور فلاں بات اس لیے قبول کی جائے کہ فلاں قوم اس کی وجہ سے ترقی کر رہی ہے، اور فلاں بات اس لیے مانی جائے کہ فلاں بڑا آدمی ایسا کہتا ہے، تو ایسے شخص کو بھی اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ یہ باتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ مسلمان ہو اور مسلمان رہنا چاہتے ہو تو ہر اس بات کو اٹھا کر دیوار پر دے مارو جو خدا اور رسول کی بات کے خلاف ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اسلام کا دعویٰ تمھیں زیب نہیں دیتا۔ زبان سے کہنا کہ ہم خدا اور رسول کو مانتے ہیں، مگر اپنی زندگی کے معاملات میں ہر وقت دوسروں کی بات کے مقابلہ میں خدا اور رسول کی بات کو رد کرتے رہنا، نہ ایمان ہے نہ اسلام، بلکہ اس کا نام "منافقت" ہے۔

قرآن مجید کے اٹھارویں پارے میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف الفاظ میں فرمایا ہے :-

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِنْ یَّکُنْ لَّھُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْٓا اِلَیْہِ مُذْعِنِیْنَ ۝ اَفِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَرَسُوْلُہٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَیَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ (النور۔ ۶-۷) یعنی "ہم نے کھول کھول کر حق اور باطل کا فرق بتانے والی آیتیں اتار دی ہیں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے ان آیتوں کے ذریعہ سے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی۔ پھر اس کے بعد ان میں سے بعض لوگ طاعت سے منہ موڑ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ ایمان دار نہیں ہیں۔ اور جب ان کو اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے معاملات میں قانون خداوندی کے مطابق فیصلہ کیا جائے تو ان میں سے کچھ لوگ منہ موڑ جاتے ہیں، البتہ جب بات ان کے مطلب کی ہو تو سر مانتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کے دل میں بیماری ہے؟ یا کیا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا ان کو یہ ڈر ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی کرے گا؟ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو یہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔ حقیقت میں جو ایمان دار ہیں ان کا طریقہ تو یہ ہے کہ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ قانون خداوندی کے مطابق ان کے معاملات کا فیصلہ کیا جائے تو وہ کہیں ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور اللہ سے ڈرتا رہے گا، اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کرے گا، بس وہی کامیاب ہوگا۔"

ان آیات میں ایمان کی جو تعریف بیان کی گئی ہے اس پر غور کیجیے۔ اصلی ایمان یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدا

کی کتاب اور ان کے رسول کی ہدایت کے سپرد کر دو۔ جو حکم وہاں سے ملے اس کے آگے سر جھکا دو، اور اس کے مقابلہ میں کسی کی نہ سنو، نہ اپنے دل کی، نہ خاندان والوں کی اور نہ دنیا والوں کی۔ یہ کیفیت جس میں پیدا ہو جائے وہی مومن اور مسلم ہے۔ اور جو اس سے خالی ہو اس کی حیثیت منافق سے زیادہ نہیں ہے۔

آپ نے سنا ہو گا کہ عرب میں شراب خوری کا کتنا زور تھا۔ عورت اور مرد اور جوان اور بوڑھے سب شراب کے متوالے تھے۔ ان کو دراصل اس چیز سے عشق تھا۔ اس کی تعریفوں کے گیت گاتے تھے اور اس پر جان دیتے تھے۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہو گا کہ شراب کی لت لگ جانے کے بعد اس کا چھوٹنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ آدمی جان دینا قبول کر لیتا ہے مگر شراب چھوڑنا قبول نہیں کر سکتا۔ اگر شرابی کو شراب نہ ملے تو اس کی کیفیت بیمار سے بدتر ہو جاتی ہے۔ لیکن آپ نے کبھی سنا ہے کہ جب قرآن شریف میں حرمت کا حکم آیا تو کیا ہوا؟ وہی عرب جو شراب پر جان دیتے تھے اس حکم کو سنتے ہی انھوں نے اپنے ہاتھ سے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے۔ مدینہ کی گلیوں میں شراب اس طرح بہہ رہی تھی جیسے بارش کا پانی بہتا ہے۔ ایک مجلس میں کچھ لوگ بیٹھے شراب پی رہے تھے جس وقت انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی کی آواز سنی کہ شراب حرام کر دی گئی تو جس شخص کا ہاتھ جہاں تھا وہیں کا وہیں رہ گیا، جس کے منہ سے پیالہ لگا ہوا تھا، اس نے فوراً اس کو ہٹا لیا، اور پھر ایک قطرہ حلق میں نہ جانے دیا۔ یہ ہے ایمان کی شان۔ اس کو کہتے ہیں خدا اور رسول کی اطاعت۔

آپ کو معلوم ہے کہ اسلام میں زنا کی سزا کتنی سخت رکھی گئی ہے؟ ننگی پیٹھ پر سو کوڑے جن کا خیال کیے سے آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ اور اگر شادی شدہ ہو تو اس کے لیے سنگساری کی سزا ہے یعنی اس کو پتھروں سے اتنا مارنا کہ وہ مر جائے۔ ایسی سخت سزا کا نام ہی سن کر آدمی کانپ اٹھتا ہے۔ مگر آپ نے یہ بھی سنا کہ جن کے دل میں ایمان تھا ان کی کیفیت کیا تھی؟ ایک شخص سے زنا کا فعل سرزد ہو گیا۔ کوئی گواہ نہ تھا۔ کوئی عدالت تک پکڑ لے جانے والا نہ تھا۔ کوئی پولیس کو اطلاع دینے والا نہ تھا۔ صرف دل میں ایمان تھا جس نے اس شخص سے کہا کہ جب تو نے خدا کے قانون کے خلاف اپنے نفس کی خواہش پوری کی ہے تو اب جو سزا خدا نے اس کے لیے

مقرر کی ہے اس کو بھگتنے کے لیے تیار ہو جا۔ چنانچہ وہ شخص خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ، میں نے زنا کی ہے، مجھے سزا دیجیے۔ آپ منہ پھیر لیتے ہیں تو پھر دوسری طرف آکر یہی بات کہتا ہے۔ آپ پھر منہ پھیر لیتے ہیں تو پھر وہ سامنے آکر سزا کی درخواست کرتا ہے کہ جو گناہ میں نے کیا ہے اس کی سزا مجھے دی جائے ـــــ یہ ہے ایمان۔ جس کے دل میں ایمان موجود ہے اس کے لیے ننگی پیٹھ پر سو کوڑے کھانا بلکہ سنگسار تک کر دیا جانا آسان ہے، مگر نافرمان بن کر خدا کے سامنے حاضر ہونا مشکل ہے۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ انسان کے لیے دنیا میں اپنے رشتہ داروں سے بڑھ کر کوئی عزیز نہیں ہوتا۔ خصوصاً باپ، بھائی، بیٹے تو اتنے پیارے ہوتے ہیں کہ ان پر سے سب کچھ قربان کر دینا آدمی گوارا کر لیتا ہے۔ مگر آپ ذرا بدر اور اُحد کی لڑائیوں پر غور کیجیے کہ ان میں کون کس کے خلاف لڑنے آیا تھا؟ باپ مسلمانوں کی فوج میں ہے تو بیٹا کافروں کی فوج میں۔ یا بیٹا اس طرف ہے تو باپ اُس طرف۔ ایک بھائی ادھر ہے تو دوسرا بھائی اُدھر۔ قریب سے قریب رشتہ دار ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئے ہیں، اور اس طرح لڑے ہیں کہ گویا یہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہی نہیں۔ اور یہ جوش ان میں کچھ روپے پیسے یا زمین کے لیے نہیں بھڑکا تھا، نہ کوئی ذاتی عداوت تھی بلکہ صرف اس وجہ سے وہ اپنے خون اور اپنے گوشت پوست کے خلاف لڑ گئے کہ وہ خدا اور رسول پر باپ اور بیٹے اور بھائی اور سارے خاندان کو قربان کر دینے کی طاقت رکھتے تھے۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ عرب میں جتنے پُرانے رسم و رواج تھے، اسلام نے سب ہی کو توڑ ڈالا تھا۔ سب سے بڑی چیز تو بُت پرستی تھی جس کا رواج سینکڑوں برس سے چلا آ رہا تھا۔ اسلام نے کہا کہ ان بتوں کو چھوڑ دو۔ شراب، زنا، جوا، چوری اور رہزنی عرب میں عام طور پر رائج تھی۔ اسلام نے کہا کہ ان سب کو ترک کرو۔ عورتیں عرب میں کھلی پھرتی تھیں۔ اسلام نے حکم دیا کہ پردہ کرو۔ عورتوں کو وراثت میں کوئی حصہ نہ دیا جاتا تھا۔ اسلام نے کہا کہ ان کا بھی وراثت میں حصہ ہے۔ متبنّٰی کو وہی حیثیت دی جاتی تھی جو صلبی اولاد کی ہوتی ہے۔ اسلام نے کہا کہ وہ صلبی اولاد کی طرح نہیں ہے بلکہ متبنّٰی اگر اپنی بیوی کو چھوڑ دے تو اس سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔ غرض

کونسی پرانی رسم ایسی تھی جس کو توڑنے کا حکم اسلام نے نہ دیا ہو۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ جو لوگ خدا اور رسول پر ایمان لائے تھے ان کا کیا طرزِ عمل تھا؟ صدیوں سے جن بتوں کو وہ اور ان کے باپ دادا سجدہ کرتے اور نذریں چڑھایا کرتے تھے، ان کو ان ایمان والوں نے اپنے ہاتھ سے توڑا۔ سینکڑوں برس سے جو خاندانی رسمیں چلی آتی تھیں ان سب کو انھوں نے مٹا کر رکھ دیا۔ جن چیزوں کو وہ مقدس سمجھتے تھے خدا کا حکم پاکر انھیں پاؤں تلے روند ڈالا۔ جن چیزوں کو وہ مکروہ سمجھتے تھے خدا کا حکم آتے ہی ان کو جائز سمجھنے لگے۔ جو چیزیں صدیوں سے پاک سمجھی جاتی تھیں وہ ایک دم ناپاک ہوگئیں، اور جو صدیوں سے ناپاک خیال کی جاتی تھیں وہ یکایک پاک ہوگئیں۔ کفر کے جن طریقوں میں لذت اور فائدے کے سامان تھے، خدا کا حکم پاتے ہی ان کو چھوڑ دیا گیا۔ اور اسلام کے جن احکام کی پابندی انسان پر شاق گذرتی ہے ان سب کو خوشی خوشی قبول کر لیا گیا۔ اس کا نام ہے ایمان اور اس کو کہتے ہیں اسلام۔ اگر عرب کے لوگ اس وقت کہتے کہ فلاں بات ہم اس لیے نہیں مانتے کہ ہمارا اس میں نقصان ہے، اور فلاں بات کو ہم اس لیے نہیں چھوڑتے کہ اس میں ہمارا فائدہ ہے، اور فلاں کام کو تو ہم ضرور کریں گے کیونکہ باپ دادا سے یہی ہوتا چلا آیا ہے، اور فلاں باتیں رومیوں کی ہمیں پسند ہیں اور فلاں ایرانیوں کی ہم کو مرغوب ہیں، غرض اگر عرب کے لوگ اسی طرح اسلام کی ایک ایک بات کو رد کر دیتے، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آج دنیا میں کوئی مسلمان نہ ہوتا۔

بھائیو! قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ یعنی نیکی کا مرتبہ تم کو نہیں مل سکتا جب تک کہ تم وہ سب چیزیں خدا کے لیے قربان نہ کر دو جو تم کو عزیز ہیں۔ بس یہی آیت اسلام اور ایمان کی جان ہے۔ اسلام کی اصل نشان یہی ہے کہ جو چیزیں تم کو عزیز ہیں، ان کو خدا کی خاطر قربان کر دو۔ زندگی کے سارے معاملات میں تم دیکھتے ہو کہ خدا کا حکم ایک طرف بلاتا ہے اور نفس کی خواہشات دوسری طرف بلاتی ہیں۔ خدا ایک کام کا حکم دیتا ہے نفس کہتا ہے کہ اس میں تو تکلیف ہے یا نقصان۔ خدا ایک بات سے منع کرتا ہے۔ نفس کہتا ہے کہ یہ تو بڑی مزیدار چیز ہے یا بڑے فائدے کی چیز ہے۔ ایک طرف خدا کی خوشنودی ہوتی ہے اور

دوسری طرف ایک دنیا کی دنیا کھڑی ہوتی ہے۔ غرض زندگی میں ہر ہر قدم پر انسان کو دو راستے ملتے ہیں ایک راستہ اسلام کا ہے اور دوسرا کفر و نفاق کا۔ جس نے دنیا کی ہر چیز کو ٹھکرا کر خدا کے حکم کے آگے سر جھکا دیا، اس نے اسلام کا راستہ اختیار کیا، اور جس نے خدا کے حکم کو پیچھے ڈال کر اپنے دل کی یا دنیا کی خوشی پوری کی، اس نے کفر یا نفاق کا راستہ اختیار کیا۔

آج لوگوں کا حال یہ ہے کہ اسلام کی جو بات آسان ہے اسے تو بڑی خوشی کے ساتھ قبول کرتے ہیں، مگر جہاں کفر اور اسلام کا اصلی مقابلہ ہوتا ہے وہیں سے رُخ بدل دیتے ہیں۔ بڑے بڑے مدعی اسلام لوگوں میں بھی یہ کمزوری موجود ہے۔ وہ اسلام اسلام بہت پکاریں گے، اس کی تعریف کرتے کرتے ان کی زبان خشک ہو جائے گی، اس کے لیے کچھ نمائشی کام بھی کر دیں گے، مگر ان سے کہیے کہ یہ اسلام جس کی آپ اس قدر تعریفیں فرما رہے ہیں، آئیے ذرا اس کے قانون کو ہم آپ خود اپنے اوپر جاری کریں، تو وہ فوراً کہیں گے کہ اس میں فلاں مشکل ہے اور فلاں دقت ہے، اور فی الحال تو اس کو بس رہنے ہی دیجیے۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام ایک خوبصورت کھلونا ہے، اس کو بس طاق پر رکھیے اور دور سے بیٹھ کر اس کی تعریفیں کیے جائیے، مگر اسے خود اپنی ذات پر اور اپنے گھر والوں اور عزیزوں پر اور اپنے کاروبار اور معاملات پر ایک قانون کی حیثیت سے جاری کرنے کا نام تک نہ لیجیے۔ یہ ہمارے آج کل کے دینداروں کا حال ہے۔ اب دنیا داروں کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ نہ اب نمازوں میں وہ اثر ہے جو کبھی تھا، نہ روزوں میں ہے، نہ قرآن خوانی میں اور نہ شریعت کی ظاہری پابندیوں میں۔ اس لیے کہ جب روح ہی موجود نہیں تو نرا بے جان جسم کیا کرامت دکھائے گا؟

خدا کی اطاعت کس لیے؟

برادران اسلام! پچھلے خطبوں میں آپ کے سامنے بار بار ایک ہی بات بیان کر رہا ہوں کہ "اسلام" اللہ اور رسول کی اطاعت کا نام ہے، اور آدمی "مسلمان" بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشات کی، رسم و رواج کی، دنیا کے لوگوں کی، غرض ہر ایک کی اطاعت چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ کرے۔

آج میں آپ کے سامنے یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ اور رسول کی اطاعت پر اس قدر زور آخر کیوں دیا جاتا ہے۔ ایک شخص پوچھ سکتا ہے کہ کیا خدا ہماری اطاعت کا بھوکا ہے، نعوذ باللہ، کہ وہ ہم سے اس طرح اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے؟ کیا نعوذ باللہ، خدا بھی دنیا کے حاکموں کی طرح اپنی حکومت چلانے کی ہوس رکھتا ہے کہ جیسے دنیا کے حاکم کہتے ہیں کہ ہماری اطاعت کرو اسی طرح خدا بھی کہتا ہے کہ میری اطاعت کرو؟ آج میں اسی کا جواب دینا چاہتا ہوں۔

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو انسان سے اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے وہ انسان ہی کی فلاح و بہتری کے لیے کرتا ہے۔ وہ دنیا کے حاکموں کی طرح نہیں ہے۔ دنیا کے حاکم اپنے فائدے کے لیے لوگوں کو اپنی مرضی کا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ مگر اللہ تمام فائدوں سے بے نیاز ہے۔ اس کو آپ سے ٹیکس لینے کی حاجت نہیں ہے۔ اسے کوٹھیاں بنانے اور موٹریں خریدنے اور آپ کی کمائی سے اپنے عیش کے سامان جمع کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ وہ پاک ہے کسی کا محتاج نہیں۔ دنیا میں سب کچھ اسی کا ہے، اور سارے خزانوں کا وہی مالک ہے۔ وہ آپ سے صرف اس لیے اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے کہ اسے آپ ہی کی بھلائی منظور ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ جس مخلوق کو اس نے اشرف المخلوقات بنایا ہے وہ شیطان کی غلام بن کر رہے، یا کسی انسان کی غلام ہو، یا ذلیل ہستیوں کے سامنے سر

بھٹکتے۔ وہ نہیں چاہتا کہ جس مخلوق کو اس نے زمین پر اپنی خلافت دی ہے وہ جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتی پھرے، اور جانوروں کی طرح اپنی خواہشات کی بندگی کر کے اسفل السافلین میں جا گرے۔ اس لیے وہ فرماتا ہے کہ تم ہماری اطاعت کرو، ہم نے اپنے رسول کے ذریعہ سے جو روشنی بھیجی ہے اس کو لے کر چلو، پھر تم کو سیدھا راستہ مل جائے گا، اور تم اس راستہ پر چل کر دنیا میں بھی عزت اور آخرت میں بھی عزت حاصل کر سکو گے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔــهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۔ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہماری طرف سے سیدھا ہدایت کا راستہ، جہالت کے ٹیڑھے راستوں سے الگ کر کے صاف صاف دکھا دیا گیا ہے۔ اب تم میں سے جو کوئی جھوٹے خداؤں اور گمراہ کرنے والے آقاؤں کو چھوڑ کر ایک اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایسی مضبوط رسی تھام لی جو ٹوٹنے والی نہیں ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ جو لوگ ایمان لائیں ان کا نگہبان اللہ ہے۔ وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو لوگ کفر کا طریقہ اختیار کریں ان کے نگہبان ان کے جھوٹے خدا اور گمراہ کرنے والے آقا ہیں۔ وہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیریوں میں لے جاتے ہیں، اور وہ دوزخ میں جانے والے ہیں جہاں ہمیشہ رہیں گے۔

اب دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی اطاعت سے آدمی اندھیرے میں کیوں چلا جاتا ہے اور اس کی کیا وجہ ہے کہ روشنی صرف اللہ ہی کی اطاعت سے مل سکتی ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں آپ کی زندگی بے شمار تعلقات سے جکڑی ہوئی ہے۔ سب سے پہلا تعلق تو آپ کا اپنے جسم کے ساتھ ہے۔ یہ ہاتھ، یہ پاؤں، یہ آنکھیں، یہ کان، یہ زبان، یہ دل و دماغ، یہ پیٹ، سب آپ کی خدمت کے لیے اللہ نے آپ کو دیے ہیں۔ آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان سے کس طرح خدمت لیں۔

پیٹ کو کیا کھلائیں اور کیا نہ کھلائیں؟ ہاتھوں سے کیا کام لیں اور کیا نہ لیں؟ پاؤں کو کس راستے پر چلائیں، اور کس راستے پر نہ چلائیں؟ آنکھ اور کان سے کس قسم کے کام لیں اور کس قسم کے نہ لیں؟ زبان کو کن باتوں کے لیے استعمال کریں؟ دل میں کیسے خیالات رکھیں؟ دماغ سے کیسی باتیں سوچیں؟ ان سب خادموں سے آپ اچھے کام بھی لے سکتے ہیں اور برے بھی۔ یہ آپ کو بلند درجے کا انسان بھی بنا سکتے ہیں اور جانوروں سے بھی بدتر درجے میں پہنچا سکتے ہیں۔

پھر آپ کے تعلقات اپنے گھر کے لوگوں سے بھی ہیں۔ باپ، ماں، بہن، بھائی، بیوی، اولاد اور دوسرے رشتہ دار ہیں جن سے آپ کا رات دن کا تعلق ہے۔ یہاں آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان سے آپ کس طرح برتاؤ کریں۔ ان پر آپ کے کیا حق ہیں اور آپ پر ان کے کیا حق ہیں۔ ان کے ساتھ ٹھیک ٹھیک برتاؤ کرنے ہی پر دنیا اور آخرت میں آپ کی راحت، خوشی اور کامیابی کا انحصار ہے۔ اگر آپ غلط برتاؤ کریں گے تو دنیا کو اپنے لیے جہنم بنا لیں گے، اور دنیا ہی میں نہیں بلکہ آخرت میں خدا کے سامنے بھی سخت جواب دہی آپ کو کرنی ہوگی۔

پھر آپ کے تعلقات دنیا کے بے شمار لوگوں سے ہیں۔ کچھ لوگ آپ کے ہمسایہ ہیں۔ کچھ آپ کے دوست ہیں۔ کچھ آپ کے دشمن ہیں۔ بہت سے وہ لوگ بھی ہیں جو آپ کی خدمت کرتے ہیں۔ اور بہت سے وہ لوگ بھی جن کی آپ خدمت کرتے ہیں۔ کسی سے آپ کو کچھ لینا ہے اور کسی کو کچھ دینا۔ کوئی آپ پر بھروسہ کرکے اپنے کام آپ کے سپرد کرتا ہے کسی پر آپ خود بھروسہ کرکے اپنے کام اس کے سپرد کرتے ہیں۔ کوئی آپ کا حاکم ہے اور کسی کے آپ حاکم ہیں۔ غرض اتنے آدمیوں کے ساتھ آپ کو رات دن کسی نہ کسی قسم کا معاملہ پیش آتا ہے جن کا آپ شمار نہیں کرسکتے۔ دنیا میں آپ کی مسرت، آپ کی کامیابی، آپ کی عزت اور نیک نامی کا سارا انحصار اس پر ہے کہ یہ سارے تعلقات جو میں نے آپ کے سامنے بیان کیے ہیں صحیح اور درست ہوں۔ اسی طرح آخرت میں خدا کے ہاں بھی آپ صرف اسی وقت سرخرو ہوسکتے ہیں کہ جب اپنے مالک کے سامنے آپ حاضر ہوں تو اس حال میں نہ جائیں کہ کسی کا حق آپ نے مار رکھا ہو، کسی پر ظلم کیا ہو، کوئی آپ کے خلاف وہاں نالش کرے۔ کسی کی زندگی خراب کرنے کا وبال

آپ کے سر پر ہو کسی کی عزت یا جان یا مال کو آپ نے ناجائز طریقے پر نقصان پہنچایا ہو۔ لہذا آپ کو یہ فیصلہ کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ ان بے شمار تعلقات کو درست کس طرح رکھا جائے، اور ان کو خراب کرنے والے طریقے کون سے ہیں جن سے پرہیز کیا جائے۔

اب آپ غور کیجیے کہ اپنے جسم سے، اپنے گھر والوں سے اور دوسرے تمام لوگوں سے صحیح تعلق رکھنے کے لیے آپ کو ہر ہر قدم پر علم کی روشنی درکار ہے۔ قدم قدم پر آپ کو یہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا، حق کیا ہے اور باطل کیا۔ انصاف کیا ہے اور ظلم کیا۔ کس کا حق آپ پر کتنا ہے اور کس پر آپ کا حق کتنا ہے۔ کس چیز میں حقیقی فائدہ ہے اور کس چیز میں حقیقی نقصان ہے۔ یہ علم اگر آپ خود اپنے نفس کے پاس تلاش کریں گے تو وہاں یہ نہ ملے گا۔ اس لیے کہ نفس تو خود جاہل ہے۔ اس کے پاس خواہشات کے سوا دھرا کیا ہے؟ وہ تو کہے گا کہ شراب پیو، زنا کرو، حرام کھاؤ کیونکہ اس میں بڑا مزا ہے۔ وہ تو کہے گا کہ سب کا حق مار کھاؤ اور کسی کا حق ادا نہ کرو کیونکہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے، لے لیا سب کچھ اور دیا کچھ نہیں۔ وہ تو کہے گا کہ سب سے اپنا مطلب نکالو اور کسی کے کچھ کام نہ آؤ کیونکہ اس میں نفع بھی ہے اور آسائش بھی۔ ایسے جاہل کے ہاتھ میں جب آپ اپنے آپ کو دیں گے تو وہ آپ کو نیچے کی طرف لے جائے گا یہاں تک کہ آپ انتہا درجہ کے خود غرض، بدنفس، اور بدکار ہو جائیں گے، اور آپ کی دنیا اور دین دونوں چیزیں خراب ہو جائیں گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ اپنے نفس کے بجائے اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں پر بھروسہ کریں اور اپنی باگ ان کے ہاتھ میں دے دیں کہ جدھر وہ چاہیں ادھر لے جائیں۔ اس صورت میں یہ خطرہ ہے کہ ایک خود غرض آدمی آپ کو خود اپنی خواہش کا غلام نہ بنا لے۔ یا ایک جاہل آدمی خود بھی گمراہ ہو اور آپ کو بھی گمراہ کر دے۔ یا ایک ظالم آپ کو اپنا ہتھیار بنائے اور دوسروں پر ظلم کرنے کے لیے آپ سے کام لے۔ غرض یہاں بھی آپ کو علم کی وہ روشنی نہیں مل سکتی جو آپ کو صحیح اور غلط کی تمیز بتا سکتی ہو اور دنیا کی اس زندگی میں ٹھیک راستے پر چلا سکے۔

اس کے بعد صرف ایک خدائے پاک کی وہ ذات رہ جاتی ہے جہاں سے یہ روشنی آپ کو مل سکتی ہے۔ خدا علیم اور بصیر ہے۔ وہ ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے۔ وہی ٹھیک ٹھیک بتا سکتا ہے کہ آپ کا حقیقی نفع کس چیز میں ہے اور حقیقی نقصان کس چیز میں۔ آپ کے لیے کونسا کام حقیقت میں صحیح ہے اور کونسا غلط۔ پھر خداوند تعالیٰ بے نیاز بھی ہے۔ اس کی اپنی کوئی غرض ہے ہی نہیں۔ اسے اس کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ معاذ اللہ آپ کو دھوکا دے کر کچھ نفع حاصل کرے۔ اس لیے وہ پاک بے نیاز مالک جو کچھ بھی ہدایت دے گا بے غرض دے گا اور صرف آپ کے فائدے کے لیے دے گا۔ پھر خداوند تعالیٰ عادل بھی ہے۔ ظلم کا اس کی ذاتِ پاک میں شائبہ بھی نہیں ہے۔ اس لیے وہ سراسر حق کی بنا پر حکم دے گا۔ اس کے حکم پر چلنے میں اس بات کا کوئی خطرہ نہیں ہے کہ آپ خود اپنے اوپر، یا دوسرے لوگوں پر کسی قسم کا ظلم کر جائیں۔

یہ روشنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے، اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ آپ اللہ پر اور اس کے رسول پر جس کے واسطہ سے یہ روشنی آرہی ہے، سچے دل سے ایمان لائیں یعنی آپ کو پورا یقین ہو کہ خدا کی طرف سے اس کے رسول پاک نے جو کچھ ہدایت دی ہے وہ بالکل برحق ہے، خواہ اس کی مصلحت آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ دوسرے یہ کہ ایمان لانے کے بعد آپ اس کی اطاعت کریں۔ اس لیے کہ اطاعت کے بغیر کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ فرض کیجیے کہ ایک شخص آپ سے کہتا ہے کہ فلاں چیز زہر ہے، مار ڈالنے والی چیز ہے، اُسے نہ کھاؤ۔ آپ کہتے ہیں کہ بے شک تم نے سچ کہا۔ یہ زہر ہی ہے، مار ڈالنے والی چیز ہے۔ مگر یہ جاننے اور ماننے کے باوجود آپ اُس چیز کو کھا جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو نہ جانتے ہوئے کھانے کا ہوتا۔ ایسے جاننے اور ماننے سے کیا حاصل؟ اصلی فائدہ تو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب ایمان لانے کے ساتھ اطاعت بھی کریں۔ جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس پر فقط زبان ہی سے آمنا وصدقنا نہ کہیں بلکہ اس پر عمل بھی کریں۔ اور جس بات سے روکا گیا ہے، اس سے پرہیز کرنے کا زبانی اقرار ہی نہ کریں، بلکہ اپنے اعمال میں اس سے پرہیز کریں۔ اسی لیے حق تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ میری اطاعت کرو اور میرے رسول کی۔ وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا۔ اگر میرے رسول

کی اطاعت کرو گے تب ہی تم کو ہدایت ملے گی فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ ، وہ لوگ جو خدا اور رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ کسی آفت میں نہ پڑ جائیں۔

برادرانِ اسلام! یہ جو بار بار میں آپ سے کہتا ہوں کہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی چاہیے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو کسی آدمی کی بات ماننی ہی نہیں چاہیے۔ نہیں، دراصل اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ آنکھیں بند کر کے کسی کے پیچھے نہ چلیں، بلکہ ہمیشہ یہ دیکھتے رہیں کہ جو شخص آپ سے کسی کام کو کہتا ہے وہ خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ہے یا اس کے خلاف۔ اگر مطابق کہتا ہے تو اس کی بات ضرور ماننی چاہیے، کیونکہ اس صورت میں آپ اس کی اطاعت نہیں کرتے بلکہ یہ تو دراصل اللہ اور اس کے رسول ہی کی اطاعت ہے۔ اور اگر وہ حکم خدا اور رسول کے خلاف کہتا ہے تو اس کی بات ہرگز نہ ماننی چاہیے، خواہ وہ کوئی ہو، کیونکہ آپ کے لیے سوائے خدا اور رسول کے کسی کے حکم کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

یہ بات آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود تو آپ کے سامنے آکر حکم دینے سے رہا! اس کو جو کچھ احکام دینے تھے وہ اس نے اپنے رسول کے ذریعے سے بھیج دیے۔ اب رہے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، تو آپ بھی ساڑھے تیرہ سو برس پہلے دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں۔ آپ کے ذریعے جو احکام خدا نے دیے تھے وہ قرآن اور حدیث میں ہیں۔ لیکن قرآن اور حدیث خود بھی چلنے پھرنے اور حکم دینے والی چیزیں نہیں ہیں کہ آپ کے سامنے آئیں اور آپ کو کسی بات کا حکم دیں اور کسی بات سے روکیں۔ قرآن اور حدیث کے احکام کے مطابق آپ کو چلانے والے بہرحال انسان ہی ہوں گے۔ اس لیے انسانوں کی اطاعت کے بغیر تو چارہ نہیں۔ البتہ ضرورت جس بات کی ہے وہ یہ ہے کہ آپ انسانوں کے پیچھے آنکھیں بند کر کے نہ چلیں بلکہ جیسا کہ میں نے ابھی آپ سے کہا ہے دیکھتے رہیں کہ وہ قرآن و حدیث کے مطابق چلا رہے ہیں یا نہیں۔ اگر قرآن و حدیث کے مطابق چلائیں تو ان کی اطاعت سب پر فرض ہے۔ اور اگر اس کے خلاف چلائیں تو ان کی اطاعت حرام ہے۔

دین اور شریعت

برادرانِ اسلام! مذہب کی باتوں میں آپ اکثر دو لفظ سنا کرتے ہیں، اور بولتے بھی ہیں ایک دین، دوسرے شریعت۔ لیکن آپ میں سے بہت کم آدمی ہیں جن کو یہ معلوم ہوگا کہ دین کے کیا معنی ہیں اور شریعت کا کیا مطلب ہے۔ بے پڑھے لکھے تو خیر مجبور ہیں۔ اچھے خاصے تعلیم یافتہ آدمی بلکہ بہت سے مولوی بھی یہ نہیں جانتے کہ ان دونوں لفظوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب کیا ہے، اور ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ اس ناواقفیت کی وجہ سے اکثر دین کو شریعت سے اور شریعت کو دین سے گڈمڈ کر دیا جاتا ہے اور اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ آج میں بہت سادہ الفاظ میں آپ کو ان کا مطلب سمجھاتا ہوں۔

دین کے کئی معنی ہیں۔ ایک معنی عزت، حکومت، سلطنت، بادشاہی اور فرماں روائی کے ہیں۔ دوسرے معنی اس کے بالکل برعکس ہیں۔ یعنی ذلت، اطاعت، غلامی، تابعداری اور بندگی۔ تیسرے معنی حساب کرنے اور فیصلہ کرنے اور اعمال کی جزا و سزا دینے کے ہیں۔ قرآن شریف میں لفظ دین انھی تین معنوں میں آیا ہے۔ فرمایا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

یعنی خدا کے نزدیک دین بس وہی ہے جس میں انسان صرف اللہ کو عزت والا مانے، اور اس کے سوا کسی کے آگے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔ صرف اللہ کو آقا اور مالک اور سلطان سمجھے اور اس کے سوا کسی کا غلام اور تابعدار بن کر نہ رہے۔ صرف اللہ کو حساب کرنے اور جزا و سزا دینے والا سمجھے اور اس کے سوا کسی کے حساب سے نہ ڈرے، کسی کی جزا کا لالچ نہ کرے اور کسی کی سزا کا خوف نہ کھائے۔ اسی دین کا نام اسلام ہے۔ اگر اس کو چھوڑ کر تم نے کسی اور کو اصلی عزت والا، اصلی حاکم، اصلی بادشاہ اور مالک، اصلی جزا و سزا دینے والا سمجھا اور اس کے سامنے ذلت سے سر جھکایا، اس کی بندگی اور غلامی کی، اس کا حکم مانا، اور اس کی جزا کا لالچ اور سزا کا خوف کھایا، تو یہ جھوٹا دین ہوگا۔

ایسے دین کو ہرگز قبول نہیں کرتا کیونکہ یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ خدا کے سوا کوئی دوسری ہستی اس تمام کائنات میں اصلی عزت والی نہیں ہے، نہ کسی اور کی سلطنت اور بادشاہی ہے، نہ اور کی غلامی اور بندگی کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے، نہ اس مالکِ حقیقی کے سوا کوئی اور جزا و سزا دینے والا ہے۔ یہی بات دوسری آیتوں میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے:-

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ۔

یعنی جو شخص خدا کی سلطانی اور بادشاہی کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا مالک اور حاکم مانے گا اور اس کی بندگی اور غلامی اختیار کرے گا، اور اس کو جزا و سزا دینے والا سمجھے گا، اس کے دین کو خدا ہرگز قبول کرنے والا نہیں ہے اس لیے کہ:-

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ۔

انسانوں کو تو خدا نے اپنا بندہ بنایا ہے اور اپنے سوا کسی اور کی بندگی کا حکم ہی نہیں دیا ہے۔ ان کا تو فرض یہ ہے کہ سب طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ کے لیے اپنے دین یعنی اپنی اطاعت اور غلامی کو مخصوص کریں، اور یکسو ہو کر صرف اسی کی بندگی کریں اور صرف اسی کے حساب سے ڈریں۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۔

کیا انسان خدا کے سوا کسی اور کی غلامی اور فرماں برداری کرنا چاہتا ہے؟ حالانکہ زمین اور آسمان کی ساری چیزیں صرف خدا کی غلام اور فرماں بردار ہیں، اور ان ساری چیزوں کو اپنے حساب کتاب کے لیے خدا کے سوا کسی اور کی طرف نہیں جانا ہے۔ کیا انسان زمین اور آسمان کی ساری کائنات کے خلاف ایک نرالا راستہ اپنے لیے نکالنا چاہتا ہے؟

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

اللہ نے اپنے رسول کو سچے دین کا علم دے کر اسی لیے بھیجا ہے کہ وہ سارے جھوٹے خداؤں کی خدائی ختم کر دے اور انسان کو ایسا آزاد کرے کہ وہ خداوند عالم کے سوا کسی کا بندہ بن کر نہ رہے، چاہے کفار و مشرکین اس پر اپنی جہالت سے کتنی ہی واویلا مچائیں، اور کتنی ہی ناک بھوں چڑھائیں۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔

اور تم جنگ کرو اس لیے کہ دنیا سے غیر اللہ کی فرماں روائی کا فتنہ مٹ جائے، اور دنیا میں بس خدا ہی کا قانون چلے، خدا ہی کی بادشاہی تسلیم کی جائے، اور انسان صرف اسی کی بندگی کرے۔

اس تشریح سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ دین کے کیا معنی ہیں:-

خدا کو آقا اور مالک اور حاکم ماننا،

خدا ہی کی غلامی، بندگی اور تابعداری کرنا،

اور خدا کے حساب سے ڈرنا، اس کی سزا کا خوف کھانا، اور اسی کی جزا کا لالچ کرنا۔

پھر چونکہ خدا کا حکم انسانوں کو اس کی کتاب اور اس کے رسول کے ذریعہ ہی سے پہنچتا ہے اس لیے رسول کو خدا کا رسول اور کتاب کو خدا کی کتاب ماننا اور اس کی اطاعت کرنا بھی دین ہی میں داخل ہے، جیسا کہ فرمایا:-

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

یعنی اے بنی آدم جب میرے رسول تمہارے پاس میرے احکام لے کر آئیں تو جو شخص تم میں سے ان احکام کو مان کر پرہیزگاری اختیار کرے گا اور ان کے مطابق اپنا عمل درست کرے گا، اس کے لیے ڈر اور رنج کی کوئی بات نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ براہ راست ہر انسان کے پاس اپنے احکام نہیں بھیجتا بلکہ اپنے رسولوں کے واسطے سے بھیجتا ہے، اس لیے جو شخص اللہ کو حاکم مانتا ہو، وہ اس کی فرماں برداری صرف اسی طرح کر سکتا ہے کہ اس کے رسول کی فرماں برداری کرے، اور رسول کے ذریعہ سے جو احکام آئیں ان کی اطاعت کرے۔ اسی کا نام دین ہے۔

اب میں آپ کو بتاؤں گا کہ شریعت کسے کہتے ہیں۔ شریعت کے معنی طریقے اور راستے کے ہیں۔ جب تم نے خدا کو حاکم مان لیا اور اس کی بندگی قبول کر لی اور یہ تسلیم کر لیا کہ رسول اسی کی طرف سے حاکم مجاز ہے، اور کتاب اسی کی طرف سے ہے، تو تم دین میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد تم کو جس طریقے سے خدا کی بندگی کرنی ہے اور اس کی فرماں برداری میں جس راستہ پر چلنا ہے، اس کا نام شریعت ہے۔ یہ طریقہ اور راستہ بھی خدا اپنے رسول ہی کے ذریعہ سے بتاتا ہے۔ وہی سکھاتا ہے کہ اپنے مالک کی عبادت اس طرح کرو، طہارت اور پاکیزگی کا یہ طریقہ ہے، نیکی اور تقویٰ کا یہ راستہ ہے، حقوق اس طرح ادا کرنے چاہییں، معاملات یوں انجام دینے چاہییں، اور زندگی اس طرح بسر کرنی چاہیے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ دین ہمیشہ سے ایک تھا، ایک ہی رہا، اور اب بھی ایک ہی ہے، مگر شریعتیں بہت سی آئیں، بہت سی منسوخ ہوئیں، بہت سی بدلی گئیں، اور کبھی ان کے بدلنے سے دین نہیں بدلا۔ حضرت نوح کا دین بھی وہی تھا جو حضرت ابراہیم کا تھا، حضرت موسیٰ کا تھا، حضرت شعیب اور حضرت صالح اور حضرت ہود کا تھا، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ مگر شریعتیں ان سب کی کچھ نہ کچھ مختلف رہی ہیں۔ نماز اور روزے کے طریقے کسی میں کچھ تھے اور کسی میں کچھ۔ حرام اور حلال کے احکام، طہارت کے قاعدے، نکاح اور طلاق اور وراثت کے قانون ہر شریعت میں دوسری شریعت سے کچھ نہ کچھ مختلف رہے ہیں۔ ان کے باوجود سب مسلمان تھے۔ حضرت نوح کے پیرو بھی، حضرت ابراہیم کے پیرو بھی، حضرت موسیٰ کے پیرو بھی، اور ہم بھی۔ اس لیے کہ دین سب کا ایک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام میں فرق ہونے سے دین میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دین ایک ہی رہتا ہے، چاہے اس پر عمل کرنے کے طریقے مختلف ہوں۔

اس فرق کو یوں سمجھو کہ ایک آقا کے بہت سے نوکر ہیں۔ جو شخص اس کو آقا ہی نہیں مانتا اور اس کے حکم کو اپنے لیے واجب التعمیل ہی نہیں سمجھتا، وہ تو نافرمان ہے اور نوکری کے دائرے ہی سے خارج ہے۔ اور جو لوگ اس کو آقا تسلیم کرتے ہیں، اس کے حکم کو ماننا اپنا فرض جانتے ہیں، اور اس کی نافرمانی سے ڈرتے ہیں وہ سب نوکروں کے زمرے میں داخل ہیں۔ نوکری بجا لانے اور خدمت کرنے کے طریقے مختلف ہوں تو اس سے ان کے

نوکر ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر آقا نے کسی کو نوکری کا ایک طریقہ بتایا ہے اور دوسرے کو دوسرا طریقہ تو ایک نوکر کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ میں نوکر ہوں اور وہ نوکر نہیں ہے۔ اسی طرح اگر آقا کا حکم سُن کر ایک نوکر اس کا منشا کچھ سمجھتا ہے، اور دوسرا کچھ اور، دونوں اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں، تو نوکری میں دونوں برابر ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک نے مطلب سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ اور دوسرے نے صحیح مطلب سمجھا ہو لیکن حسبِ طاعت دونوں نے کی ہے تو ایک کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ تو نافرمان ہے، یا تجھے آقا کی نوکری ہی سے خارج کر دیا گیا۔

اس مثال سے آپ دین اور شریعت کے فرق کو بڑی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تعالیٰ مختلف رسولوں کے ذریعہ سے مختلف شریعتیں بھیجتا رہا۔ کسی کو نوکری کا ایک طریقہ بتایا اور کسی کو دوسرا طریقہ۔ ان سب طریقوں کے مطابق جن جن لوگوں نے مالک کی اطاعت کی وہ سب مسلمان تھے، اگرچہ ان کی نوکری کے طریقے مختلف تھے۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آقا نے حکم دیا کہ اب پچھلے طریقوں کو ہم منسوخ کرتے ہیں۔ آئندہ سے جس کو ہماری نوکری کرنی ہو وہ اس طریقے پر نوکری کرے جو اب ہم اپنے آخری وائسرائے کے ذریعہ سے بتاتے ہیں۔ اس کے بعد کسی نوکر کو پچھلے طریقوں پر نوکری کرنے کا حق باقی نہیں رہا، کیونکہ اب اگر وہ نئے طریقے کو نہیں مانتا اور پرانے طریقوں پر چل رہا ہے تو وہ دراصل آقا کا حکم نہیں مانتا بلکہ اپنے دل کا کہا مان رہا ہے اس لیے وہ نوکری سے خارج ہے، یعنی مذہب کی زبان میں کافر ہو گیا ہے۔

یہ تو پچھلے انبیاء کے ماننے والوں کے لیے ہے۔ رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو، تو ان پر اس مثال کا دوسرا حصہ صادق آتا ہے۔ اللہ نے جو شریعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہم کو بھیجی ہے، اس کو خدا کی شریعت ماننے والے، اور واجب التعمیل سمجھنے والے سب کے سب مسلمان ہیں۔ اب اگر اس شریعت کے احکام کو ایک شخص کسی طرح سمجھتا ہے اور دوسرا کسی اور طرح، اور دونوں اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس پر عمل کرتے ہیں، تو چاہے ان کے عمل میں کتنا ہی فرق ہو، ان میں سے کوئی بھی نوکری سے خارج نہ ہوگا، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک جس طریقہ پر چل رہا ہے، یہی سمجھ کر

تو چل رہا ہے کہ یہ آقا کا حکم ہے۔ پھر ایک نوکر کو یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ میں تو نوکر ہوں اور فلاں شخص نوکر نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ بس وہ یہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے آقا کے حکم کا صحیح مطلب سمجھا، اور اس نے صحیح نہیں سمجھا، مگر وہ اس کو نوکری سے خارج کر دینے کا ہرگز مجاز نہیں ہے۔ جو شخص ایسی جرأت کرتا ہے وہ گویا خود آقا کا منصب اختیار کرتا ہے۔ وہ گویا یہ کہتا ہے کہ تو جس طرح آقا کے حکم کو ماننے پر مجبور ہے اسی طرح میری سمجھ کو بھی ماننے پر مجبور ہے۔ اگر تو میری سمجھ کو نہ مانے گا تو میں اپنے اختیار سے تجھ کو آقا کی نوکری سے خارج کر دوں گا۔ غور کرو یہ کتنی بڑی بات ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص کسی مسلمان کو ناحق کافر کہے گا اُس کا قول خود اسی پر پلٹ جائے گا"۔ کیونکہ مسلمان کو تو خدا نے اپنے حکم کا غلام بنایا ہے اور یہ شخص کہتا ہے کہ نہیں، تم میری سمجھ اور میری رائے کی بھی غلامی کرو، یعنی صرف خدا ہی تمہارا خدا نہیں ہے بلکہ میں بھی چھوٹا سا خدا ہوں، اور میرا حکم نہ مانو گے تو میں اپنے اختیار سے تم کو خدا کی بندگی سے خارج کر دوں گا چاہے خدا خارج کرے یا نہ کرے۔ ایسی بڑی بات جو شخص کہتا ہے اس کے کہنے سے چاہے دوسرا مسلمان کافر ہو یا نہ ہو، مگر وہ خود تو اپنے آپ کو کفر کے خطرے میں ڈال ہی دیتا ہے۔

حاضرین! آپ نے دین اور شریعت کا فرق اچھی طرح سمجھ لیا ہو گا۔ اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو گیا کہ بندگی کے طریقوں میں اختلاف ہو جانے سے دین میں اختلاف نہیں ہوتا بشرطیکہ آدمی جس طریقہ پر عمل کرے نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھ کر عمل کرے کہ خدا اور اس کے رسول نے وہی طریقہ بتایا ہے جس پر وہ عامل ہے۔

اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ دین اور شریعت کے اس فرق کو نہ سمجھنے سے آپ کی جماعت میں کتنی خرابیاں واقع ہو رہی ہیں۔

مسلمانوں میں نماز پڑھنے کے مختلف طریقے ہیں، ایک شخص سینے پر ہاتھ باندھتا ہے۔ دوسرا ناف پر باندھتا ہے۔ ایک شخص امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتا ہے۔ دوسرا نہیں پڑھتا۔ ایک شخص آمین زور سے کہتا ہے، دوسرا آہستہ کہتا ہے۔ ان میں سے ہر شخص جس طریقہ پر چل رہا ہے یہی سمجھ کر چل رہا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ اس لیے نماز کی صورتیں مختلف ہونے کے باوجود دونوں حضور ہی کے پیرو ہیں۔ مگر جن ظالموں نے شریعت کے ان مسائل کو دین سمجھ رکھا ہے انھوں نے محض انہی طریقوں کے اختلاف کو دین کا اختلاف سمجھ لیا، اپنی جماعتیں الگ کرلیں، اپنی مسجدیں الگ کرلیں۔ ایک نے دوسرے کو گالیاں دیں، مسجدوں سے مار مار کر نکال دیا۔ مقدمے بازیاں کیں اور رسول اللہ کی امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

اس سے بھی لڑنے اور لڑانے والوں کے دل ٹھنڈے نہ ہوئے تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک نے دوسرے کو کافر اور فاسق اور گمراہ کہنا شروع کر دیا۔ ایک شخص قرآن سے یا حدیث سے ایک بات اپنی سمجھ کے مطابق نکالتا ہے، تو وہ اس بات کو کافی نہیں سمجھتا کہ جو کچھ اس نے سمجھا ہے اس پر عمل کرے، بلکہ یہ بھی ضروری سمجھتا ہے کہ دوسروں سے بھی اپنی سمجھ زبردستی تسلیم کرائے، اور اگر وہ اسے تسلیم نہ کریں تو ان کو خدا کے دین سے خارج کر دے۔

آپ مسلمانوں میں حنفی، شافعی، اہل حدیث وغیرہ جو مختلف مذہب دیکھ رہے ہیں یہ سب قرآن و حدیث کو آخری سند مانتے ہیں اور اپنی اپنی سمجھ کے مطابق وہیں سے احکام نکالتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کی سمجھ صحیح ہو اور دوسرے کی سمجھ غلط ہو۔ میں بھی ایک طریقہ کا پیرو ہوں، اور اس کو صحیح سمجھتا ہوں، اور اس کے خلاف جو لوگ ہیں ان سے بحث بھی کرتا ہوں تاکہ جو بات میرے نزدیک صحیح ہے وہ ان کو سمجھاؤں اور جس بات کو میں غلط سمجھتا ہوں اسے غلط ثابت کر دوں لیکن کسی شخص کی سمجھ کا غلط ہونا اور بات ہے اور اس کا دین سے خارج ہونا دوسری بات۔ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق شریعت پر عمل کرنے کا ہر مسلمان کو حق ہے۔ اگر دس مسلمان دس مختلف طریقوں پر عمل کریں تو جب تک وہ شریعت کو مانتے ہیں، وہ سب مسلمان ہی ہیں، ایک ہی امت ہیں، ان کی جماعتیں الگ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ مگر جو لوگ اس چیز کو نہیں سمجھتے وہ انہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر فرقے بناتے ہیں۔ ایک دوسرے سے کٹ جاتے ہیں، اپنی نمازیں اور مسجدیں الگ کر لیتے ہیں، ایک دوسرے سے شادی بیاہ میل جول، اور ربط وضبط بند کر دیتے ہیں اور اپنے اپنے ہم مذہبوں کے

سمجھے اس طرح بنا لیتے ہیں کہ گویا ہر جتھا ایک الگ امت ہے۔

آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس فرقہ بندی سے مسلمانوں کو کتنا نقصان پہنچا ہے۔ کہنے کو مسلمان ایک امت ہیں۔ ہندوستان میں ان کی آٹھ نو کروڑ کی تعداد ہے۔ اتنی بڑی جماعت اگر واقعی ایک ہو اور پورے اتفاق کے ساتھ خدا کا کلمہ بلند کرنے کے لیے کام کرے تو دنیا میں کون اتنا دم رکھتا ہے جو اس کو نیچا دکھا سکے۔ مگر حقیقت میں اس فرقہ بندی کی بدولت اس امت کے سینکڑوں ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ یہ سخت سے سخت مصیبت کے وقت بھی مل کر کھڑے نہیں ہو سکتے۔ ایک فرقے کا مسلمان دوسرے فرقے والوں سے اتنا ہی تعصب رکھتا ہے، جتنا ایک یہودی ایک عیسائی سے رکھتا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ ایسے واقعات دیکھنے میں آئے ہیں کہ ایک فرقے والے نے دوسرے فرقے والے کو نیچا دکھانے کے لیے کفار کا ساتھ دیا ہے۔ ایسی حالت میں اگر آپ مسلمانوں کو ہندوستان میں مغلوب دیکھ رہے ہیں تو تعجب نہ کیجیے یہ ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ از بدرہ عذاب نازل ہوا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:-

أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ۔ یعنی اللہ کے عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ تم کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دے اور تم آپس میں ہی کٹ مرو۔

بھائیو! یہ عذاب جس میں سارے ہندوستان کے مسلمان مبتلا ہیں، اس کے آثار مجھے پنجاب میں سب سے زیادہ نظر آ رہے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کے فرقوں کی لڑائیاں ہندوستان کے ہر خطہ سے زیادہ ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ پنجاب کی آبادی میں کثیر التعداد ہونے کے باوجود آپ کی قوت بے اثر ہے۔ اگر آپ اپنی خیر چاہتے ہیں تو ان جتھوں کو توڑ دیجیے۔ ایک دوسرے کے بھائی بن کر رہیے۔ اور ایک امت بن جائیے۔ خدا کی شریعت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر اہل حدیث، حنفی، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سنی وغیرہ الگ الگ امتیں بن سکیں۔ یہ امتیں جہالت کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اللہ نے صرف ایک امت "مسلمہ" بنائی تھی۔

عبادت

برادران اسلام! پچھلے خطبہ میں میں نے آپ کو دین اور شریعت کا مطلب سمجھایا تھا۔ آج میں آپ کے سامنے ایک اور لفظ کی تشریح کروں گا جسے مسلمان عام طور پر بولتے ہیں، مگر بہت کم آدمی اس کا صحیح مطلب جانتے ہیں۔ یہ "عبادت" کا لفظ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں بیان فرمایا ہے کہ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ یعنی "میں نے جن اور انسان کو اس کے سوا اور کسی غرض کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں"۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیدائش اور آپ کی زندگی کا مقصد اللہ کی عبادت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ عبادت کا مطلب جاننا آپ کے لیے کس قدر ضروری ہے۔ اگر آپ اس کے صحیح معنی کو نا واقف ہوں گے تو گویا اس مقصد ہی کو پورا نہ کر سکیں گے جس کے لیے آپ کو پیدا کیا گیا ہے، اور جو چیز اپنے مقصد کو پورا نہیں کرتی وہ ناکام ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اگر مریض کو اچھا نہ کر سکے تو کہتے ہیں کہ وہ علاج میں ناکام ہوا۔ کسان اگر فصل پیدا نہ کر سکے تو کہتے ہیں کہ وہ زراعت میں ناکام ہوا۔ اسی طرح اگر آپ زندگی کے اصل مقصد یعنی "عبادت" کو پورا نہ کر سکے تو کہنا چاہیے کہ آپ کی ساری زندگی ہی ناکامیاب ہوئی۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ پورے غور کے ساتھ عبادت کا مطلب سنیں اور سمجھیں اور اسے اپنے دل میں جگہ دیں، کیونکہ اسی پر آپ کی زندگی کے کامیاب یا ناکام ہونے کا انحصار ہے۔

عبادت کا لفظ "عبد" سے نکلا ہے۔ عبد کے معنی بندے اور غلام کے ہیں۔ اس لیے عبادت کے معنی بندگی اور غلامی کے ہوئے۔ جو شخص کسی کا بندہ ہو اگر وہ اس کی خدمت میں بندہ بن کر رہے اور اس کے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح آقا کے ساتھ پیش آنا چاہیے تو یہ بندگی اور عبادت ہے۔ اس کے برعکس جو شخص کسی کا بندہ ہو اور

آقا سے تنخواہ بھی پوری پوری وصول کرتا ہو، مگر آقا کے حضور میں بندوں کا سا کام نہ کرے تو اسے نافرمانی اور سرکشی کہا جاتا ہے، بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اسے نمک حرامی کہتے ہیں۔

اب غور کیجیے کہ آقا کے مقابلہ میں بندوں کا سا طریقہ اختیار کرنے کی صورت کیا ہے۔

بندے کا پہلا کام یہ ہے کہ آقا ہی کو اپنا آقا سمجھے اور یہ خیال کرے کہ جو میرا مالک ہے، جو مجھے رزق دیتا ہے، جو میری حفاظت اور نگہبانی کرتا ہے، اسی کی وفاداری مجھ پر فرض ہے، اس کے سوا اور کوئی اس کا مستحق نہیں کہ میں اس کی وفاداری کروں۔

بندے کا دوسرا کام یہ ہے کہ ہر وقت آقا کی اطاعت کرے، اس کے حکم کو بجا لائے، کبھی اس کی خدمت سے منہ نہ موڑے، اور آقا کی مرضی کے خلاف نہ خود اپنے دل سے کوئی بات کرے، نہ کسی دوسرے شخص کی بات مانے۔ غلام ہر وقت ہر حال میں غلام ہے۔ اسے یہ کہنے کا حق ہی نہیں کہ آقا کی فلاں بات مانوں گا اور فلاں بات نہ مانوں گا۔ یا اتنی دیر کے لیے میں آقا کا غلام ہوں، اور باقی وقت میں اس کی غلامی سے آزاد ہوں۔

بندے کا تیسرا کام یہ ہے کہ آقا کا ادب اور اس کی تعظیم کرے۔ جو طریقہ ادب اور تعظیم کرنے کا آقا نے مقرر کیا ہو اس کی پیروی کرے۔ جو وقت سلامی کے لیے حاضر ہونے کا آقا نے مقرر کیا ہو اس وقت ضرور حاضر ہو اور اس بات کا ثبوت دے کہ میں اس کی وفاداری اور اطاعت میں ثابت قدم ہوں۔

بس یہی تین چیزیں ہیں جن سے مل کر عبادت بنتی ہے۔ ایک آقا کی وفاداری۔ دوسرے اطاعت۔ اور تیسرے اس کا ادب اور اس کی تعظیم۔ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ تو اس کا در اصل مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن اور انس کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف اللہ کے وفادار ہوں اس کے خلاف کسی اور کے وفادار نہ ہوں، صرف اللہ کے احکام کی اطاعت کریں، اس کے خلاف کسی اور کا حکم نہ مانیں، اور صرف اس کے آگے ادب و تعظیم سے سر جھکائیں کسی دوسرے کے آگے سر نہ جھکائیں۔ انہی تین چیزوں کو اللہ نے "عبادت" کے جامع لفظ میں بیان کیا ہے۔ یہی مطلب ان تمام آیتوں کا ہے جن میں اللہ

نے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور ہمارے نبی کریمؐ اور آپ سے پہلے جتنے نبی خدا کی طرف سے آئے ہیں ان سب کی تعلیم کا لب لباب یہی ہے کہ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اللہَ ۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو" یعنی صرف ایک بادشاہ ہے جس کی تمہیں وفادار ہونا چاہیے، اور وہ بادشاہ اللہ ہے، صرف ایک قانون ہے جس کی تمہیں پیروی کرنی چاہیئے اور وہ قانون اللہ کا قانون ہے، اور صرف ایک ہی ہستی ایسی ہے جس کی تمہیں پوجا اور پرستش کرنی چاہیئے، اور وہ ہستی اللہ کی ہے۔

عبادت کا یہ مطلب اپنے ذہن میں رکھیے، اور پھر ذرا میرے سوالات کا جواب دیتے جائیے۔

آپ اُس نوکر کے متعلق کیا کہیں گے جو آقا کی مقرر کی ہوئی ڈیوٹی پر جانے کے بجائے ہر وقت بس اُس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہے اور لاکھوں مرتبہ اس کا نام جپتا چلا جائے؟ آقا اس سے کہتا ہے کہ جا کر فلاں فلاں آدمیوں کے حق ادا کر۔ مگر یہ جاتا نہیں بلکہ وہیں کھڑے کھڑے آقا کو جھک جھک کر دس سلام کرتا ہے، اور پھر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ آقا اسے حکم دیتا ہے کہ جا اور فلاں فلاں خرابیوں کو مٹا دے۔ مگر یہ ایک انچ وہاں سے نہیں ہٹتا اور سجدے پر سجدے کیے چلا جاتا ہے۔ آقا حکم دیتا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دے۔ یہ حکم سن کر بس وہیں کھڑے کھڑے نہایت خوش الحانی کے ساتھ "چور کا ہاتھ کاٹ دے"، "چور کا ہاتھ کاٹ دے" بیسیوں مرتبہ پڑھتا رہتا ہے، مگر ایک دفعہ بھی اس نظامِ حکومت کے قیام کی کوشش نہیں کرتا جس میں شرعی حدود جاری ہوں۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شخص حقیقت میں آقا کی بندگی کر رہا ہے؟ اگر آپ کا کوئی ملازم یہ رویہ اختیار کرے تو میں جانتا ہوں کہ آپ اسے کیا کہیں گے۔ مگر حیرت ہے آپ پر کہ خدا کا جو نوکر ایسا کرتا ہے آپ اسے بڑا عبادت گذار کہتے ہیں! یہ ظالم صبح سے شام تک خدا جانے کتنی مرتبہ قرآن شریف میں خدا کے احکام پڑھتا ہے، مگر ان احکام کو بجا لانے کے لیے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کرتا، بلکہ نفل پر نفل پڑھے جاتا ہے، ہزار دانہ تسبیح پر خدا کا نام جپتا ہے اور خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ آپ اس کی یہ حرکتیں دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیسا زاہد و عابد بندہ ہے! یہ غلط فہمی صرف اس وجہ سے ہے

کہ آپ عبادت کا صحیح مطلب نہیں جانتے۔

ایک اور نوکر ہے جو رات دن ڈیوٹی تو غیروں کی انجام دیتا ہے، انہی غیروں کے احکام سنتا اور مانتا ہے، قانون پر غیروں کے عمل کرتا ہے اور اپنے اصلی آقا کے فرمان کی ہر وقت خلاف ورزی کیا کرتا ہے، مگر سلامی کے وقت آقا کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے اور زبان سے آقا ہی کا نام جپتا رہتا ہے۔ اگر آپ میں سے کسی شخص کا نوکر یہ طریقہ اختیار کرے تو آپ کیا کریں گے؟ کیا آپ اس کی سلامی کو اس کے منہ پر نہ ماریں گے؟ جب وہ زبان سے آپ کو آقا اور مالک کہے گا تو کیا آپ فوراً یہ جواب نہ دیں گے کہ تو پرلے درجے کا جھوٹا اور بے ایمان ہے تنخواہ مجھ سے لیتا ہے اور نوکری دوسروں کی کرتا ہے، زبان سے مجھے آقا کہتا ہے، اور حقیقت میں میرے سوا ہر ایک کی خدمت کرتا پھرتا ہے؟ یہ تو ایک موٹی عقل کی بات ہے جسے آپ میں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ مگر کیسی حیرت کی بات ہے کہ جو لوگ رات دن خدا کے قانون کو توڑتے ہیں، کفار و مشرکین کے احکام پر عمل کرتے ہیں، اور اپنی زندگی کے معاملات میں خدا کے احکام کی کوئی پروا نہیں کرتے ان کی نماز اور روزے اور تسبیح اور تلاوتِ قرآن اور حج و زکوٰۃ کو آپ خدا کی عبادت سمجھتے ہیں۔ یہ غلط فہمی بھی اسی وجہ سے ہے کہ آپ عبادت کے اصل مطلب سے ناواقف ہیں۔

ایک اور نوکر کی مثال لیجیے۔ آقا نے اپنے نوکروں کے لیے جو وردی مقرر کی ہے، یہ ٹھیک ناپ تول کے ساتھ اس وردی کو پہنتا ہے، بڑے ادب و تعظیم کے ساتھ آقا کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے، ہر حکم کو سن کر اس طرح جھک کر "بسر و چشم" کہتا ہے کہ گویا اس سے بڑھ کر اطاعت گزار خادم کوئی نہیں۔ سلامی کے وقت سب سے آگے جا کر کھڑا ہوتا ہے اور آقا کا نام جپنے میں تمام نوکروں سے بازی لے جاتا ہے۔ مگر آقا کے دشمنوں اور باغیوں کی خدمت بجا لاتا ہے۔ آقا کے خلاف ان کی سازشوں میں حصہ لیتا ہے۔ اور آقا کے نام کو دنیا سے مٹانے کی جو کوشش بھی وہ کرتے ہیں اس میں یہ کم بخت ان کا ساتھ دیتا ہے۔ رات کے اندھیرے میں تو آقا کے گھر میں نقب لگاتا ہے، اور صبح بڑے وفادار ملازموں کی طرح ہاتھ باندھ کر آقا کی خدمت میں حاضر ہو جاتا

ہے۔ ایسے نوکر کے متعلق آپ کیا کہیں گے ؟ یہی نا کہ وہ منافق ہے، باغی ہے، نمک حرام ہے۔ مگر خدا کے جو نوکر ایسے ہیں ان کو آپ کیا کہا کرتے ہیں ؟ کسی کو پیر صاحب اور کسی کو حضرت مولانا اور کسی کو دیندار، متقی اور عبادت گذار، یہ محض اس لیے کہ آپ ان کے منہ پر پورے ناپ کی ڈاڑھیاں دیکھ کر، اُن کے ٹخنوں سے دو دو انچ اونچے پاجامے دیکھ کر، اُن کی پیشانیوں پر نماز کے گٹے دیکھ کر، اور ان کی لمبی لمبی نمازیں اور موٹی موٹی تسبیحیں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ بڑے دیندار اور عبادت گذار ہیں۔ یہ غلط فہمی بھی اسی وجہ سے ہے کہ آپ نے عبادت اور دینداری کا مطلب ہی غلط سمجھا ہے۔

آپ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر قبلہ رو کھڑے ہونا، گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکنا، زمین پر ہاتھ ٹیک کر سجدہ کرنا، اور چند مقرر الفاظ زبان سے ادا کرنا، بس یہی چند افعال اور حرکات بجائے خود عبادت ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ رمضان کی پہلی تاریخ سے شوال کا چاند نکلنے تک روزانہ صبح سے شام تک بھوکے پیاسے رہنا عبادت ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ مکہ معظمہ جا کر کعبہ کے گرد طواف کرنے کا نام عبادت ہے۔ غرض آپ نے چند افعال کی ظاہری شکلوں کا نام عبادت رکھ چھوڑا ہے، اور جب کوئی شخص ان شکلوں کے ساتھ ان افعال کو پورا کر دیتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ اس نے خدا کی عبادت کر دی اور مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ کا مقصد پورا ہو گیا۔ اب وہ اپنی زندگی میں آزاد ہے کہ جو چاہے کرے۔

لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جس عبادت کے لیے آپ کو پیدا کیا ہے اور جس کا آپ کو حکم دیا ہے وہ کچھ اور ہی چیز ہے۔ وہ عبادت یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی میں ہر وقت ہر حال میں خدا کے قانون کی اطاعت کریں اور ہر اس قانون کو توڑیں جو قانونِ الٰہی کے خلاف ہو۔ آپ کی ہر جنبش اس حد کے اندر ہو جو خدا نے آپ کے لیے مقرر کی ہے۔ آپ کا ہر فعل اس طریقہ کے مطابق ہو جو خدا نے بتا دیا ہے۔ اس طرز پر جو زندگی آپ بسر کریں گے وہ پوری کی پوری عبادت ہو گی۔ ایسی زندگی میں آپ کا سونا بھی عبادت ہے اور جاگنا بھی۔ کھانا بھی عبادت ہے اور پینا بھی، چلنا پھرنا بھی عبادت ہے اور بات کرنا بھی حتیٰ کہ اپنی بیوی کے پاس جانا اور اپنے بچے کو پیار کرنا بھی عبادت ہے۔

جن کاموں کو آپ بالکل دنیاداری کہتے ہیں، وہ سب دینداری اور عبادت ہیں اگر آپ ان کو انجام دینے میں خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں کا لحاظ کریں، اور زندگی میں ہر ہر قدم پر یہ دیکھ کر چلیں کہ خدا کے نزدیک جائز کیا ہے اور ناجائز کیا ہے۔ حلال کیا ہے۔ کس چیز سے خدا خوش ہوتا ہے اور کس چیز سے ناراض ہوتا ہے۔ مثلاً آپ روزی کمانے کے لیے نکلتے ہیں۔ اس کام میں بہت سے مواقع ایسے بھی آتے ہیں جن میں حرام کا مال آسانی سے آپ کو مل سکتا ہے۔ اگر آپ نے خدا سے ڈر کر وہ مال نہ لیا اور صرف حلال کی روٹی کما کر لائے تو یہ جتنا وقت آپ نے روٹی کمانے میں صرف کیا یہ سب عبادت تھا، اور یہ روٹی گھر لا کر جو آپ نے خود کھائی اور اپنے بیوی بچوں اور خدا کے مقرر کیے ہوئے دوسرے حقداروں کو کھلائی، اس سب پر آپ اجر و ثواب کے مستحق ہو گئے۔ آپ نے اگر راستہ چلنے میں کوئی پتھر یا کانٹا ہٹا دیا اس خیال سے کہ خدا کے بندوں کو تکلیف نہ ہو تو یہ بھی عبادت ہے۔ اگر آپ نے کسی بیمار کی خدمت کی، یا کسی اندھے کو راستہ چلایا، یا کسی مصیبت زدہ کی مدد کی، تو یہ بھی عبادت ہے۔ آپ نے اگر بات چیت کرنے میں جھوٹ سے، غیبت سے، دل آزاری اور بدگوئی سے پرہیز کیا، اور خدا سے ڈر کر صرف حق بات کی تو جتنا وقت آپ نے بات چیت میں صرف کیا وہ سب عبادت میں صرف ہوا۔

پس خدا کی اصلی عبادت یہ ہے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد سے مرتے دم تک آپ خدا کے قانون پر چلیں اور اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اس عبادت کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ یہ عبادت ہر وقت ہونی چاہیے۔ اس عبادت کے لیے کوئی شکل نہیں ہے۔ ہر کام اور ہر شکل میں اس کی عبادت ہونی چاہیے۔ جب آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں فلاں وقت خدا کا بندہ ہوں اور فلاں وقت اس کا بندہ نہیں ہوں، تو آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ فلاں وقت خدا کی بندگی و عبادت کے لیے ہے اور فلاں وقت اس کی بندگی و عبادت کے لیے نہیں ہے۔

بھائیو! آپ کو عبادت کا مطلب معلوم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ زندگی میں ہر وقت ہر حال میں خدا کی بندگی و اطاعت کرنے کا نام ہی عبادت ہے۔ اب آپ پوچھیں گے کہ یہ نماز روزہ اور حج وغیرہ کیا چیزیں

ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہ عبادتیں جو اللہ نے آپ پر فرض کی ہیں، ان کا مقصد آپ کو اس بڑی عبادت کے لیے تیار کرنا ہے جو آپ کو زندگی میں ہر وقت ہر حال میں ادا کرنی چاہیے۔ نماز آپ کو دن میں پانچ وقت یاد دلاتی ہے کہ تم اللہ کے بندے ہو، اسی کی بندگی تمھیں کرنی چاہیے۔ روزہ سال میں ایک مرتبہ پورے ایک مہینے تک آپ کو اسی بندگی کے لیے تیار کرتا ہے۔ زکوٰۃ آپ کو بار بار توجہ دلاتی ہے کہ یہ مال جو تم نے کمایا ہے یہ خدا کا عطیہ ہے، اس کو صرف اپنے نفس کی خواہشات پر صرف نہ کرو، بلکہ اپنے مالک کا حق ادا کرو۔ حج دل پر خدا کی محبت اور بزرگی کا ایسا نقش بٹھاتا ہے کہ اگر ایک مرتبہ وہ بیٹھ جائے تو تمام عمر اس کا اثر دل سے دور نہیں ہو سکتا۔ ان سب عبادتوں کو ادا کرنے کے بعد اگر آپ اس قابل ہو گئے کہ آپ کی ساری زندگی خدا کی عبادت بن جائے، تو بلاشبہ آپ کی نماز نماز ہے اور روزہ روزہ ہے، زکوٰۃ زکوٰۃ ہے اور حج حج ہے۔ لیکن اگر یہ مقصد پورا نہ ہوا تو محض رکوع اور سجدہ کرنے اور بھوک پیاس کے دن گذارنے اور حج کی رسمیں ادا کر دینے اور زکوٰۃ کی رقم ادا کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ ان ظاہری طریقوں کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک جسم ہو، اگر اس میں جان ہے اور وہ چلتا پھرتا اور کام کرتا ہے تو بلاشبہ ایک زندہ انسان ہے لیکن اگر اس میں جان ہی نہیں تو وہ ایک مردہ لاش ہے۔ مردے کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ ناک، سب ہی کچھ ہوتے ہیں، مگر اس میں جان نہیں ہوتی اس لیے تم اسے مٹی میں دبا دیتے ہو۔ اسی طرح اگر نماز کے ارکان پورے ادا ہوں یا روزے کی شرطیں پوری ادا کر دی جائیں مگر وہ مقصد پورا نہ ہو جس کے لیے نماز اور روزہ فرض کیا گیا ہے تو وہ بھی ایک بے جان چیز ہو گی۔

آیندہ خطبات میں میں آپ کو تفصیل کے ساتھ بتاؤں گا کہ جو عبادتیں فرض کی گئی ہیں ان میں سے ہر ایک کس طرح اس بڑی عبادت کے لیے انسان کو تیار کرتی ہے، اور اگر ان عبادتوں کو آپ سمجھ کر ادا کریں، اور ان کا اصلی مقصد پورا کرنے کی کوشش کریں، تو اس سے آپ کی زندگی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

نماز

برادرانِ اسلام! پچھلے خطبہ میں میں نے آپ کے سامنے عبادت کا اصل مطلب بیان کیا تھا، اور یہ وعدہ کیا تھا کہ اسلام میں جو عبادتیں فرض کی گئی ہیں ان کے متعلق آپ کو بتاؤں گا کہ یہ عبادتیں کس طرح آدمی کو اس بڑی اور اصلی عبادت کے لیے تیار کرتی ہیں جس کے لیے اللہ نے جن و انس کو پیدا کیا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی اور سب سے اہم چیز نماز ہے، اور آج کے خطبہ میں صرف اسی کے متعلق میں آپ سے کچھ بیان کروں گا۔

یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ عبادت دراصل بندگی کو کہتے ہیں۔ اور جب آپ خدا کے بندے ہی پیدا ہوئے ہیں، تو آپ کسی وقت کسی حال میں بھی اس کی بندگی سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ جس طرح آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں اتنے گھنٹے یا اتنے منٹوں کے لیے خدا کا بندہ ہوں اور باقی وقت میں اس کا بندہ نہیں ہوں، اسی طرح آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ میں اتنا وقت خدا کی عبادت میں صرف کروں گا اور باقی اوقات میں مجھے آزادی ہے کہ جو چاہوں کروں۔ آپ تو خدا کے پیدائشی غلام ہیں۔ اس نے آپ کو بندگی ہی کے لیے پیدا کیا ہے، لہٰذا آپ کی ساری زندگی اس کی عبادت میں صرف ہونی چاہیے، اور کبھی ایک لمحہ کے لیے آپ کو اس کی عبادت سے غافل نہ ہونا چاہیے۔

یہ بھی میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ عبادت کے معنی دنیا کے کام کاج سے الگ ہو کر ایک کونے میں بیٹھ جانے اور اللہ اللہ کرنے کے نہیں ہیں، بلکہ دراصل عبادت کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں آپ جو کچھ بھی کریں خدا کے قانون کے مطابق کریں۔ آپ کا سونا اور جاگنا، آپ کا کھانا اور پینا، آپ کا چلنا اور پھرنا، غرض سب کچھ خدا کے قانون کی پابندی میں ہو۔ آپ جب اپنے گھر میں بیوی بچوں، بھائی بہنوں اور عزیز رشتہ داروں کے پاس ہوں تو ان کے ساتھ اس طرح پیش آئیں جس طرح خدا نے حکم دیا ہے۔ جب اپنے دوستوں میں ہنسیں اور بولیں، اس وقت بھی آپ کو خیال رہے کہ ہم خدا کی بندگی سے آزاد نہیں ہیں۔ جب آپ روزی کمانے کے لیے نکلیں اور لوگوں سے لین دین کریں

اس وقت بھی ایک ایک بات اور ایک ایک کام میں خدا کے احکام کا خیال رکھیں اور کبھی اُس حد سے نہ بڑھیں جو خدا نے مقرر کردی ہے۔ جب آپ رات کے اندھیرے میں ہوں اور کوئی گناہ اس طرح کر سکتے ہوں کہ دنیا میں کوئی آپ کو دیکھنے والا نہ ہو، اس وقت بھی آپ کو یاد رہے کہ خدا آپ کو دیکھ رہا ہے اور در اصل ڈر اُس کا ہونا چاہیے نہ کہ دنیا کے لوگوں کا۔ آپ جب جنگل میں تنہا جا رہے ہوں اور وہاں کوئی جرم اس طرح کر سکتے ہوں کہ کسی پولیس مین اور کسی گواہ کا کھٹکا نہ ہو تو اس وقت بھی آپ خدا کو یاد کر کے ڈر جائیں اور جرم سے باز رہیں۔ جب آپ جھوٹ اور بے ایمانی اور ظلم سے بہت سا فائدہ حاصل کر سکتے ہوں اور کوئی آپ کو روکنے والا نہ ہو، اس وقت بھی آپ خدا سے ڈریں اور اس فائدے کو اس لیے چھوڑ دیں کہ خدا اس سے ناراض ہوگا۔ اور جب سچائی اور ایمانداری میں سراسر آپ کو نقصان پہنچ رہا ہو، اس وقت بھی آپ نقصان اٹھانا قبول کر لیں، صرف اس لیے کہ خدا اس سے خوش ہوگا۔ پس دنیا کو چھوڑ کر گوشوں اور کونوں میں جا بیٹھنا اور تسبیح ہلانا عبادت نہیں ہے، بلکہ دنیا کے دھندوں میں پھنس کر خدا کے قانون کی پابندی کرنا عبادت ہے۔ ذکر الٰہی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زبان پر اللہ اللہ جاری ہو، بلکہ اصل ذکر الٰہی یہ ہے کہ دنیا کے جھگڑوں اور بکھیڑوں میں پھنس جاؤ اور اس ہنگامے میں خدا کو یاد رکھو۔ جو چیزیں خدا سے غافل کرنے والی ہیں، ان میں پھنسو اور پھر خدا سے غافل نہ ہو۔ دنیا کی زندگی میں جہاں خدائی قانون کو توڑنے کے بے شمار مواقع بڑے بڑے فائدوں کے لالچ اور نقصان کا خوف لیے ہوئے آتے ہیں وہاں خدا کو یاد کرو اور اس کے قانون کی پیروی پر قائم رہو۔ یہ ہے اصلی یادِ خدا۔ اسی کا نام ہے ذکر الٰہی اور اسی ذکر کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے کہ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ یعنی جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ، خدا کے فضل یعنی رزقِ حلال کی تلاش میں دوڑ دھوپ کرو، اور اس دوڑ دھوپ میں خدا کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تمھیں فلاح نصیب ہو۔"

عبادت کا یہ مطلب ذہن میں رکھیے اور غور کیجیے کہ اتنی بڑی عبادت انجام دینے کے لیے کن چیزوں کی ضرورت ہے، اور نماز کس طرح وہ سب چیزیں انسان میں پیدا کرتی ہے۔

سب سے پہلے تو اس بات کی ضرورت ہے کہ آپ کو بار بار یاد دلایا جاتا رہے کہ آپ خدا کے بندے ہیں، اور اسی کی بندگی آپ کو ہر وقت ہر کام میں کرنی ہے۔ یہ یاد دلانے کی ضرورت اس لیے ہے کہ ایک شیطان آدمی کے نفس میں بیٹھا ہوا ہے جو ہر وقت کہتا رہتا ہے کہ تو میرا بندہ ہے۔ اور لاکھوں کروڑوں شیطان ہر طرف دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر شیطان یہی کہہ رہا ہے کہ تو میرا بندہ ہے۔ ان شیطانوں کا طلسم اس وقت تک نہیں ٹوٹ سکتا جب تک انسان کو دن میں کئی کئی بار یہ یاد نہ دلایا جائے کہ تو کسی کا بندہ نہیں، صرف اللہ کا بندہ ہے۔ یہی کام نماز کرتی ہے۔ صبح اُٹھتے ہی سب کاموں سے پہلے وہ آپ کو یہی بات یاد دلاتی ہے۔ پھر جب آپ دن کو اپنے کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں اس وقت پھر تین مرتبہ اسی یاد کو تازہ کرتی ہے، اور جب آپ رات کو سونے کے لیے جاتے ہیں تو آخری بار پھر اسی کا اعادہ کرتی ہے۔ یہ نماز کا پہلا فائدہ ہے۔ اور قرآن میں اسی بنا پر نماز کو ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی یہ خدا کی یاد ہے۔

پھر چونکہ آپ کو اس زندگی میں ہر ہر قدم پر خدا کے احکام بجالانے ہیں اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ میں فرض شناسی کا مادہ پیدا ہو، اور اس کے ساتھ فرض کو مستعدی سے انجام دینے کی عادت بھی ہو۔ جو شخص یہ جانتا ہی نہ ہو کہ فرض کے معنی کیا ہیں، وہ تو کبھی احکام کی اطاعت کر ہی نہیں سکتا۔ اور جو شخص فرض کے معنی تو جانتا ہو مگر اس کی تربیت اتنی خراب ہو کہ فرض کو فرض جاننے کے باوجود اسے ادا کرنے کی پروا نہ کرے، اس سے کبھی یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں جو ہزاروں احکام اسے دیے جائیں گے ان کو وہ مستعدی کے ساتھ انجام دے گا۔

جن لوگوں کو فوج یا پولیس میں ملازمت کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ ان دونوں ملازمتوں میں ڈیوٹی کو سمجھنے اور اسے ادا کرنے کی مشق کس طرح کرائی جاتی ہے۔ رات دن میں کئی کئی بار بگل بجایا جاتا ہے، سپاہیوں کو ایک جگہ حاضر ہونے کا حکم دیا جاتا ہے، ان سے قواعد کرائی جاتی ہے۔ یہ سب اس لیے کہ ان کو حکم بجالانے کی عادت ہو، اور ان میں سے جو لوگ ایسے سست اور نالائق ہوں کہ بگل کی آواز سن کر بھی گھر بیٹھے رہیں یا قواعد میں حکم کے

مطابق حرکت نہ کریں انھیں پہلے ہی ناکارہ سمجھ کر ملازمت سے الگ کر دیا جائے بس اسی طرح نماز بھی دن میں پانچ وقت بگل بجاتی ہے تاکہ اللہ کے سپاہی اس کو سن کر ہر طرف سے دوڑے چلے آئیں اور ثابت کریں کہ وہ اللہ کے احکام کو ماننے کے لیے مستعد ہیں۔ جو مسلمان اس بگل کو سن کر بھی بیٹھا رہتا ہے اور اپنی جگہ سے نہیں ہلتا وہ دراصل یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ یا تو فرض کو پہچانتا ہی نہیں، یا اگر پہچانتا ہے تو وہ اتنا نالائق اور ناکارہ ہے کہ خدا کی فوج میں رہنے کے قابل نہیں۔

اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اذان کی آواز سن کر اپنے گھروں سے نہیں نکلتے میرا جی چاہتا ہے کہ جا کر ان کے گھروں میں آگ لگا دوں۔ اور یہی وجہ ہے کہ حدیث میں نماز پڑھنے کو کفر اور اسلام کے درمیان وجہ امتیاز قرار دیا گیا ہے۔ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں کوئی ایسا شخص مسلمان ہی نہ سمجھا جاتا تھا جو نماز کے لیے جماعت میں حاضر نہ ہوتا ہو حتیٰ کہ منافقین بھی جنھیں اس امر کی ضرورت ہوتی تھی کہ ان کو مسلمان سمجھا جائے، اس امر پر مجبور ہوتے تھے کہ نماز باجماعت میں شریک ہوں، چنانچہ قرآن میں جس چیز پر منافقین کو ملامت کی گئی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھتے، بلکہ یہ ہے کہ بادلِ ناخواستہ نہایت بددلی کے ساتھ نماز کے لیے اٹھتے ہیں۔ وَإِذَا قَامُوٓا۟ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ قَامُوا۟ كُسَالَىٰ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام محض ایک اعتقادی چیز نہیں ہے، بلکہ عملی چیز ہے، اور عملی چیز بھی ایسی کہ زندگی میں ہر وقت ہر لمحہ ایک مسلمان کو اسلام پر عمل کرنے اور کفر و فسق سے لڑنے کی ضرورت ہے۔ ایسی زبردست عملی زندگی کے لیے لازم ہے کہ مسلمان خدا کے احکام بجا لانے کے لیے ہر وقت مستعد ہو۔ جو شخص اس قسم کی مستعدی نہیں رکھتا وہ اسلام کے لیے قطعاً ناکارہ ہے۔ اسی لیے دن میں پانچ وقت نماز فرض کی گئی تاکہ جو لوگ مسلمان ہونے کے مدعی ہیں ان کا بار بار امتحان لیا جاتا ہے کہ وہ فی الواقع مسلمان ہیں یا نہیں اور فی الواقع اس عملی زندگی میں خدا کے احکام بجا لانے کے لیے مستعد ہیں یا نہیں۔ اگر وہ خدائی پریڈ کا بگل سن کر جنبش نہیں کرتے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اسلام کی عملی زندگی کے لیے تیار نہیں ہیں، اس کے بعد ان کا خدا کو ماننا اور رسول کو ماننا محض بے معنی ہے۔ اسی بنا پر قرآن

میں ارشاد ہے کہ اِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ یعنی جو لوگ خدا کی اطاعت و بندگی کے لیے تیار نہیں ہیں، صرف انھی پر نماز گراں گزرتی ہے، اور جس پر نماز گراں گزرے، وہ خود اس بات کا ثبوت پیش کرتا ہے کہ وہ خدا کی بندگی و اطاعت کے لیے تیار نہیں ہے۔

تیسری چیز خدا کا خوف ہے جس کے ہر آن دل میں تازہ رہنے کی ضرورت ہے۔ مسلمان اسلام کے مطابق عمل کر ہی نہیں سکتا جب تک اسے یقین نہ ہو کہ خدا ہر وقت ہر جگہ اسے دیکھ رہا ہے، اس کی ہر ہر حرکت کا خدا کو علم ہے، خدا اندھیرے میں بھی اس کو دیکھتا ہے، خدا تنہائی میں بھی اس کے ساتھ ہے، تمام دنیا سے چھپ جانا ممکن ہے مگر خدا سے چھپنا ممکن نہیں، تمام دنیا کی سزاؤں سے آدمی بچ سکتا ہے، مگر خدا کی سزا سے بچنا غیر ممکن ہے یہی یقین آدمی کو خدا کے احکام کی خلاف ورزی سے روکتا ہے۔ اسی یقین کے زور سے وہ حلال اور حرام کی ان حدود کا لحاظ رکھنے پر مجبور ہوتا ہے جو اللہ نے زندگی کے معاملات میں قائم کی ہیں۔ اگر یہ یقین کمزور ہو جائے تو مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان کی طرح زندگی بسر کر ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے اللہ نے دن میں پانچ وقت نماز فرض کی ہے تاکہ وہ اس یقین کو دل میں بار بار مضبوط کرتی رہے۔ چنانچہ قرآن میں خود اللہ ہی نے نماز کی اس مصلحت کو بیان کر دیا کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ یعنی "نماز وہ چیز ہے جو انسان کو بدی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔" اس کی وجہ آپ غور کر کے خود سمجھ سکتے ہیں مثلاً آپ نماز کے لیے پاک ہو کر اور وضو کر کے آتے ہیں۔ اگر آپ ناپاک ہوں اور غسل کیے بغیر آ جائیں، یا آپ کے کپڑے ناپاک ہوں اور انہی کو پہنے ہوئے آ جائیں، یا آپ کو وضو نہ ہو اور آپ کہہ دیں کہ میں وضو کر کے آیا ہوں، تو دنیا میں کون آپ کو پکڑ سکتا ہے؟ لیکن آپ ایسا نہیں کرتے۔ کیوں؟ اس لیے کہ آپ کو یقین ہے کہ خدا سے یہ گناہ نہیں چھپ سکتا۔ اسی طرح نماز میں جو چیزیں آہستہ پڑھی جاتی ہیں اگر ان کو آپ نہ پڑھیں تو کسی کو بھی اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔ مگر آپ کبھی ایسا نہیں کرتے۔ یہ کس لیے؟ اسی لیے کہ آپ کو یقین ہے کہ خدا سب کچھ سن رہا ہے، اور آپ کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اسی طرح آپ جنگل میں بھی نماز پڑھتے ہیں رات کے اندھیرے میں بھی نماز پڑھتے ہیں اپنے گھر میں جب تنہا ہوتے ہیں اس وقت بھی نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ کوئی آپ کو دیکھنے والا نہیں ہوتا اور کسی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ

آپ نے نماز نہیں پڑھی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہی کہ آپ چھپ کر بھی خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرنے سے ڈرتے ہیں اور آپ کو یقین ہے کہ خدا سے کسی جرم کو چھپانا ممکن نہیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ نماز کس طرح خدا کا خوف اور اس کے حاضر و ناظر اور علیم و خبیر ہونے کا یقین آدمی کے دل میں بٹھاتی اور تازہ کرتی رہتی ہے۔ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں آپ ہر وقت خدا کی عبادت اور بندگی کیسے کر سکتے ہیں جب تک کہ یہ خوف اور یقین آپ کے دل میں تازہ نہ ہوتا رہے۔ اگر اس چیز سے آپ کا دل خالی ہو تو کیونکر ممکن ہے کہ رات دن جو ہزاروں معاملات آپ کو دنیا میں پیش آتے ہیں، ان میں آپ خدا سے ڈر کر نیکی پر قائم رہیں گے اور بدی سے بچیں گے۔

چوتھی چیز، جو عبادت الٰہی کے لیے نہایت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ آپ خدا کے قانون سے واقف ہوں۔ اس لیے کہ اگر آپ کو قانون کا علم ہی نہ ہو تو آپ اس کی پابندی کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ کام بھی نماز انجام دیتی ہے۔ نماز میں قرآن جو پڑھا جاتا ہے، یہ اسی لیے ہے کہ روزانہ آپ خدا کے احکام اور اس کے قانون سے واقف ہوتے رہیں۔ جمعہ کا خطبہ بھی اسی لیے ہے کہ آپ کو اسلام کی تعلیم سے واقفیت ہو۔ نماز باجماعت اور جمعہ سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ عالم اور عامی بار بار ایک جگہ جمع ہوتے رہیں اور لوگوں کو ہمیشہ خدا کے احکام سے واقف ہونے کا موقع ملتا رہے۔ اب یہ آپ کی بدقسمتی ہے کہ آپ نماز میں جو کچھ پڑھتے ہیں اس سے واقف ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔ آپ کو جمعہ کے خطبے بھی ایسے سنائے جاتے ہیں جن سے آپ کو اسلام کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا۔ اور نماز کی جماعتوں میں آکر نہ آپ کے عالم اپنے جاہل بھائیوں کو کچھ سکھاتے ہیں اور نہ جاہل اپنے عالم بھائیوں سے کچھ پوچھتے ہیں۔ نماز تو آپ کو ان سب فائدوں کا موقع دیتی ہے، آپ خود فائدہ نہ اٹھائیں تو نماز کا کیا قصور؟

پانچویں چیز یہ ہے کہ ہر مسلمان زندگی کے اس ہنگامہ میں اکیلا نہ ہو، بلکہ سب مسلمان مل کر ایک مضبوط جماعت بنیں اور خدا کی عبادت، یعنی اس کے احکام کی پابندی کرنے اور اس کے قانون پر عمل کرنے اور اس کے قانون کو دنیا میں جاری کرنے کے لیے ایک دوسرے کی مدد کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس زندگی میں ایک طرف مسلمان یعنی خدا کے فرماں بردار بندے ہیں اور دوسری طرف کفار یعنی خدا کے باغی بندے ہیں۔ رات دن فرماں برداری

اور بغاوت کے درمیان کشمکش برپا ہے۔ باغی خدا کے قانون کو توڑتے ہیں، اور اس کے خلاف دنیا میں شیطانی قوانین کو جاری کرتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اگر ایک ایک مسلمان تنہا ہو تو کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اس کی ہے کہ خدا کے فرماں بردار بندے مل کر اجتماعی طاقت سے بغاوت کا مقابلہ کریں اور خدا کے قانون کو نافذ کریں۔ یہ اجتماعی طاقت پیدا کرنے والی چیز تمام چیزوں سے بڑھ کر نماز ہے۔ پانچ وقت کی جماعت، پھر جمعہ کا بڑا اجتماع، یہ سب مل کر مسلمانوں کو ایک مضبوط دیوار کی طرح بنا دیتے ہیں اور ان میں وہ یک جہتی اور عملی اتحاد پیدا کرتے ہیں جو روزمرہ کی عملی زندگی میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مددگار بنانے کے لیے ضروری ہے۔

نماز میں آپ کیا پڑھتے ہیں؟

برادرانِ اسلام! پچھلے خطبہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ نماز کس طرح انسان کو اللہ کی عبادت یعنی بندگی اور اطاعت کے لیے تیار کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ میں نے کہا تھا اس سے آپ نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ جو شخص نماز کو محض فرض اور حکمِ الٰہی جان کر باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتا ہے وہ اگر نماز کی دعاؤں کا مطلب نہ سمجھتا ہو تب بھی اس کے اندر کس طرح خدا کا خوف، اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین، اور اس کی عدالت میں ایک روز حاضر ہونے کا اعتقاد ہر وقت تازہ ہوتا رہتا ہے۔ اور کس طرح اس کے دل میں یہ عقیدہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی کا بندہ نہیں اور خدا ہی اس کا اصلی بادشاہ اور حاکم ہے، اور کس طرح اس کے اندر فرض شناسی کی عادت اور خدا کے احکام بجالانے کے لیے مستعدی پیدا ہوتی ہے، اور کس طرح اس میں وہ صفات خود بخود پیدا ہونے لگتی ہیں جو انسان کی ساری زندگی کو خدا کی بندگی و عبادت بنا دینے کے لیے ضروری ہیں۔ اب میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر انسان اسی نماز کو سمجھ کر ادا کرے اور نماز پڑھتے وقت یہ بھی جانتا رہے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے تو اس کے خیالات اور اس کی عادات و خصائل پر کتنا زبردست اثر پڑے گا، اس کے ایمان کی قوت کس قدر بڑھتی چلی جائے گی، اور اس کی زندگی کا رنگ کیسا پلٹ جائے گا۔

سب سے پہلے اذان کو لیجیے۔ دن میں پانچ وقت آپ کو کیا کہہ کر پکارا جاتا ہے؟ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ "خدا سب سے بڑا ہے، خدا سب سے بڑا ہے۔" اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ "میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی بندگی کا حقدار نہیں۔" اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔" حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ "آؤ نماز کے لیے" حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ "آؤ اس کام کے لیے جس میں فلاح اور بہبودی ہے۔" اَللّٰہُ اَکْبَرُ "اللہ سب سے بڑا ہے۔" لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

دیکھو یہ کیسی زبردست پکار ہے۔ ہر روز پانچ مرتبہ یہ آواز کس طرح تمھیں یاد دلاتی ہے کہ "زمین میں جتنے بڑے بڑے خدائی کے دعویدار نظر آتے ہیں سب جھوٹے ہیں۔ زمین و آسمان میں ایک ہی ہستی ہے جس کے لیے بڑائی ہے، اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ آؤ اس کی عبادت کرو۔ اسی کی عبادت میں تمھارے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔" کون ہے جو اس آواز کو سن کر ہل نہ جائے گا؟ کیونکر ممکن ہے کہ جس کے دل میں ایمان ہو وہ اتنی بڑی گواہی اور ایسی زبردست پکار سن کر اپنی جگہ بیٹھا رہ جائے اور اپنے مالک کے آگے سر جھکانے کے لیے دوڑ نہ پڑے؟

اس کے بعد تم نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہو۔ منہ قبلہ کے سامنے ہے۔ پاک صاف ہو کر پادشاہ عالم کے دربار میں حاضر ہو۔ سب سے پہلے تمھاری زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں۔ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ "میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ذات کی طرف پھیر دیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو خدائی میں کسی اور کو شریک ٹھیراتے ہیں۔" اس زبردست بات کا اقرار کر کے تم کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہو گویا دنیا و مافیہا سے دست بردار ہو رہے ہو۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیتے ہو، گویا اب تم بالکل اپنے بادشاہ کے سامنے مؤدب، دست بستہ کھڑے ہو۔ اس کے بعد تم کیا عرض معروض کرتے ہو؟

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ۔ "پاک ہے تو اے میرے معبود! تعریف و ستائش ہے تیرے لیے۔ برکت والا ہے تیرا نام سب سے بلند و بالا ہے تیری بزرگی۔ اور کوئی معبود نہیں تیرے سوا۔"

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ "خدا کی پناہ مانگتا ہوں میں شیطان مردود کی دراندازی اور شرارت سے۔"

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ "شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔"

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ "تعریف خدا کے لیے ہے جو سارے جہان والوں کا مالک و پروردگار ہے۔"

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ "نہایت رحمت والا بڑا مہربان ہے"۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ "روزِ آخرت کا مالک ہے" (جس دن اعمال کا فیصلہ کیا جائے گا اور ہر ایک کو اس کے کیے کا پھل ملے گا)۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ "مالک! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں"۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ "ہم کو سیدھا راستہ دکھا"۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ "ایسے لوگوں کا راستہ جن پر تو نے فضل کیا ہے اور انعام فرمایا ہے"۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ "ان لوگوں کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب نازل ہوا، اور نہ ان کا راستہ جو بھٹکے ہوئے ہیں۔ راہِ راست سے ہٹ گئے ہیں"۔ آمِيْن "خدایا ایسا ہی ہو۔ مالک! ہماری اس دعا کو قبول کر"۔

اس کے بعد تم قرآن کی چند آیتیں پڑھتے ہو جن میں سے ہر ایک میں امرت بھرا ہوا ہے۔ نصیحت ہے، عبرت ہے، سبق ہے، اور راہِ راست کی ہدایت ہے جس کے لیے سورۂ فاتحہ میں تم دعا کر چکے تھے۔ مثلاً:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ "زمانہ کی قسم! انسان ٹوٹے میں ہے"۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ "مگر ٹوٹے سے بچے ہوئے صرف وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے"۔ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ "اور جنھوں نے ایک دوسرے کو حق پر چلنے کی ہدایت کی اور حق پر ثابت قدم رہنے کی نصیحت کرتے رہے"۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ تباہی اور نامرادی سے انسان بس اسی طرح بچ سکتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اور صرف تنہا ہی کافی نہیں، بلکہ ایمان داروں کی ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو دینِ حق پر قائم ہو اور قائم رہنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہے۔

یا مثلاً اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ "تو نے دیکھا کہ جو شخص روزِ جزا کو نہیں مانتا وہ کیسا آدمی ہوتا ہے"۔ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ "ایسا ہی آدمی یتیم کو دھتکار دیتا ہے"۔ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ "اور مسکین کو آپ کھانا کھلانا تو درکنار، دوسروں سے بھی یہ کہنا پسند نہیں کرتا کہ غریب کو کھانا کھلا دو"۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ "تباہی ہے ایسے نمازیوں کے لیے جو روزِ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اس لیے نماز سے غفلت کرتے ہیں، اور پڑھتے بھی ہیں تو محض دکھاوے کے لیے، اور

ان کے دل ایسے چھوٹے ہوتے ہیں کہ ذرا ذرا سی چیزیں حاجتمندوں کو دیتے ہوئے بھی ان کا دل دکھتا ہے"۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ آخرت کا یقین اسلام کی جان ہے۔ اس کے بغیر آدمی کبھی اس راستہ پر چل ہی نہیں سکتا جو حق کا راستہ ہے۔

یا مثلاً وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ "افسوس ہے اس شخص کے حال پر جو لوگوں کی عیب چینی کرتا اور لوگوں پر آوازے کستا ہے"۔ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ "روپیہ جمع کرتا اور گن گن کر رکھتا ہے"۔ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ "اپنے دل میں سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ رہے گا"۔ كَلَّا لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ "ہرگز نہیں، وہ ایک دن ضرور مرے گا اور حطمہ میں ڈالا جائے گا"۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ "اور تمھیں کیا معلوم ہے کہ حطمہ کیا چیز ہے"۔ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ "اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ جس کی لپٹیں دلوں پر چھا جاتی ہیں"۔ إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ "وہ اونچے اونچے ستون جیسے شعلوں کی صورت میں ان کو گھیرے گی"۔

غرض تم قرآن پاک کی جتنی سورتیں یا آیتیں نماز میں پڑھتے ہو وہ کوئی نہ کوئی اعلیٰ درجہ کی نصیحت یا ہدایت تم کو دیتی ہیں، اور تمھیں بتاتی ہیں کہ خدا کے احکام کیا ہیں جن کے مطابق تمھیں دنیا میں عمل کرنا چاہیے۔ ان ہدایتوں کو پڑھنے کے بعد تم اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع کرتے ہو گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اپنے مالک کے آگے جھکتے ہو اور بار بار کہتے ہو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ "پاک ہے میرا پروردگار جو بڑا بزرگ ہے"۔ پھر سیدھے کھڑے ہوجاتے ہو اور کہتے ہو سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ "اللہ نے سن لی اس شخص کی بات جس نے اس کی تعریف بیان کی"۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہو اور بار بار کہتے ہو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ "پاک ہے میرا پروردگار جو سب سے بالا و برتر ہے"۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھاتے ہو اور نہایت ادب سے بیٹھ کر یہ پڑھتے ہو:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ "ہماری سلامیاں، ہماری نمازیں، اور ساری پاکیزہ باتیں اللہ کے لیے ہیں"۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ "سلام آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور برکتیں"۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ "سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر"۔

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں"۔ یہ شہادت دیتے وقت تم شہادت کی انگلی اُٹھاتے ہو کیونکہ یہ نماز میں تمھارے عقیدے کا اعلان ہے اور اس کو زبان سے ادا کرتے وقت خاص طور پر توجہ اور زور دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد تم درود پڑھتے ہو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ "خدایا رحمت فرما ہمارے سردار اور مولیٰ محمدؐ اور ان کی آل پر جس طرح تو نے رحمت فرمائی ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر۔ اور خدایا برکت نازل فرما ہمارے سردار اور مولیٰ محمدؐ اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر"۔ یہ درود پڑھنے کے بعد تم اللہ سے دعا کرتے ہو: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔ "خدایا میں تیری پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس گمراہ کرنے والے دجال کے فتنے سے جو زمین پر چھا جانے والا ہے اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کے فتنے سے۔ خدایا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بُرے اعمال کی ذمہ داری اور قرض داری سے"۔

یہ دعا پڑھنے کے بعد تمھاری نماز پوری ہو گئی۔ اب تم مالک کے دربار سے واپس ہوتے ہو اور واپس ہو کر پہلا کام کیا کرتے ہو؟ یہ کہ دائیں اور بائیں مڑ کر تمام حاضرین اور دنیا کی ہر چیز کے لیے سلامتی اور رحمت کی دعا کرتے ہو، اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔ یہ وہ بشارت ہے جو خدا کے دربار سے پلٹتے ہوئے تم دنیا کے لیے لاتے ہو۔

یہ ہے وہ نماز جو تم صبح اُٹھ کر دنیا کے کام کاج شروع کرنے سے پہلے پڑھتے ہو۔ پھر چند گھنٹے کام کاج میں مشغول رہنے کے بعد دوپہر کو خدا کے دربار میں حاضر ہو کر دوبارہ یہی نماز ادا کرتے ہو۔ پھر چند گھنٹوں کے بعد تیسرے پہر کو پھر یہی نماز پڑھتے ہو۔ پھر چند گھنٹے اور مشغول رہنے کے بعد شام کو اسی نماز کا اعادہ کرتے ہو

پھر دنیا کے کاموں سے فارغ ہو کر سونے سے پہلے آخری مرتبہ اپنے مالک کے سامنے جاتے ہو۔ اس آخری نماز کا خاتمہ وتر پر ہوتا ہے جس کی تیسری رکعت میں ایک زبردست اقرار نامہ اپنے آقا کے سامنے پیش کرتے ہو۔ یہ دعائے قنوت ہے۔ قنوت کے معنی ہیں خدا کے آگے ذلت و انکسار، عاجزی، اطاعت اور بندگی کا اقرار۔ یہ اقرار تم کن الفاظ میں کرتے ہو، ذرا غور سے سنو:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ۔

"خدایا ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ تجھ سے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ تجھ پر ایمان لاتے ہیں۔ تیرے ہی اوپر بھروسہ رکھتے ہیں، اور بھلائی کے ساتھ تیری تعریف کرتے ہیں۔" وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ "ہم تیرا احسان مانتے ہیں، ناشکری نہیں کرتے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ جو لوگ تیرے نافرمان ہیں ان سے ہم کوئی تعلق نہ رکھیں گے اور کوئی واسطہ ان کے ساتھ نہ رکھیں گے۔"

اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ "خدایا ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تیرے ہی لیے نماز اور سجدہ کرتے ہیں اور ہماری ساری کوششیں اور ساری دوڑ دھوپ تیری ہی خوشنودی کے لیے ہے۔" وَنَرْجُوْا رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ "اور ہم تیری ہی رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ یقیناً تیرا عذاب ایسے لوگوں پر پڑے گا جو کافر ہیں۔"

برادرانِ اسلام! غور کرو، جو شخص دن میں پانچ مرتبہ اذان کی یہ آواز سنتا ہو اور سمجھتا ہو کہ کتنی بڑی چیز کی شہادت دی جا رہی ہے اور کیسے زبردست بادشاہ کے حضور میں بلایا جا رہا ہے، اور جو شخص ہر مرتبہ اس پکار کو سن کر اپنے سارے کام کاج چھوڑ دے اور اس ذاتِ پاک کی طرف دوڑے جسے وہ اپنا اور تمام کائنات کا مالک جانتا ہے، اور جو شخص کئی کئی بار نماز میں وہ ساری باتیں سمجھ بوجھ کر ادا کرے جو ابھی آپ کے سامنے میں نے بیان کی ہیں، کیونکر ممکن ہے کہ اس کے دل میں

خدا کا خوف پیدا نہ ہو؟ اس کو خدا کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شرم نہ آئے؟ اس کی روح گناہوں اور بدکاریوں کے سیاہ دھبے سے کہ بار بار خدا کے سامنے حاضر ہوتے ہوئے لرز نہ اٹھے؟ کس طرح ممکن ہے کہ آدمی نماز میں خدا کی بندگی کا اقرار، اس کی اطاعت کا اقرار، اس کے مالک یوم الدین ہونے کا اقرار کرکے جب اپنے کام کاج کی طرف واپس آئے تو جھوٹ بولے، بے ایمانی کرے، لوگوں کے حق مارے، رشوت کھائے اور کھلائے، خدا کے بندوں کو آزار پہنچائے، فحش اور بے حیائی اور بدکاری کرے، اور پھر ان سب اعمال کا بوجھ لاد کر دوبارہ خدا کے سامنے حاضر ہوتے اور انہی سب باتوں کا اقرار کرنے کی جرأت کرسکے؟ ہاں! یہ کیسے ممکن ہے کہ تم جان بوجھ کر خدا سے روزانہ چھتیس مرتبہ اقرار کرو کہ ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور پھر خدا کے سوا دوسروں کی بندگی کرو اور دوسروں کے آگے مدد کے لیے ہاتھ پھیلاؤ؟ ایک مرتبہ تم اقرار کے خلاف ورزی کروگے تو دوسری بار خدا کے دربار میں جاتے ہوئے تمہارا ضمیر ملامت کرے گا اور شرمندگی پیدا ہوگی۔ دوسری بار خلاف ورزی کروگے تو اور زیادہ شرم آئے گی، اور زیادہ دل اندر سے لعنت بھیجے گا۔ تمام عمر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ روزانہ پانچ پانچ مرتبہ نماز پڑھو اور پھر بھی تمہارے اعمال درست نہ ہوں، تمہارے اخلاق کی اصلاح نہ ہو اور تمہاری زندگی کی کایا نہ پلٹے؟ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے نماز کی یہ خاصیت بیان فرمائی ہے کہ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ "یقیناً نماز انسان کو بے حیائی اور بدکاری سے روکتی ہے"۔ لیکن اگر کوئی ایسا ہے کہ اتنی زبردست اصلاح کرنے والی چیز سے بھی اس کی اصلاح نہیں ہوتی تو یہ اس کی طینت کی خرابی ہے، نماز کی خرابی نہیں۔ پانی اور صابن کی خاصیت میل کو صاف کرنا ہے۔ لیکن اگر کوئلے کی سیاہی اس سے دور نہ ہو تو یہ پانی اور صابن کا قصور نہیں، اس کی وجہ کوئلے کی اپنی سیاہی ہے۔

بھائیو! آپ کی نمازوں میں ایک بہت بڑی کمی ہے، اور وہ یہ ہے کہ آپ نماز میں جو کچھ

پڑھتے ہیں اس کو سمجھتے نہیں، اگر آپ تھوڑا سا وقت صرف کریں تو ان ساری دعاؤں کا مطلب اردو یا اپنی مادری زبان میں یاد کر سکتے ہیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ جو کچھ آپ پڑھیں گے، اسے سمجھتے بھی جائیں گے۔

نماز باجماعت

برادرانِ اسلام! پچھلے خطبوں میں تو میں نے آپ کے سامنے صرف نماز کے فائدے بیان کیے تھے جن سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ یہ عبادت بجائے خود کیسی زبردست چیز ہے، کس طرح انسان میں بندگی کا کمال پیدا کرتی ہے اور کس طرح اس کو بندگی کا حق ادا کرنے کے قابل بناتی ہے۔ اب میں آپ کو نماز باجماعت کے فائدے بتانا چاہتا ہوں جنہیں سن کر آپ اندازہ کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان سے کس طرح ایک ہی چیز میں ہمارے لیے ساری نعمتیں جمع کر دی ہیں۔ اول تو نماز خود ہی کیا کم تھی اس کے ساتھ جماعت کا حکم دے کر اس کو دو آتشہ کر دیا گیا، اور اس کے اندر وہ طاقت بھر دی گئی جو انسان کی کایا پلٹ دینے میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔

پہلے آپ سے یہ کہہ چکا ہوں کہ زندگی میں ہر وقت اپنے آپ کو خدا کا بندہ سمجھنا، اور فرماں بردار غلام کی طرح مالک کی مرضی کا تابع بن کر رہنا، اور مالک کا حکم بجا لانے کے لیے ہر وقت تیار رہنا اصلی عبادت ہے، اور نماز اسی عبادت کے لیے انسان کو تیار کرتی ہے۔ یہ بھی آپ کو بتا چکا ہوں کہ اس عبادت کے لیے انسان میں جتنی صفات کی ضرورت ہے وہ سب نماز پیدا کرتی ہے۔ بندگی کا احساس۔ خدا اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پر ایمان۔ آخرت کا یقین۔ خدا کا خوف۔ خدا کو عالم الغیب جاننا اور اس کو ہر وقت اپنے سے قریب سمجھنا۔ خدا کی فرماں برداری کے لیے ہر حال میں مستعد رہنا۔ خدا کے احکام سے واقف ہونا۔ یہ اور ایسی تمام صفتیں نماز آدمی کے اندر پیدا کر دیتی ہے جو اس کو صحیح معنوں میں خدا کا بندہ بنانے کے لیے ضروری ہیں۔

مگر آپ ذرا غور سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ انسان اپنی جگہ خواہ کتنا ہی کامل ہو، مگر وہ خدا کی بندگی کا پورا حق ادا نہیں کر سکتا جب تک کہ دوسرے بندے بھی اس کے مددگار نہ ہوں۔ خدا کے تمام احکام بجا نہیں لا سکتا جب تک کہ وہ بہت سے لوگ جن کے ساتھ رات دن اس کا رہنا سہنا ہے، جن سے ہر وقت اس کو

معاملہ پیش آتا ہے اس فرماں برداری میں اس کام انجام دینے میں۔ آدمی دنیا میں اکیلا تو پیدا نہیں ہوا ہے کہ اکیلا رہ کر کوئی کام کر سکتا ہے۔ اس کی ساری زندگی بیٹے، بھائی، بیٹوں، دوستوں اور ہمسایوں، معاملہ داروں اور زندگی کے بے شمار ساتھیوں سے ہزاروں قسم کے تعلقات میں جکڑی ہوئی ہے۔ اللہ کے احکام تنہا ایک آدمی کے لیے نہیں ہیں بلکہ انہی تعلقات کو درست کرنے کے لیے ہیں۔ اب اگر یہ سب لوگ خدا کے احکام بجا لانے میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں، تو سب فرمانبردار بندے بن سکتے ہیں۔ اور اگر سب نافرمانی پر تلے ہوئے ہوں، یا ان کے تعلقات اس قسم کے ہوں کہ خدا کے احکام بجا لانے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کریں، تو ایک اکیلے آدمی کے لیے ناممکن ہے کہ وہ اپنی زندگی میں خدا کے قانون پر ٹھیک ٹھیک عمل کر سکے۔

اس کے ساتھ جب آپ قرآن کو غور سے پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ خدا کا حکم صرف یہی نہیں ہے کہ آپ خود اللہ کے مطیع و فرمانبردار بندے بنیں بلکہ ساتھ ساتھ یہ حکم بھی ہے کہ دنیا کو خدا کا مطیع و فرماں بردار بنائیں۔ دنیا میں خدا کے قانون کو پھیلائیں اور جاری کریں۔ شیطان کا قانون جہاں جہاں چل رہا ہو اس کو مٹا دیں اور اس کی جگہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے قانون کی حکومت قائم کریں۔ یہ زبردست خدمت جو اللہ نے آپ کے سپرد کی ہے، اس کو ایک اکیلا مسلمان انجام نہیں دے سکتا۔ اور اگر کروڑوں مسلمان بھی ہوں، مگر الگ الگ رہ کر کوشش کریں تب بھی وہ شیطان کے بندوں کی منظم طاقت کو نیچا نہیں دکھا سکتے۔ اس کے لیے بھی ضرورت ہے کہ مسلمان ایک جتھا بنیں، ایک دوسرے کے مددگار ہوں، ایک دوسرے کی پشت پناہ بن جائیں اور سب مل کر ایک ہی مقصد کے لیے جدوجہد کریں۔

پھر زیادہ گہری نظر سے جب آپ دیکھیں گے تو یہ بات آپ پر کھلے گی کہ اتنے بڑے مقصد کے لیے فقط مسلمانوں کا مل جانا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ یہ مل جانا بالکل صحیح طریقہ پر ہو، یعنی مسلمانوں کی جماعت اس طرح بنے کہ ایک دوسرے کے ساتھ ان کے تعلقات ٹھیک جیسے ہونے چاہییں ویسے ہی ہوں۔ ان کے آپس کے تعلق میں کوئی خرابی نہ رہنے پائے۔ ان میں پوری یک جہتی

ہو، وہ ایک سردار کی اطاعت کریں، اس کے حکم پر حرکت کرنے کی عادت ان میں پیدا ہو اور وہ یہ بھی جانیں کہ اپنے سردار کی فرماں برداری انھیں کس طرح اور کہاں تک کرنی چاہیے اور نافرمانی کے مواقع کونسے ہیں۔

ان سب باتوں کو نگاہ میں رکھ کر دیکھیے کہ نماز باجماعت کس طرح یہ سارے کام کرتی ہے۔

حکم ہے کہ اذان کی آواز سن کر اپنے اپنے کام چھوڑ دو اور مسجد کی طرف آجاؤ۔ یہ طلبی کی پکار سن کر ہر طرف سے مسلمانوں کا اٹھنا اور ایک مرکز پر جمع ہو جانا ان کے اندر وہی کیفیت پیدا کرتا ہے جو فوج کی ہوتی ہے۔ فوجی سپاہی جہاں جہاں بھی ہوں، بگل کی آواز سنتے ہی سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارا کمانڈر بلا رہا ہے۔ اس طلبی پر سب کے دل میں ایک ہی کیفیت پیدا ہوتی ہے یعنی کمانڈر کے حکم کی پیروی کا خیال۔ اور اس خیال کے مطابق سب ایک ہی کام کرتے ہیں یعنی اپنی اپنی جگہ سے اس آواز پر دوڑ پڑتے ہیں اور ہر طرف سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ فوج میں یہ طریقہ کس لیے اختیار کیا گیا ہے؟ اسی لیے کہ اول تو ہر ہر سپاہی میں الگ الگ حکم ماننے اور اس پر مستعدی کے ساتھ عمل کرنے کی صفات اور عادات پیدا ہوں اور پھر ساتھ ہی ساتھ ایسے تمام فرمانبردار سپاہی مل کر ایک گروہ، ایک جتھا، ایک ٹیم بھی بن جائیں اور ان میں یہ عادت بھی پیدا ہو جائے کہ کمانڈر کے حکم پر ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ سب جمع ہو جایا کریں تاکہ جب کوئی مہم پیش آئے تو ساری فوج ایک آواز پر ایک مقصد کے لیے اکٹھی ہو کر کام کر سکے۔ ایسا نہ ہو کہ سارے سپاہی اپنی اپنی جگہ تو بڑے تیس مار خاں ہوں مگر جب کام کے موقع پر انھیں پکارا جائے تو وہ جمع ہو کر نہ لڑ سکیں بلکہ ہر ایک اپنی مرضی کے مطابق جدھر چاہے چلا جائے۔ ایسی حالت اگر کسی فوج کی ہو تو اس کے ہزار بہادر سپاہیوں کو غنیم کے پچاس سپاہیوں کا ایک منظم دستہ الگ الگ پکڑ کے ختم کر سکتا ہے۔ بس اسی اصول پر مسلمانوں کے لیے بھی یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ جو مسلمان جہاں اذان کی آواز سنے سب کام چھوڑ کر اپنے قریب کی مسجد کا رخ کرے تاکہ سب مسلمان مل کر اللہ کی فوج بن جائیں۔ اس اجتماع کی مشق ان کو روزانہ پانچ وقت کرائی جاتی ہے۔ کیونکہ دنیا کی ساری فوجوں سے بڑھ کر سخت ڈیوٹی اس خدائی فوج کی ہے۔ دوسری فوجوں کے لیے تو مدتوں میں کبھی ایک مہم پیش آتی ہے اور اس کی خاط

ان کو یہ ساری فوجی مشقیں کرائی جاتی ہیں مگر اس خدائی فوج کو ہر وقت شیطانی طاقتوں کے ساتھ لڑنا ہے اور ہر وقت اپنے کمانڈر کے احکام کی تعمیل کرنی ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ یہ بھی بہت بڑی رعایت ہے کہ اسے روزانہ صرف پانچ مرتبہ خدائی بگل کی آواز پر دوڑنے اور خدائی چھاؤنی یعنی مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ تو محض اذان کا فائدہ تھا۔ اب آپ مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور صرف اس جمع ہونے میں بے شمار فائدے ہیں۔ یہاں جو آپ جمع ہوئے تو آپ نے ایک دوسرے کو دیکھا، پہچانا، ایک دوسرے سے واقف ہوئے۔ یہ دیکھنا، پہچاننا، واقف ہونا کس حیثیت سے ہے؟ اس حیثیت سے کہ آپ سب ایک خدا کے بندے ہیں۔ ایک رسول کے پیرو ہیں۔ ایک کتاب کے ماننے والے ہیں۔ ایک ہی مقصد آپ سب کی زندگی کا ہے۔ اسی ایک مقصد کو پورا کرنے کے لیے آپ یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اور اسی مقصد کو یہاں سے واپس جا کر بھی آپ کو پورا کرنا ہے۔ اس قسم کی آشنائی اس قسم کی واقفیت آپ میں خود بخود یہ خیال پیدا کر دیتی ہے کہ آپ سب ایک قوم ہیں، ایک ہی فوج کے سپاہی ہیں، ایک دوسرے کے بھائی ہیں، دنیا میں آپ کی اغراض، آپ کے مقاصد، آپ کے نقصانات اور آپ کے فوائد، سب مشترک ہیں، اور آپ کی زندگیاں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں۔

پھر آپ جو ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو ظاہر ہے کہ آنکھیں کھول کر ہی دیکھیں گے۔ اور یہ دیکھنا بھی دشمن کا دشمن کو دیکھنا نہیں بلکہ دوست کا دوست کو اور بھائی کا بھائی کو دیکھنا ہوگا۔ اس نظر سے جب آپ دیکھیں گے کہ میرا ایک بھائی پھٹے پرانے کپڑوں میں ہے، کوئی پریشان صورت ہے، کوئی فاقہ زدہ چہرہ لیے ہوئے آیا ہے، کوئی معذور، لنگڑا، لولا یا اندھا ہے تو خواہ مخواہ آپ کے دل میں ہمدردی پیدا ہوگی۔ آپ میں سے جو خوش حال ہیں وہ غریبوں اور بے کسوں پر رحم کھائیں گے۔ جو بدحال ہیں انھیں امیروں تک پہنچنے اور ان سے اپنا حال کہنے کی ہمت پیدا ہوگی۔ کسی کے متعلق معلوم ہوگا کہ بیمار ہے یا کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے اس لیے مسجد میں نہیں آیا تو اس کی عیادت کو جانے کا خیال پیدا ہوگا۔ کسی کے مرنے کی خبر ملی تو سب مل کر اس کے لیے نماز جنازہ پڑھیں گے اور غمزدہ عزیزوں کے غم میں شریک ہوں گے۔ یہ سب باتیں آپ کی باہمی محبت کو بڑھانے والی اور ایک دوسرے

کا مددگار بنانے والی ہیں۔

اس کے بعد ذرا غور کیجیے۔ یہاں جو آپ جمع ہوئے ہیں تو ایک پاک جگہ پاک مقصد کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ یہ چوروں اور شرابیوں اور جوئے بازوں کا اجتماع تو نہیں ہے کہ سب کے دل میں ناپاک ارادے بھرے ہوئے ہوں۔ یہ تو اللہ کے بندوں کا اجتماع ہے، اللہ کی عبادت کے لیے، اللہ کے گھر میں، سب اپنے خدا کے سامنے بندگی کا اقرار کرنے حاضر ہوتے ہیں۔ ایسے موقع پر اول تو ایماندار آدمی میں خود ہی اپنے گناہوں پر شرمندگی کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس نے کوئی گناہ اپنے دوسرے بھائی کے سامنے کیا تھا، اور وہ خود بھی یہاں مسجد میں موجود ہے تو محض اس کی نگاہوں کا سامنا ہو جانا ہی اس کے لیے کافی ہے کہ گناہ گار اپنے دل میں کٹ کٹ جائے۔ اور اگر کہیں مسلمانوں میں ایک دوسرے کو نصیحت کرنے کا جذبہ بھی موجود ہو، اور وہ جانتے ہوں کہ ہمدردی و محبت کے ساتھ ایک دوسرے کی اصلاح کس طرح کرنی چاہیے، تو یقین جانیے کہ یہ اجتماع انتہائی رحمت و برکت کا موجب ہوگا۔ اس طرح سب مسلمان مل کر ایک دوسرے کی خرابیوں کو دور کریں گے، ایک دوسرے کی کمی پوری کریں گے، اور پوری جماعت نیکوں اور صالحوں کی جماعت بنتی چلی جائے گی۔

یہ صرف مسجد میں جمع ہونے کی برکتیں ہیں۔ اس کے بعد یہ دیکھیے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے میں کتنی برکات پوشیدہ ہیں۔ آپ سب ایک صف میں ایک دوسرے کے برابر کھڑے ہوتے ہیں۔ نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا نہ کوئی اونچے درجے کا ہے نہ نیچے درجے کا۔ خدا کے دربار میں خدا کے سامنے سب ایک درجے میں ہیں۔ کسی کا ہاتھ لگنے اور کسی کے چھو جانے سے کوئی ناپاک نہیں ہوتا۔ سب پاک ہیں، اس لیے کہ سب انسان ہیں، ایک خدا کے بندے ہیں، اور ایک ہی دین کے ماننے والے ہیں۔ آپس میں خاندانوں اور قبیلوں اور ملکوں اور زبانوں کا بھی کوئی فرق نہیں۔ کوئی سید ہے۔ کوئی پٹھان ہے۔ کوئی راجپوت ہے۔ کوئی جاٹ ہے۔ کوئی کسی ملک کا رہنے والا ہے اور کوئی کسی ملک کا۔ کسی کی زبان کچھ ہے اور کسی کی کچھ۔ مگر سب ایک صف میں کھڑے ایک خدا کی عبادت کر رہے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سب ایک قوم ہیں۔ یہ حسب نسب، اور برادریوں اور قوموں کی تقسیم سب جھوٹی

ہے سب سے بڑا تعلق آپ کے درمیان خدا کی بندگی و عبادت کا تعلق ہے۔ اس میں جب آپ سب ایک ہیں تو پھر کسی معاملہ میں بھی کیوں الگ ہوں؟

پھر جب آپ ایک صف میں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک فوج اپنے بادشاہ کے سامنے خدمت کے لیے کھڑی ہے۔ صف باندھ کر کھڑے ہونے اور مل کر ایک ساتھ حرکت کرنے سے آپ کے دلوں میں یک جہتی پیدا ہوتی ہے۔ آپ کو یہ مشق کرائی جاتی ہے کہ خدا کی بندگی میں اس طرح ایک ہوجائیں کہ سب کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں اور سب کے پاؤں ایک ساتھ چلیں، گویا آپ دس میں یا سو یا ہزار آدمی نہیں ہیں بلکہ مل کر ایک آدمی کی طرح بن گئے ہیں۔

اس جماعت اور اس صف بندی کے بعد آپ کرتے کیا ہیں؟ یک زبان ہوکر اپنے مالک سے عرض کرتے ہیں کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ "ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں" اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ "ہم کو سیدھے رستے پر چلا" رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ۔ "ہمارے پروردگار تیرے ہی لیے حمد ہے" اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ۔ "ہم سب پر سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر"۔ پھر نماز ختم کرکے آپ ایک دوسرے کے لیے سلامتی اور رحمت کی دعا کرتے ہیں کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ سب ایک دوسرے کے خیرخواہ ہیں، سب مل کر ایک ہی مالک سے سب کے لیے بھلائی کی دعا کرتے ہیں۔ آپ اکیلے اکیلے نہیں ہیں۔ آپ میں سے کوئی تنہا سب کچھ اپنے لیے نہیں مانگتا بلکہ ہر ایک کی دعا یہی ہے کہ سب پر خدا کا فضل ہو، سب کو ایک ہی سیدھے رستے پر چلنے کی توفیق بخشی جائے، اور سب خدا کی سلامتی میں شامل ہوں۔ اس طرح یہ نماز آپ کے دلوں کو جوڑتی ہے، آپ کے خیالات میں یکسانی پیدا کرتی ہے اور آپ میں خیرخواہی کا تعلق پیدا کرتی ہے۔

مگر دیکھ لیجیے کہ جماعت کی نماز آپ کبھی امام کے بغیر نہیں پڑھتے۔ دو آدمی بھی مل کر پڑھیں گے تو ایک امام ہوگا اور دوسرا مقتدی۔ جماعت جب کھڑی ہوجائے تو اس سے الگ ہوکر نماز پڑھنا سخت ممنوع ہے، بلکہ ایسی نماز ہوتی

ہی نہیں حکم ہے کہ ہر آبادی میں ایک امام کے پیچھے جماعت میں شریک ہونا چاہئے۔ یہ سب چیزیں محض نماز ہی کے لیے نہیں ہیں، بلکہ ان میں دراصل آپ کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنی ہے تو اس طرح جماعت بن کر رہو۔ تمہاری جماعت، جماعت ہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ تمہارا کوئی امام نہ ہو اور جماعت جب بن جائے تو اس سے الگ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ تمہاری زندگی مسلمان کی زندگی نہیں رہی۔

صرف اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ جماعت میں امام اور مقتدیوں کا تعلق اس طور پر قائم کیا گیا جس سے آپ کو معلوم ہو جائے کہ اس چھوٹی مسجد سے باہر اس عظیم الشان مسجد میں جس کا نام "زمین" ہے آپ کے امام کی حیثیت کیا ہے، اس کے فرائض کیا ہیں، اس کے حقوق کیا ہیں، آپ کو کس طرح اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور کن باتوں میں کرنی چاہیے، اگر وہ غلطی کرے تو آپ کیا کریں، کہاں تک آپ کو غلطی میں بھی اس کی پیروی کرنی چاہیے، کہاں آپ اس کو ٹوکنے کے مجاز ہیں، کہاں آپ اس سے مطالبہ کر سکتے ہیں کہ اپنی غلطی کی اصلاح کرے اور کس موقع پر آپ اس کو امامت سے ہٹا سکتے ہیں۔ یہ سب گویا چھوٹے پیمانے پر ایک بڑی سلطنت کو چلانے کی مشق ہے جو ہر روز پانچ مرتبہ آپ سے ہر چھوٹی سے چھوٹی مسجد میں کرائی جاتی ہے۔

یہاں اتنا موقع نہیں کہ میں ان ساری تفصیلات کو بیان کروں مگر چند موٹی موٹی باتیں بیان کرتا ہوں۔

حکم ہے کہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو پرہیزگار ہو، علم میں زیادہ ہو، قرآن زیادہ جانتا ہو، اور سن رسیدہ بھی ہو۔ حدیث میں ترتیب بھی بتا دی گئی کہ ان صفات میں کونسی صفت کس صفت پر مقدم ہے۔ یہیں سے یہ تعلیم بھی دیدی گئی کہ سردار قوم کے انتخاب میں کن باتوں کا لحاظ کرنا چاہیے۔

حکم ہے کہ امام ایسا شخص نہ ہو جس سے جماعت کی اکثریت ناراض ہو۔ یوں تو تھوڑے بہت مخالف کس کے نہیں ہوتے لیکن اگر جماعت میں زیادہ تر آدمی کسی شخص سے نفرت رکھتے ہوں تو اسے امام نہ بنایا جائے۔ یہاں پھر سردار قوم کے انتخاب کا ایک قاعدہ بتا دیا گیا۔

حکم ہے کہ جو شخص جماعت کا امام بنایا جائے وہ نماز ایسی پڑھائے کہ جماعت کے ضعیف ترین آدمی کو بھی

تکلیف نہ ہو محض جوان، مضبوط، تندرست اور فرصت والے آدمیوں کو ہی پیش نظر رکھ کر لمبی لمبی قرات اور لمبے لمبے رکوع اور سجدے نہ کرنے لگے، بلکہ یہ بھی دیکھے کہ جماعت میں بوڑھے بھی ہیں، بیمار بھی ہیں، کمزور بھی ہیں اور ایسے مشغول آدمی بھی ہیں جو جلدی نماز پڑھ کر اپنے کام پر واپس جانا چاہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں یہاں تک رحم اور شفقت کا نمونہ پیش فرمایا ہے کہ نماز پڑھاتے میں کسی بچے کے رونے کی آواز آجاتی تو نماز مختصر کر دیتے تھے تاکہ اگر بچے کی ماں جماعت میں شریک ہے تو اسے تکلیف نہ ہو۔ یہ گویا سردار قوم کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ جب سردار بنایا جائے تو قوم کے اندر اس کا طرز عمل کیسا ہونا چاہیے۔

حکم ہے کہ اگر امام کو نماز پڑھاتے میں کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جس کی وجہ سے وہ نماز پڑھانے کے قابل نہ رہے تو فوراً ہٹ جائے اور اپنی جگہ پیچھے کے آدمی کو کھڑا کر دے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سردار قوم کا بھی یہی فرض ہے۔ جب وہ سرداری کے قابل اپنے آپ کو نہ پائے تو اسے خود ہٹ جانا چاہیے اور دوسرے اہل آدمی کے لیے جگہ خالی کر دینی چاہیے۔ اس میں نہ شرم کا کچھ کام ہے اور نہ خودغرضی کا۔

حکم ہے کہ امام کے فعل کی سختی کے ساتھ پابندی کرو۔ اس کی حرکت سے پہلے حرکت کرنا سخت ممنوع ہے، یہاں تک کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے میں جائے اس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ وہ گدھے کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔ یہاں گویا قوم کو سبق دیا گیا ہے کہ اسے اپنے سردار کی اطاعت کس طرح کرنی چاہیے۔

امام اگر نماز میں غلطی کرے مثلاً جہاں اسے بیٹھنا چاہیے تھا وہاں کھڑا ہو جائے یا جہاں کھڑا ہونا چاہیے تھا وہاں بیٹھ جائے تو حکم ہے کہ سبحان اللہ کہہ کر اسے غلطی پر متنبہ کرو۔ سبحان اللہ کے معنی ہیں "اللہ پاک ہے"۔ امام کی غلطی پر سبحان اللہ کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ غلطی سے تو صرف اللہ ہی پاک ہے۔ تم انسان ہو تم سے بھول چوک ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ طریقہ ہے امام کو ٹوکنے کا۔ اور جب اس طرح اسے ٹوکا جائے تو اس کو لازم ہے کہ بلا کسی شرم و لحاظ کے اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ البتہ اگر ٹوکے جانے کے باوجود امام کو یقین ہو کہ اس نے صحیح فعل کیا ہے تو وہ اپنے یقین کے مطابق عمل کر سکتا ہے اور اس صورت میں جماعت

کا کام یہ ہے کہ اس کے عمل کو غلط جاننے کے باوجود اس کا ساتھ دیں۔ نماز ختم ہونے کے بعد مقتدی حق رکھتے ہیں کہ امام پر اس کی غلطی ثابت کریں اور نماز دوبارہ پڑھانے کا اس سے مطالبہ کریں۔

امام کے ساتھ جماعت کا یہ برتاؤ صرف ان حالات کے لیے ہے جبکہ غلطی چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہو۔ لیکن اگر امام سنتِ نبوی کے خلاف نماز کی ترکیب بدل دے یا نماز میں قرآن کو جان بوجھ کر غلط پڑھے یا نماز پڑھاتے ہوئے کفر اور شرک یا صریح گناہ کا ارتکاب کرے تو جماعت کا فرض ہے کہ اسی وقت نماز توڑ کر اس امام سے الگ ہو جائے۔

یہ سب ہدایتیں ایسی ہیں جن میں پوری تعلیم دے دی گئی ہے کہ تم کو اپنی قومی زندگی میں اپنے قومی سردار کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔

برادرانِ اسلام! یہ فوائد جو میں نے نماز باجماعت کے بیان کیے ہیں ان سے آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس ایک عبادت میں جو دن بھر میں پانچ مرتبہ صرف چند منٹ کے لیے ادا کی جاتی ہے کس طرح دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں آپ کے لیے جمع کر دی ہیں، کس طرح یہی ایک چیز آپ کو تمام سعادتوں سے مالا مال کر دیتی ہے، اور کس طرح یہ آپ کو اللہ کی غلامی اور دنیا کی حکمرانی کے لیے تیار کرتی ہے۔ اب آپ ضرور یہ سوال کریں گے کہ جب نماز ایسی چیز ہے تو جو فائدے تم اس کے بیان کرتے ہو وہ حاصل کیوں نہیں ہوتے؟ اس کا جواب ان شاء اللہ آئندہ خطبہ میں دوں گا۔

نمازیں بے اثر کیوں ہو گئیں؟

برادرانِ اسلام! آج کے خطبہ میں مجھے آپ کو یہ بتانا ہے کہ جس نماز کے اس قدر فائدے میں نے کئی خطبوں میں مسلسل آپ کے سامنے بیان کیے ہیں وہ اب کیوں وہ فائدے نہیں دے رہی ہے؟ کیا بات ہے کہ آپ نمازیں پڑھتے ہیں اور پھر بھی غلام ہیں؟ پھر بھی کفار آپ پر غالب ہیں؟ پھر بھی آپ دنیا میں تباہ حال اور نکبت زدہ ہیں؟

اس کا مختصر جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نمازیں پڑھتے ہی نہیں اور پڑھتے بھی ہیں تو اس طریقہ سے نہیں پڑھتے جو خدا اور رسول نے بتایا ہے، اس لیے ان فائدوں کی توقع آپ نہیں کر سکتے جو مومن کو معراجِ کمال تک پہنچانے والی نماز سے پہنچنے چاہییں ـــــ لیکن میں جانتا ہوں کہ صرف اتنا سا جواب آپ کو مطمئن نہیں کر سکتا، اس لیے ذرا تفصیل کے ساتھ آپ کو یہ بات سمجھاؤں گا۔

یہ گھنٹا جو آپ کے سامنے لٹک رہا ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ اس میں بہت سے پرزے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں جب اس کو کوک دی جاتی ہے تو سب پرزے اپنا اپنا کام شروع کر دیتے ہیں اور ان کے حرکت کرنے کے ساتھ ہی باہر کے سفید تختے پر ان کی حرکت کا نتیجہ ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے، یعنی گھنٹہ کی دونوں سوئیاں چل کر ایک ایک سکنڈ اور ایک ایک منٹ بتانے لگتی ہیں۔ اب آپ ذرا غور کی نگاہ سے دیکھیے۔ گھنٹے کے بنانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ صحیح وقت بتائے۔ اس مقصد کے لیے گھنٹے کی مشین میں وہ سب پرزے جمع کیے گئے جو صحیح وقت بتانے کے لیے ضروری تھے، پھر ان سب کو اس طرح جوڑا گیا کہ سب مل کر باقاعدہ حرکت کریں اور ہر پرزہ وہی کام اور اتنا ہی کام کرتا چلا جائے جتنا صحیح وقت بتانے کے لیے اس کو کرنا چاہیے، پھر کوک دینے کا قاعدہ مقرر کیا گیا تاکہ ان پرزوں کو ٹھیرنے نہ دیا جائے اور تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد ان کو حرکت دی جاتی

رہے۔ اس طرح جب تمام پرزوں کو ٹھیک ٹھیک جوڑا گیا اور ان کو کوک دی گئی تب کہیں یہ گھنٹہ اس قابل ہوا کہ وہ مقصد پورا کرے جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے۔ اگر آپ اُسے کوک نہ دیں تو یہ وقت نہیں بتائے گا۔ اگر آپ کوک دیں لیکن اس قاعدے کے مطابق نہ دیں جو کوک دینے کے لیے مقرر کیا گیا ہے تو یہ بند ہو جائے گا یا چلے گا بھی تو صحیح وقت نہ بتائے گا۔ اگر آپ اس کے بعض پرزے نکال ڈالیں اور پھر کوک دیں تو اس کوک سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اگر آپ اس کے بعض پرزوں کو نکال کر اس کی جگہ سنگر مشین کے پُرزے لگا دیں اور پھر کوک دیں تو یہ نہ وقت بتائے گا اور نہ کپڑا ہی سیئے گا۔ اگر آپ اس کے سارے پُرزے اس کے اندر بدستور رہنے دیں لیکن ان کو کھول کر ایک دوسرے سے الگ کر دیں تو کوک دینے سے کوئی پرزہ بھی حرکت نہ کرے گا۔ کہنے کو سارے پُرزے اس کے اندر موجود ہوں گے، مگر محض پرزوں کے موجود رہنے سے وہ مقصد حاصل نہ ہو گا جس کے لیے گھنٹہ بنایا گیا ہے، کیونکہ ان کی ترتیب اور ان کا آپس کا تعلق آپ نے توڑ دیا ہے جس کی وجہ سے وہ مل کر حرکت نہیں کر سکتے۔ یہ سب صورتیں جو میں نے آپ سے بیان کی ہیں، ان میں اگرچہ گھنٹے کی ہستی اور اس میں کوک دینے کا فعل دونوں بیکار ہو جاتے ہیں، لیکن دور سے دیکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ گھنٹہ نہیں ہے، یا آپ کوک نہیں دے رہے ہیں۔ وہ تو یہی کہے گا کہ صورت بالکل گھنٹے جیسی ہے، اور یہی امید کرے گا کہ گھنٹے کا جو فائدہ ہے وہ اس سے حاصل ہونا چاہیے اسی طرح جب وہ آپ کو کوک دیتے ہوئے دیکھے گا تو یہی خیال کرے گا کہ آپ واقعی گھنٹے کو کوک دے رہے ہیں، اور یہی توقع کرے گا کہ گھنٹے کو کوک دینے کا جو نتیجہ ہے وہ ظاہر ہونا چاہیے۔ لیکن یہ توقع پوری کیسے ہو سکتی ہے جبکہ یہ گھنٹہ بس دور سے دیکھنے ہی کا گھنٹہ ہے اور حقیقت میں اس کے اندر گھنٹہ پن باقی نہیں رہا ہے؟

یہ مثال جو میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہے اس سے آپ سارا معاملہ سمجھ سکتے ہیں۔ اسلام کو اسی گھنٹہ پر قیاس کر لیجیے۔ جس طرح گھنٹے کا مقصد صحیح وقت بتانا ہے اسی طرح اسلام کا مقصد یہ ہے کہ زمین میں آپ خدا کے خلیفہ یعنی خدائی فوجدار بن کر رہیں، خود خدا کے حکم پر چلیں سب پر خدا کا حکم چلائیں، اور سب کو خدا کے قانون کا تابع بنا کر رکھیں۔ اس مقصد کو صاف طور پر قرآن میں بیان کر دیا گیا ہے کہ:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔

تم وہ بہترین امت ہو جسے نوع انسانی کے لیے نکالا گیا ہے۔ تمھارا کام یہ ہے کہ سب انسانوں کو نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور اللہ پر ایمان رکھو۔

اور

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ

لوگوں سے جنگ کرو یہاں تک کہ غیر اللہ کی فرماں برداری کا فتنہ مٹ جائے اور اطاعت پوری کی پوری صرف اللہ کے لیے ہو۔

اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے گھنٹے کے پرزوں کی طرح اسلام میں بھی وہ تمام پرزے جمع کیے گئے ہیں جو اس غرض کے لیے مناسب اور ضروری تھے۔ دین کے عقائد، اخلاق کے اصول، معاملات کے قاعدے، خدا کے حقوق، بندوں کے حقوق، خود اپنے نفس کے حقوق، دنیا کی ہر اس چیز کے حقوق جس سے آپ کو واسطہ پیش آتا ہے، کمانے کے قاعدے اور خرچ کرنے کے طریقے، جنگ کے قانون اور صلح کے قاعدے، حکومت کرنے کے قوانین اور حکومت اسلامی کی اطاعت کرنے کے ڈھنگ، یہ سب اسلام کے پرزے ہیں اور ان کو گھڑی کے پرزوں کی طرح ایک ایسی ترتیب سے ایک دوسرے کے ساتھ کسا گیا ہے کہ جوں ہی اس میں کوک دی جائے، ہر پرزہ دوسرے پرزوں کے ساتھ مل کر حرکت کرنے لگے۔ اور ان سب کی حرکت سے اصل نتیجہ یعنی اسلام کا غلبہ اور دنیا پر خدائی قانون کا تسلط اس طرح مسلسل ظاہر ہونا شروع ہو جائے جس طرح اس گھنٹے کو آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کے پرزوں کی حرکت کے ساتھ ہی باہر کے سفید تختے پر نتیجہ برابر ظاہر ہوتا چلا جاتا ہے۔

گھڑی میں پرزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھے رکھنے کے لیے چند کیلیں اور چند پتیاں لگائی گئی ہیں۔ اسی طرح اسلام کے تمام پرزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑا رکھنے اور ان کی صحیح ترتیب قائم رکھنے کے لیے وہ چیز رکھی گئی ہے جس کو نظام جماعت کہا جاتا ہے یعنی مسلمانوں کا ایک ایسا سردار جو دین کا صحیح علم اور تقوی کی صفت رکھتا ہو، جماعت کے دماغ بل کر اس کی مدد کریں، جماعت کے ہاتھ پاؤں اس کی اطاعت کریں، ان سب کی طاقت

سے وہ اسلام کے قوانین نافذ کرے اور لوگوں کو ان قوانین کی خلاف ورزی سے روکے۔ اس طریقے سے جب سارے پرزے ایک دوسرے کے ساتھ جڑ جائیں اور ان کی ترتیب ٹھیک قائم ہو جائے تو ان کو حرکت دینے اور دیتے رہنے کے لیے کوک کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہی کوک یہ نماز ہے جو ہر روز پانچ وقت پڑھی جاتی ہے۔ پھر اس گھڑی کو صاف کرتے رہنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور وہ صفائی یہ روزے ہیں جو سال بھر میں تیس دن رکھے جاتے ہیں۔ اور اس گھڑی کو تیل دیتے رہنے کی بھی ضرورت ہے، سو زکوٰۃ وہ تیل ہے جو سال بھر میں ایک مرتبہ اس کے پرزوں کو دیا جاتا ہے۔ یہ تیل کہیں باہر سے نہیں آتا بلکہ اسی گھڑی کے بعض پرزے تیل بناتے ہیں اور بعض سوکھے ہوئے پرزوں کو روغن دار کر کے آسانی کے ساتھ چلنے کے قابل بنا دیتے ہیں۔ پھر اسے کبھی کبھی اوورہال کرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، سو وہ اوورہالنگ یہ حج ہے جو عمر میں ایک مرتبہ کرنا ضروری ہے اور اس سے زیادہ جتنا کیا جا سکے اتنا ہی بہتر ہے۔

اب آپ غور کیجیے کہ یہ کوک دینا اور صفائی کرنا اور تیل دینا اور اوورہال کرنا اسی وقت تو مفید ہو سکتا ہے جب اس فریم میں اسی گھڑی کے پرزے موجود ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ اسی ترتیب سے جڑے ہوئے ہوں جس سے گھڑی ساز نے انھیں جوڑا تھا، اور ایسے تیار ہیں کہ کوک دیتے ہی اپنی مقررہ حرکت کرنے لگیں اور حرکت کرتے ہی نتیجہ دکھانے لگیں لیکن یہاں معاملہ ہی کچھ دوسرا ہو گیا ہے۔ اول تو وہ نظامِ جماعت ہی باقی نہیں رہا جس سے اس گھڑی کے پرزوں کو باندھا گیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ سارے پیچ ڈھیلے ہو گئے اور پرزہ پرزہ الگ ہو کر بکھر گیا۔ اب جو جس کے جی میں آتا ہے کرتا ہے، کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔ ہر شخص مختار ہے، اس کا دل چاہے تو اسلام کے قانون کی پیروی کرے، اور نہ چاہے تو نہ کرے۔ اس پر بھی آپ لوگوں کا دل ٹھنڈا نہ ہوا تو آپ نے اس گھڑی کے بہت سے پرزے نکال ڈالے اور ان کی جگہ ہر شخص نے اپنی اپنی پسند کے مطابق جس دوسری مشین کا پرزہ چاہا لا کر اس میں فٹ کر دیا۔ کوئی صاحب سنگر مشین کا پرزہ پسند کر کے لے آئے، کسی صاحب کو آٹا پیسنے کی چکی کا کوئی پرزہ پسند آ گیا تو وہ اسے اُٹھا لائے، اور کسی صاحب نے موٹر لاری کی کوئی چیز پسند

کی تو اسے لاکر اس گھڑی میں لگا دیا۔ اب آپ مسلمان بھی ہیں اور بنک سے سودی کاروبار بھی چل رہا ہے، انشورنس کمپنی میں بیمہ بھی کرا رکھا ہے، انگریزی عدالتوں میں چھوٹے بڑے مقدمے بھی لڑ رہے ہیں، کفار کی وفادارانہ خدمت بھی ہو رہی ہے بیٹیوں اور بہنوں اور بیویوں کو میم صاحب بھی بنایا جا رہا ہے، بچوں کو مادہ پرستانہ تعلیم بھی دی جا رہی ہے، گاندھی صاحب کی پیروی بھی ہو رہی ہے، اور لینن صاحب کے راگ بھی گائے جاتے ہیں، غرض کوئی غیر اسلامی چیز ایسی نہیں رہی ہے جسے ہمارے بھائی مسلمانوں نے لا لاکر اسلام کی اس گھڑی کے فریم میں ٹھونس نہ دیا ہو۔

یہ سب حرکتیں کرنے کے بعد آپ چاہتے ہیں کہ کوک دینے سے یہ گھڑی چلے اور وہی نتیجہ دکھائے جس کے لیے اس گھڑی کو بنایا گیا تھا، اور صفائی کرنے تیل دینے اور اوورہال کرنے سے، وہی فائدے ہوں جو ان کاموں کے لیے مقرر ہیں۔ مگر ذرا عقل سے آپ کام لیں تو بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ جو حال آپ نے اس گھڑی کا کر دیا ہے اس میں عمر بھر کوک دینے اور صفائی کرنے اور تیل دیتے رہنے سے بھی کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا جب تک آپ باہر سے آئے ہوئے تمام پرزوں کو نکال کر اس کے اصلی پرزے اس میں نہ رکھیں گے، اور پھر ان پرزوں کو اسی ترتیب کے ساتھ جوڑ کر کس نہ دیں گے جس طرح ابتدا میں انھیں جوڑا اور کسا گیا تھا، آپ ہرگز ان نتائج کی توقع نہیں کر سکتے جو اس سے کبھی ظاہر ہوتے تھے۔

خوب سمجھ لیجیے کہ یہ اصلی وجہ ہے آپ کی نمازوں اور روزوں اور زکوٰۃ اور حج کے بے نتیجہ ہو جانے کی اول تو آپ میں سے نمازیں پڑھنے والے اور روزے رکھنے والے اور زکوٰۃ اور حج ادا کرنے والے ہیں ہی کتنے۔ نظامِ جماعت کے بکھر جانے سے ہر شخص مختارِ مطلق ہو گیا ہے، چاہے ان فرائض کو ادا کرے، چاہے نہ کرے۔ کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔ پھر جو لوگ انھیں ادا کرتے ہیں وہ بھی کس طرح کرتے ہیں؟ نمازوں میں جماعت کی پابندی نہیں۔ اور اگر کہیں جماعت کی پابندی ہے بھی تو مسجدوں کی امامت کے لیے ان لوگوں کو چنا جاتا ہے جو دنیا میں کسی اور کام کے قابل نہیں ہوتے مسجد کی روٹیاں کھانے والے، فرض دینی کو کمائی کا ذریعہ سمجھنے والے، جاہل، کم حوصلہ اور پست خلاق لوگوں کو آپ نے اس نماز کا امام بنایا ہے جو آپ کو خدا کا خلیفہ اور دنیا میں خدائی فوجدار بنانے کے لیے مقرر کی گئی تھی۔ اسی طرح روزے اور زکوٰۃ اور حج کا جو حال ہے وہ بھی ناقابلِ بیان ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود آپ

کہہ سکتے ہیں کہ اب بھی بہت سے مسلمان اپنے فرائض دینی بجا لانے والے ضرور ہیں لیکن جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں گھڑی کا پرزہ پرزہ الگ کر کے اور اس میں باہر کی بیسیوں چیزیں داخل کر کے آپ کا کوک دینا اور نہ دینا، صفائی کرنا اور نہ کرنا تیل دینا اور نہ دینا، دونوں بے نتیجہ ہیں۔ آپ کی یہ گھڑی دور سے گھڑی ہی نظر آتی ہے، دیکھنے والا بھی کہتا ہے کہ یہ اسلام ہے اور آپ مسلمان ہیں۔ آپ جب اس گھڑی کو کوک دیتے اور صفائی کرتے ہیں تو دور سے دیکھنے والا بھی سمجھتا ہے کہ واقعی آپ کوک دے رہے ہیں اور صفائی کر رہے ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ نماز نماز نہیں ہے، یا روزے روزے نہیں ہیں۔ مگر دیکھنے والوں کو کیا خبر کہ اس ظاہری فریم کے اندر کیا کچھ کارستانیاں کی گئی ہیں۔

برادرانِ اسلام! میں نے آپ کو اصل وجہ بتا دی کہ آپ کے یہ مذہبی اعمال آج کیوں بے نتیجہ ہو رہے ہیں، اور کیا وجہ ہے کہ نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے کے باوجود آپ خدائی فوجدار بننے کے بجائے کفار کے قیدی اور ہر ظالم کے تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں لیکن اگر برا نہ مانیے تو میں آپ کو اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات بتاؤں۔ آپ کو اپنی اس حالت کا رنج اور اپنی مصیبت کا احساس ضرور ہے، مگر آپ کے اندر ہزار میں نوسو ننانوے بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگ ایسے ہیں جو اس حالت کو بدلنے کی صحیح صورت کے لیے راضی نہیں ہیں۔ وہ اسلام کے اس گھنٹے کو جس کا پرزا پرزا اندر سے الگ کر دیا گیا ہے اور جس میں اپنی پسند کے مطابق ہر شخص نے کوئی نہ کوئی چیز ملا رکھی ہے، از سر نو مرتب کرنا برداشت نہیں کر سکتے کیونکہ جب اس میں سے بیرونی چیزیں نکالی جائیں گی تو ان کی پسند کی بھی کچھ چیزیں نکل کر رہیں گی، اور جب اس کو کسا جائے گا تو وہ خود بھی اس کے ساتھ کسے جائیں گے۔ اور یہ ایسی مشقت ہے جسے برضا و رغبت گوارا کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ اس لیے وہ بس یہ چاہتے ہیں کہ یہ گھنٹا اسی حال میں دیوار کی زینت بنا رہے اور دور دور سے لا لا کر لوگوں کو اس کی زیارت کرائی جائے، اور انھیں بتایا جائے کہ اس گھنٹے میں ایسی اور ایسی کرامات چھپی ہوئی ہیں۔ اس سے بڑھ کر جو لوگ کچھ زیادہ اس گھنٹے کے ہوا خواہ ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اسی حالت میں اس کو خوب دل لگا لگا کر کوک دی جائے اور نہایت تندہی کے ساتھ اس کی

صفائی کی جائے، مگر حاشا کہ اس کے پرزوں کو مرتب کرنے اور کثافت اور بیرونی پرزے نکال پھینکنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔

کاش میں آپ کی ہاں میں ہاں ملا سکتا۔ مگر میں کیا کروں کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اس کے خلاف نہیں کہہ سکتا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جس حالت میں آپ اس وقت ہیں اس میں پانچ وقت کی نمازوں کے ساتھ بھی! اور اشراق اور چاشت بھی آپ پڑھنے لگیں، اور پانچ پانچ گھنٹے روزانہ قرآن بھی پڑھیں، اور رمضان شریف کے علاوہ گیارہ مہینوں میں سال کے پانچ مہینے کے مزید روزے بھی رکھ لیا کریں تب بھی کچھ حاصل نہ ہوگا گھڑی کے اندر اس کے اصلی پرزے رکھے ہوں اور انہیں کس دیا جائے تب تو ذرا سی کوک بھی اس کو چلا دے گی۔ تھوڑا سا صاف کرنا اور ذرا سا تیل دینا بھی نتیجہ خیز ہوگا۔ ورنہ عمر بھر کوک دیتے رہیئے، گھڑی نہ چلنی ہے نہ چلے گی۔ و ما علینا الا البلاغ۔

روزہ

برادرانِ اسلام! دوسری عبادت جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرض کی ہے "روزہ" ہے۔ روزہ سے مراد یہ ہے کہ صبح سے شام تک آدمی کھانے پینے اور مباشرت سے پرہیز کرے۔ نماز کی طرح یہ عبادت بھی ابتدا سے تمام پیغمبروں کی شریعت میں فرض رہی ہے۔ پچھلی جتنی امتیں گذری ہیں سب اسی طرح روزے رکھتی تھیں جس طرح امتِ محمدی رکھتی ہے۔ البتہ روزے کے احکام، اور روزوں کی تعداد اور روزے رکھنے کے زمانہ میں مختلف شریعتوں کے درمیان فرق رہا ہے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر مذاہب میں روزہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود ہے اگرچہ لوگوں نے اپنی طرف سے بہت سی باتیں ملا کر اس کی شکل بگاڑ دی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ یعنی "اے مسلمانو! تمھارے اوپر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے کی امتوں پر فرض کیا گیا تھا۔" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنی شریعتیں آئی ہیں وہ کبھی روزے کی عبادت سے خالی نہیں رہیں جس طرح نماز اور زکوٰۃ سے خالی نہیں رہی ہیں۔

غور کیجیے کہ آخر روزے میں کیا بات ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کو ہر زمانے میں فرض کیا ہے؟

اس سے پہلے کئی مرتبہ آپ سے بیان کر چکا ہوں کہ اسلام کا اصل مقصد انسان کی پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت بنا دینا ہے۔ انسان عبد یعنی بندہ پیدا ہوا ہے، اور عبدیت یعنی بندگی اس کی عین فطرت ہے، اس لیے عبادت یعنی خیال اور عمل میں اللہ کی بندگی کرنے سے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی اس کو آزاد نہ ہونا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے ہر معاملہ میں ہمیشہ اور ہر وقت یہ دیکھنا چاہیے کہ اللہ تعالےٰ کی

رضا اور خوشنودی کس چیز میں ہے، اور اس کا غضب اور ناراضی کس چیز میں۔ پھر جس طرف اللہ کی رضا ہو ادھر جانا چاہیے اور جس طرف اس کا غضب اور اس کی ناراضی ہو اس سے یوں بچنا چاہیے جیسے آگ کے انگارے سے کوئی بچتا ہے۔ جو طریقہ اللہ نے پسند کیا ہو اس پر چلنا چاہیے اور جس طریقہ کو اس نے پسند نہ کیا ہو اس سے بھاگنا چاہیے جب انسان کی ساری زندگی اس رنگ میں رنگ جائے تب سمجھو کہ اس نے اپنے مالک کی بندگی کا حق ادا کیا اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ کا منشا پورا کر دیا۔

یہ بات بھی اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں کہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے نام سے جو عبادتیں ہم پر فرض کی گئی ہیں ان کا اصلی مقصد اسی بڑی عبادت کے لیے ہم کو تیار کرنا ہے۔ ان کو فرض کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر تم نے دن میں پانچ وقت رکوع اور سجدہ کر لیا، رمضان میں تیس دن تک صبح سے شام تک بھوک پیاس برداشت کر لی، اور مال دار ہونے کی صورت میں سالانہ زکوٰۃ اور عمر میں ایک مرتبہ حج ادا کر دیا، تو اللہ کا جو کچھ حق تم پر تھا وہ ادا ہو گیا اور اس کے بعد تم اس کی بندگی سے آزاد ہو گئے کہ جو چاہو کرتے پھرو۔ بلکہ دراصل ان عبادتوں کو فرض کرنے کی غرض یہی ہے کہ ان کے ذریعہ سے آدمی کی تربیت کی جائے اور اس کو اس قابل بنایا جائے کہ اس کی پوری زندگی اللہ کی عبادت بن جائے۔ آئیے اب اس مقصد کو سامنے رکھ کر ہم دیکھیں کہ روزہ کس طرح آدمی کو اس بڑی عبادت کے لیے تیار کرتا ہے۔

روزہ کے سوا دوسری جتنی عبادتیں ہیں وہ کسی نہ کسی ظاہری حرکت سے ادا کی جاتی ہیں، مثلاً نماز میں آدمی اٹھتا اور بیٹھتا اور رکوع اور سجدہ کرتا ہے جس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ حج میں ایک لمبا سفر کر کے جاتا ہے اور پھر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے ساتھ سفر کرتا ہے۔ زکوٰۃ بھی کم از کم ایک شخص دیتا ہے اور دوسرا شخص لیتا ہے۔ ان سب عبادتوں کا حال چھپ نہیں سکتا۔ اگر آپ ادا کرتے ہیں تب بھی دوسروں کو معلوم ہو جاتا ہے، اور اگر ادا نہیں کرتے تب بھی لوگوں کو خبر ہو ہی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف روزہ ایسی عبادت ہے جس کا حال خدا اور بندے کے سوا کسی دوسرے پر نہیں کھل سکتا۔ ایک شخص سب کے سامنے سحری کھائے اور افطار کے وقت

تک ظاہر میں کچھ نہ کھائے پیے، مگر چھپ کر پانی پی جائے، یا کچھ چوری چھپے کھالے تو خدا کے سوا کسی کو بھی اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔ ساری دنیا یہی سمجھتی رہے گی کہ وہ روزہ سے ہے اور وہ حقیقت میں روزے سے نہ ہوگا۔

روزے کی اس حیثیت کو سامنے رکھو، پھر غور کرو کہ جو شخص حقیقت میں روزے رکھتا ہے اور اس میں چوری چھپے بھی کچھ نہیں کھاتا پیتا، سخت گرمی کی حالت میں بھی جبکہ پیاس سے حلق چٹخا جاتا ہو، پانی کا ایک قطرہ حلق سے نیچے نہیں اتارتا، سخت بھوک کی حالت میں بھی جبکہ آنکھوں میں دم آرہا ہو کوئی چیز کھانے کا ارادہ نہیں کرتا، اسے اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے پر کتنا ایمان ہے۔ کس قدر زبردست یقین کے ساتھ وہ جانتا ہے کہ اس کی کوئی حرکت چاہے ساری دنیا سے چھپ جائے مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتی۔ کیسا خوف خدا اس کے دل میں ہے کہ بڑی سے بڑی تکلیف اٹھاتا ہے مگر صرف اللہ کے خوف کی وجہ سے کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو اس کے روزے کو توڑنے والا ہو۔ کس قدر مضبوط اعتقاد ہے اس کو آخرت کی جزا و سزا پر کہ مہینہ بھر میں وہ کم از کم تین سو ساٹھ گھنٹہ کے روزے رکھتا ہے اور اس دوران میں کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے دل میں آخرت کے متعلق شک کا شائبہ تک نہیں آتا۔ کیونکہ اگر اسے اس امر میں شک ہو جائے کہ آخرت ہوگی یا نہ ہوگی اور اس میں عذاب و ثواب ہوگا یا نہ ہوگا، تو وہ کبھی اپنا روزہ پورا نہیں کر سکتا۔ شک کی فطرت یہی ہے کہ وہ آدمی کے ارادے کو متزلزل کر دیتا ہے۔ لہٰذا شک آنے کے بعد یہ ممکن نہیں ہے کہ آدمی خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ نہ کھانے اور نہ پینے کے ارادے پر قائم رہ جائے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کامل ایک مہینہ تک مسلمان کے ایمان کی مسلسل آزمائش کرتا ہے۔ اور اس آزمائش میں جتنا جتنا آدمی پورا اترتا جاتا ہے اتنا ہی اس کا ایمان مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ یہ گویا آزمائش کی آزمائش ہے، اور ٹریننگ کی ٹریننگ۔ آپ جب کسی شخص کے پاس امانت رکھواتے ہیں تو گویا اس کی ایمانداری کی آزمائش کرتے ہیں۔ اگر وہ اس آزمائش میں پورا اترے اور امانت میں خیانت نہ کرے

تو اس کے اندر امانتوں کا بوجھ سنبھالنے کی اور زیادہ طاقت پیدا ہوتی ہے اور وہ اور زیادہ امین بنتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی مسلسل ایک مہینہ تک روزانہ بارہ بارہ چودہ چودہ گھنٹے تک آپ کے ایمان کو کڑی آزمائش میں ڈالتا ہے، اور جب اس آزمائش میں آپ پورے اترتے ہیں تو آپ کے اندر اس بات کی مزید قابلیت پیدا ہونے لگتی ہے کہ اللہ سے ڈر کر دوسرے گناہوں سے بھی پرہیز کریں، اللہ کو عالم الغیب جان کر چوری چھپے بھی اس کے قانون کو توڑنے سے بچیں، اور ہر موقع پر قیامت کا وہ دن آپ کو یاد آجایا کرے جب سب کچھ کھل جائے گا اور بغیر کسی رو رعایت کے بھلائی کا بھلا اور برائی کا برا بدلہ ملے گا۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ	اے اہل ایمان! تمہارے اوپر روزے فرض کیے گئے ہیں
الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ	جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کیے گئے تھے، شاید
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (بقرہ۔۲۲)	کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

روزے کی ایک دوسری خصوصیت بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہ طویل مدت تک شریعت کے احکام کی اطاعت کراتا ہے۔ نماز کی مدت ایک وقت میں چند منٹ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت سال بھر میں صرف ایک دفعہ آتا ہے اور وہ بھی سب کے لیے نہیں۔ ان کے برخلاف روزہ سال بھر میں پورے ایک مہینہ تک شب و روز شریعت محمدی کے اتباع کی مشق کراتا ہے۔ صبح سحری کے لیے اٹھو، ٹھیک فلاں وقت پر کھانا پینا سب بند کردو، دن بھر میں فلاں فلاں کام کر سکتے ہو اور فلاں فلاں کام نہیں کر سکتے، شام کو ٹھیک فلاں وقت پر افطار کرو، پھر کھانا کھا کر آرام کرلو، پھر تراویح کے لیے دوڑو۔ اس طرح ہر سال کامل مہینہ بھر صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک مسلمان کو مسلسل فوجی سپاہیوں کی طرح پورے قاعدے اور ضابطہ میں رکھا جاتا ہے اور پھر گیارہ مہینہ کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ جو تربیت اس مہینہ میں اس نے حاصل کی ہے اس کے اثرات ظاہر ہوں، اور جو کمی پائی جائے وہ پھر دوسرے سال کی ٹریننگ میں پوری

کی جائے۔

اس قسم کی تربیت کے لیے ایک ایک شخص کو الگ سے کر تیار کرنا کسی طرح موزوں نہیں ہوتا۔ فوج میں بھی آپ دیکھتے ہیں کہ ایک ایک شخص کو الگ الگ قواعد نہیں کرائی جاتی بلکہ پوری فوج کی فوج ایک ساتھ قواعد کرتی ہے، سب کو ایک وقت بگل کی آواز پر اٹھنا اور بگل کی آواز پر کام کرنا ہوتا ہے، تاکہ ان میں جماعت بن کر متفقہ کام کرنے کی عادت ہو، اور اس کے ساتھ ہی وہ سب ایک دوسرے کی تربیت میں مددگار ہوں، یعنی ایک شخص کی تربیت میں جو کچھ نقصان رہ جائے اس کی کمی کو دوسرا اور دوسرے کی کمی کو تیسرا پورا کردے۔ اسی طرح اسلام میں بھی رمضان کا مہینہ روزے کی عبادت کے لیے مخصوص کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ ایک وقت میں سب کے سب مل کر روزہ رکھیں۔ اس حکم نے انفرادی عبادت کو اجتماعی عبادت بنا دیا۔ جس طرح ایک کے عدد کو لاکھ سے ضرب دو تو لاکھ کا زبردست عدد بن جاتا ہے اسی طرح ایک ایک شخص کے روزہ رکھنے سے جو اخلاقی اور روحانی فائدے ہو سکتے ہیں، لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے مل کر روزہ رکھنے سے وہ لاکھوں کروڑوں گنے زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ رمضان کا مہینہ پوری فضا کو نیکی اور پرہیزگاری کی روح سے بھر دیتا ہے۔ پوری قوم میں گویا تقویٰ کی کھیتی سرسبز ہو جاتی ہے۔ ہر شخص نہ صرف خود گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، بلکہ اگر اس میں کوئی کمزوری ہوتی ہے تو اس کے دوسرے بہت سے بھائی جو اسی کی طرح روزہ دار ہیں، اس کی پشت پناہ بن جاتے ہیں۔ ہر شخص کو روزہ رکھ کر گناہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے، اور ہر ایک کے دل میں خود بخود یہ خواہش ابھرتی ہے کہ کچھ بھلائی کا کام کرے، کسی غریب کو کھانا کھلائے، کسی ننگے کو کپڑا پہنائے، کسی مصیبت زدہ کی مدد کرے، کسی جگہ اگر کوئی نیک کام ہو رہا ہو تو اس میں حصہ لے اور اگر کہیں علانیہ بدی ہو رہی ہو تو اُسے روکے۔ نیکی اور تقویٰ کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے، اور بھلائیوں کے پھلنے پھولنے کا موسم آ جاتا ہے جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ ہر غلہ اپنے موسم آنے پر خوب پھلتا پھولتا ہے اور ہر طرف کھیتوں پر چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة	آدمی کا ہر عمل خدا کے ہاں کچھ نہ کچھ بڑھتا ہے۔ ایک نیکی دس گنی
بعشر امثالها الى سبع مائة ضعف قال	سے سات سو گنی تک پھلتی پھولتی ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ
الله تعالى الا الصوم فانه لي وانا اجزي	روزہ اس سے مستثنیٰ ہے وہ خاص میرے لیے ہے اور میں اس کا
به۔	جتنا چاہتا ہوں بدلہ دیتا ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیکی کرنے والے کی نیت اور نیکی کے نتائج کے لحاظ سے تمام اعمال پھلتے پھولتے ہیں اور ان کی ترقی کے لیے ایک حد مقرر ہے۔ مگر روزے کی ترقی کے لیے کوئی حد مقرر نہیں۔ رمضان چونکہ خیر اور صلاح کے پھلنے پھولنے کا موسم ہے اور اس موسم میں ایک شخص نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں مسلمان مل کر اس نیکی کے باغ کو پانی دیتے ہیں اس لیے یہ بے حد و حساب بڑھ سکتا ہے۔ جتنی زیادہ نیک نیتی کے ساتھ اس مہینہ میں عمل کروگے جس قدر زیادہ برکتوں سے خود فائدہ اٹھاؤ گے اور اپنے دوسرے بھائیوں کو فائدہ پہنچاؤ گے، اور پھر جس قدر زیادہ اس مہینہ کے اثرات بعد کے گیارہ مہینوں میں باقی رکھو گے، اتنا ہی یہ پھلے پھولے گا اور اس کے پھلنے پھولنے کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ تم خود اپنے عمل سے اس کو محدود کر لو تو یہ تمہارا اپنا قصور ہے۔

روزے کے یہ اثرات اور یہ نتائج سن کر آپ میں سے ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ یہ اثرات آج کہاں ہیں؟ ہم روزے بھی رکھتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں، مگر یہ نتیجے جو تم نے بیان کیے ہو ظاہر نہیں ہوتے۔ اس کی ایک وجہ تو میں آپ سے پہلے بیان کر چکا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اسلام کے اجزا کو الگ الگ کر دینے کے بعد اور بہت سی نئی چیزیں اس میں ملا دینے کے بعد آپ ان نتائج کی توقع نہیں کر سکتے جو پورے نظام کی بندھی ہوئی صورت ہی میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ ہے کہ عبادت کے متعلق آپ کا نقطۂ نظر بالکل بدل گیا ہے۔ اب آپ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ محض صبح سے شام تک کچھ نہ کھانے اور نہ پینے کا نام عبادت ہے، اور جب یہ کام آپ نے کر لیا تو عبادت

پوری ہوگئی۔ اسی طرح دوسری عبادتوں کی بھی محض ظاہری شکل کو آپ عبادت سمجھتے ہیں، اور عبادت کی اصلی روح جو آپ کے ہر عمل میں ہونی چاہیے اس سے عام طور پر آپ کے ۹۹ فی صدی بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمی غافل ہیں۔ اسی وجہ سے یہ عبادات اپنے پورے فائدے نہیں دکھاتیں، کیونکہ اسلام میں تو نیت اور فہم اور سمجھ بوجھ ہی پر سب کچھ منحصر ہے۔

ان شاء اللہ آئندہ خطبہ میں اس مضمون کی پوری تشریح کروں گا۔

روزہ کا اصل مقصد

برادران اسلام! ہر کام جو انسان کرتا ہے، اس میں دو چیزیں لازمی طور پر ہوا کرتی ہیں۔ ایک چیز تو وہ مقصد ہے جس کے لیے کام کیا جاتا ہے، اور دوسری چیز اس کام کی وہ خاص شکل ہے جو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اختیار کی جاتی ہے۔ مثلاً کھانا کھانے کے فعل کو لیجیے۔ کھانے سے آپ کا مقصد زندہ رہنا اور جسم کی طاقت کو بحال رکھنا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ آپ نوالے بناتے ہیں، منہ میں لے جاتے ہیں، دانتوں میں چباتے ہیں، اور حلق کے نیچے اتارتے ہیں۔ چونکہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سب سے زیادہ کارگر اور سب سے زیادہ مناسب طریقہ یہی ہو سکتا تھا، اس لیے آپ نے اسی کو اختیار کیا۔ لیکن آپ میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ اصل چیز وہ مقصد ہے جس کے لیے کھانا کھایا جاتا ہے، نہ کہ کھانے کے فعل کی یہ صورت۔ اگر کوئی شخص لکڑی کا برادہ یا راکھ یا مٹی لے کر اس کے نوالے بنائے اور منہ میں لے جائے اور دانتوں سے چبا کر حلق سے نیچے اتار لے تو آپ اسے کیا کہیں گے؟ یہی نا کہ اس کا دماغ خراب ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ احمق کھانے کے اصل مقصد کو نہیں سمجھا اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ بس فعل خوردن کے ان چاروں ارکان کو ادا کر دینے ہی کا نام کھانا کھانا ہے۔ اسی طرح آپ اس شخص کو بھی پاگل قرار دیں گے جو روٹی کھانے کے بعد فوراً ہی حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دیتا ہو اور پھر شکایت کرتا ہو کہ روٹی کھانے کے جو فائدے بیان کیے جاتے ہیں وہ مجھے حاصل ہی نہیں ہوتے، بلکہ میں تو الٹا روز بروز دبلا ہوتا جا رہا ہوں اور مر جانے کی نوبت آ گئی ہے۔ یہ احمق اپنی اس کمزوری کا الزام روٹی اور کھانے پر رکھتا ہے حالانکہ حماقت اس کی اپنی ہے۔ اس نے اپنی نادانی سے یہ سمجھ لیا کہ کھانے کا فعل جتنے ارکان سے مرکب ہے بس ان کو ادا کر دینے ہی سے زندگی کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے اس لیے اس نے سوچا کہ اب روٹی کا بوجھ اپنے معدے میں کیوں رکھوں؟ کیوں نہ اسے نکال

پھینکا جاسکے تاکہ پیٹ ہلکا ہو جائے۔ کھانے کے ارکان تو میں ادا کر ہی چکا ہوں۔ یہ احمقانہ خیال جو اس نے قائم کیا اور اس کی پیروی کی اس کی سزا بھی ظاہر ہے کہ اسی کو بھگتنی چاہیے۔ اس کو جاننا چاہیے تھا کہ جب تک روٹی پیٹ میں جاکر ہضم نہ ہو اور خون بن کر سارے جسم میں پھیل نہ جائے اس وقت تک زندگی کی طاقت حاصل نہیں ہو سکتی۔ کھانے کے ظاہری ارکان بھی اگرچہ ضروری ہیں، کیونکہ ان کے بغیر روٹی معدے تک نہیں پہنچ سکتی، مگر محض ان ظاہری ارکان سے کام نہیں چل سکتا۔ ان ارکان میں کوئی جادو بھرا ہوا نہیں ہے کہ انہیں ادا کرنے سے بس طلسماتی طریقہ پر آدمی کی رگوں میں خون دوڑنے لگتا ہو۔ خون پیدا کرنے کے لیے تو اللہ نے جو قانون بنایا ہے اسی کے مطابق وہ پیدا ہوگا۔ اس کو توڑو گے تو اپنے آپ کو خود ہلاک کرو گے۔

یہ مثال جو اس تفصیل کے ساتھ میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہے اس پر آپ غور کریں گے تو آپ کی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ آج آپ کی عبادتیں کیوں بے اثر ہو گئی ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی آپ سے بارہا بیان کر چکا ہوں، سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ آپ نے نماز روزے کے ارکان اور ان کی ظاہری صورتوں ہی کو اصل عبادت سمجھ رکھا ہے اور آپ اس خیال خام میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ جس نے یہ ارکان پوری طرح ادا کر دیے اس نے بس اللہ کی عبادت کر دی۔ آپ کی مثال اسی شخص کی سی ہے جو کھانے کے چاروں ارکان یعنی نوالے بنانا، منہ میں رکھنا، چبانا، حلق کے نیچے اتار دینا، بس انہی چاروں کے مجموعے کو کھانا سمجھتا ہے، اور یہ خیال کرتا ہے کہ جس نے یہ چار ارکان ادا کر دیے اس نے کھانا کھا لیا اور کھانے کے فائدے اس کو حاصل ہونے چاہییں، خواہ اس نے ان ارکان کے ساتھ مٹی اور پتھر اپنے پیٹ میں ڈالے ہوں، یا روٹی کھا کر فوراً قے کر دی ہو۔ اگر حقیقت میں آپ لوگ اس حماقت میں مبتلا نہیں ہو گئے ہیں تو مجھے بتایئے یہ ماجرا کیا ہے کہ جو روزہ دار صبح سے شام تک اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے وہ عین اس عبادت کی حالت میں جھوٹ کیسے بولتا ہے؟ غیبت کس طرح کرتا ہے؟ اس کی زبان سے گالیاں کیوں نکلتی ہیں؟ وہ لوگوں کا حق کیسے مار کھاتا ہے؟ حرام کھانے اور حرام کھلانے کے کام کس طرح کر لیتا ہے؟ اور پھر یہ سب کام کر کے بھی اپنے نزدیک یہ کیسے سمجھتا ہے کہ میں نے خدا کی عبادت کی ہے؟ کیا اس کی مثال اس شخص کی سی نہیں ہے جو راکھ اور

مٹی کھاتا ہے اور محض کھانے کے چار ارکان ادا کر دینے کو سمجھتا ہے کہ کھانا اسی کو کہتے ہیں؟

پھر مجھے بتائیے یہ کیا ماجرا ہے کہ رمضان بھر میں تقریباً ۳۶۰ گھنٹے خدا کی عبادت کرنے کے بعد جب آپ فارغ ہوتے ہیں تو اس پوری عبادت کے تمام اثرات شوال کی پہلی تاریخ ہی کو کافور ہو جاتے ہیں؟ ہندو اپنے تہواروں میں جو کچھ کرتے ہیں وہی سب آپ عید کے زمانے میں کرتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ شہروں میں تو عید کے روز بدکاری اور شراب نوشی اور قمار بازی تک ہوتی ہے۔ اور بعض ظالم تو میں نے ایسے دیکھے ہیں جو رمضان کے زمانہ میں دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو شراب پیتے اور زنا کرتے ہیں۔ عام مسلمان خدا کے فضل سے اس قدر بگڑے ہوئے تو نہیں ہیں، مگر رمضان ختم ہونے کے بعد آپ میں سے کتنے ایسے ہیں جن کے اندر عید کے دوسرے دن بھی تقویٰ اور پرہیزگاری کا کوئی اثر باقی رہتا ہو؟ خدا کے قوانین کی خلاف ورزی میں کونسی کسر اٹھا رکھی جاتی ہے؟ نیک کاموں میں کتنا حصہ لیا جاتا ہے؟ اور نفسانیت میں کیا کمی آجاتی ہے؟

سوچیے اور غور کیجیے کہ اس کی وجہ آخر کیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں عبادت کا مفہوم اور مطلب ہی غلط ہو گیا ہے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سحر سے لے کر مغرب تک کچھ نہ کھانے اور نہ پینے کا نام روزہ ہے اور بس یہی عبادت ہے۔ اس لیے روزے کی تو آپ پوری حفاظت کرتے ہیں۔ خدا کا خوف آپ کے دل میں اس قدر ہوتا ہے کہ جس چیز میں روزہ ٹوٹنے کا ذرا بھی اندیشہ ہو اس سے بھی بچتے ہیں۔ اور اگر جان پر بھی بن جائے تب بھی آپ کو روزہ توڑنے میں تامل ہوتا ہے لیکن آپ یہ نہیں جانتے کہ یہ بھوکا پیاسا رہنا اصل عبادت نہیں، بلکہ عبادت کی صورت ہے۔ اور یہ صورت مقرر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ آپ کے اندر خدا کا خوف اور خدا کی محبت پیدا ہو، اور آپ کے اندر اتنی طاقت پیدا ہو جائے کہ جس چیز میں دنیا بھر کے فائدے ہوں مگر خدا ناراض ہوتا ہو اس سے اپنے نفس پر جبر کر کے بچ سکیں، اور جس چیز میں ہر طرح کے خطرات اور نقصانات ہوں مگر خدا اس سے خوش ہوتا ہو، اس پر آپ اپنے نفس کو مجبور کر کے آمادہ کر سکیں۔ یہ طاقت اسی طرح پیدا ہو سکتی تھی کہ آپ روزے کے مقصد کو سمجھتے اور مہینہ بھر تک آپ نے خدا کے خوف اور خدا کی محبت میں اپنے نفس کو خواہشات سے روکنے اور خدا کی رضا

کے مطابق چلانے کی جو مشق کی ہے اس سے کام لیتے۔ مگر آپ تو رمضان کے بعد ہی اس مشق کو اور ان صفات کو جو اس مشق سے پیدا ہوتی ہیں اس طرح نکال پھینکتے ہیں جیسے کھانا کھانے کے بعد کوئی شخص انگلی ڈال کر قے کر دے۔ بلکہ آپ میں سے بعض لوگ تو روزہ کھولنے کے بعد ہی دن بھر کی پرہیزگاری کو اُگل دیتے ہیں۔ پھر آپ ہی بتائیے کہ رمضان اور اس کے روزے کوئی طلسم تو نہیں ہیں کہ بس ان کی ظاہری شکل پوری کر دینے سے آپ کو وہ طاقت حاصل ہو جائے جو حقیقت میں روزے سے حاصل ہونی چاہیے۔ جس طرح روٹی سے جسمانی طاقت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ معدے میں جا کر ہضم نہ ہو اور خون بن کر جسم کی رگ رگ میں نہ پہنچ جائے اسی طرح روزے سے بھی روحانی طاقت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ آدمی روزے کے مقصد کو پوری طرح سمجھے نہیں اور اپنے دل و دماغ کے اندر اس کو اترنے اور خیال، نیت، ارادہ اور عمل سب پر چھا جانے کا موقع نہ دے۔

یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کا حکم دینے کے بعد فرمایا لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ یعنی تم پر روزہ فرض کیا جاتا ہے، شاید کہ تم متقی و پرہیزگار بن جاؤ۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس سے تم ضرور متقی و پرہیزگار بن جاؤ گے۔ اس لیے کہ روزے کا یہ نتیجہ تو آدمی کی سمجھ بوجھ اور اس کے ارادے پر موقوف ہے۔ جو اس کے مقصد کو سمجھے گا اور اس کے ذریعہ سے اصل مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرے گا وہ تھوڑا یا بہت متقی بن جائے گا۔ مگر جو مقصد ہی کو نہ سمجھے گا اور اسے حاصل کرنے کی کوشش ہی نہ کرے گا اسے کوئی فائدہ حاصل کرنے کی امید ہی نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے روزے کے اصل مقصد کی طرف توجہ دلائی ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ مقصد سے غافل ہو کر بھوکا پیاسا رہنا کچھ مفید نہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

من لم یدع قول الزور والعمل	جب کسی نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ہی نہ چھوڑا تو اس
به فلیس لله حاجة فی ان یدع طعامه	کا کھانا اور پانی چھڑا دینے کی اللہ کو کوئی حاجت نہیں
وشرابه۔	

دوسری حدیث میں ہے کہ سرکار نے فرمایا:۔

کم من صائم لیس لہ من صیامہ الا الظماء وکم من قائم لیس لہ من قیامہ الا السھر۔

بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ روزے سے بھوکا پیاسا رہنے کے سوا ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ اور بہت سے راتوں کو کھڑے رہنے والے ایسے ہیں کہ اس قیام سے رات جاگنے کے سوا ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔

ان دونوں حدیثوں کا مطلب بالکل صاف ہے۔ ان سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ محض بھوکا اور پیاسا رہنا عبادت نہیں ہے بلکہ اصل عبادت کا ذریعہ ہے، اور اصل عبادت ہے خوف خدا کی وجہ سے خدا کے قانون کی خلاف ورزی نہ کرنا، اور محبت الٰہی کی بنا پر ہر اس کام کے لیے شوق سے لپکنا جس میں محبوب کی خوشنودی ہو، اور نفسانیت سے بچنا جہاں تک بھی ممکن ہو۔ اس عبادت سے جو شخص غافل رہا اس نے خواہ مخواہ اپنے پیٹ کو بھوک پیاس کی تکلیف دی۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی حاجت کب تھی کہ بارہ چودہ گھنٹے کے لیے اس سے کھانا پینا چھڑوا دیتا؟

روزے کے اصل مقصد کی طرف سرکار اس طرح توجہ دلاتے ہیں:

من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ۔

یعنی جس نے روزہ رکھا ایمان اور احتساب کے ساتھ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے۔

ایمان کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے متعلق ایک مسلمان کا جو عقیدہ ہونا چاہیے وہ عقیدہ ذہن میں پوری طرح تازہ رہے۔ اور احتساب کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ہر وقت اپنے خیالات اور اپنے اعمال پر نظر رکھے کہ کہیں وہ ایمان کے خلاف تو نہیں چل رہا ہے۔ ان دونوں چیزوں کے ساتھ جو شخص رمضان کے پورے روزے رکھ لے گا وہ اپنے پچھلے گناہ بخشوا لے جائے گا، اس لیے کہ اگر وہ کبھی سرکش و نافرمان بندہ تھا بھی تو اب اس نے اپنے مالک کی طرف پوری طرح رجوع کر لیا، اور التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا)۔

دوسری حدیث میں آیا ہے :-

الصیام جنۃ واذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب۔ فان سابہ احد اوقاتلہ فلیقل انی امرء صائم۔

روزے ڈھال کی طرح ہیں کہ جس طرح ڈھال سے دشمن کے وار سے بچنے کے لیے ہے اسی طرح روزہ بھی شیطان کے وار سے بچنے کے لیے ہے۔ لہذا جب کوئی شخص روزے سے ہو تو اسے چاہیے کہ اس ڈھال کو استعمال کرے اور دنگے فساد سے پرہیز کرے۔ اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا اس سے لڑے تو اس کو کہہ دینا چاہیے کہ بھائی میں روزے سے ہوں۔ مجھ سے تم یہ توقع نہ رکھو کہ تمہارے اس مشغلہ میں حصہ لوں گا۔

دوسری احادیث میں حضور نے بتایا ہے کہ روزے کی حالت میں آدمی کو زیادہ سے زیادہ نیک کام کرنے چاہییں اور ہر بھلائی کا شوقین بن جانا چاہیے۔ خصوصاً اس حالت میں اس کے اندر اپنے دوسرے بھائیوں کی ہمدردی کا جذبہ تو پوری شدت کے ساتھ پیدا ہو جانا چاہیے، کیونکہ وہ خود بھوک پیاس کی تکلیف میں مبتلا ہو کر زیادہ اچھی طرح محسوس کر سکتا ہے کہ دوسرے بندگان خدا پر غریبی اور مصیبت میں کیا گذرتی ہوگی۔ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ خود سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں عام دنوں سے زیادہ رحیم اور شفیق ہو جاتے تھے۔ کوئی سائل اس زمانہ میں حضور کے دروازے سے خالی نہ جاتا تھا۔ اور کوئی قیدی اس زمانہ میں قید نہ رہتا تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا :-

من فطر فیہ صائما کان لہ مغفرۃ لذنوبہ وعتق رقبتہ من النار وکان لہ مثل اجرہ من غیر ان ینتقص من اجرہ شیء۔

جس نے رمضان میں کسی روزہ دار کو افطار کرایا تو یہ اس کے گناہوں کی بخشش کا اور اس کی گردن کو آگ سے چھڑانے کا ذریعہ ہوگا اور اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس روزہ دار کو روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔



زکوٰۃ

برادرانِ اسلام! نماز کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن زکوٰۃ ہے۔ عام طور پر چونکہ عبادات کے سلسلہ میں نماز کے بعد روزے کا نام لیا جاتا ہے اس لیے لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ نماز کے بعد روزے کا نمبر ہے۔ مگر قرآن مجید سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں نماز کے بعد سب سے بڑھ کر زکوٰۃ کی اہمیت ہے۔ یہ دو بڑے ستون ہیں جن پر اسلام کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ ان کے ہٹنے کے بعد اسلام قائم نہیں رہ سکتا۔

زکوٰۃ کے معنی ہیں پاکی اور صفائی کے۔ اپنے مال میں سے ایک حصہ حاجتمندوں اور مسکینوں کے لیے نکالنے کو زکوٰۃ اس لیے کہا گیا کہ اس طرح وہ مال، اور اس مال کے ساتھ خود آدمی کا نفس بھی پاک ہو جاتا ہے۔ جو شخص خدا کی بخشی ہوئی دولت میں سے خدا کے بندوں کا حق نہیں نکالتا اس کا مال ناپاک ہے اور مال کے ساتھ اس کا نفس بھی ناپاک ہے، کیونکہ اس کے نفس میں احسان فراموشی بھری ہوئی ہے۔ اس کا دل اتنا تنگ ہے، اتنا خود غرض ہے، اتنا زرپرست ہے کہ جس خدا نے اس کو اس کی حقیقی ضرورت سے زیادہ دولت دے کر اس پر احسان کیا، اس کے احسان کا حق ادا کرتے ہوئے بھی اس کا دل دکھتا ہے۔ ایسے شخص سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ دنیا میں کوئی نیکی بھی خدا کے واسطے کر سکے گا، کوئی قربانی بھی محض اپنے دین و ایمان کی خاطر برداشت کرے گا۔ لہٰذا ایسے شخص کا دل بھی ناپاک اور اس کا وہ مال بھی ناپاک جسے وہ اس طرح جمع کرے۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا فرض عائد کر کے ہر شخص کو امتحان میں ڈالا ہے۔ جو شخص بخوشی اپنے ضرورت سے زیادہ مال میں سے خدا کا حق نکالتا ہے اور اس کے بندوں کی مدد کرتا ہے وہی اللہ کے کام کا آدمی ہے اور وہی اس لائق ہے کہ ایمانداروں کی جماعت میں اس کا شمار کیا جائے اور جس کا دل اتنا تنگ ہے کہ وہ اتنی ذرا سی قربانی بھی خداوندِ عالم کے لیے برداشت نہیں کر سکتا، وہ اللہ کے کسی کام کا نہیں، اور وہ ہرگز اس لائق نہیں کہ اہلِ ایمان کی جماعت

میں داخل کیا جائے۔ وہ ایک سڑا ہوا عضو ہے جسے جسم سے الگ ہی کر دینا بہتر ہے ورنہ سارے جسم کو سڑا دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب عرب کے بعض قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے اس طرح جنگ کی جیسے کافروں سے کی جاتی ہے، حالانکہ وہ لوگ نماز پڑھتے تھے اور خدا اور رسول کا اقرار کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے بغیر نماز روزہ اور ایمان کی شہادت سب بے کار ہیں، کسی چیز کا بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن مجید اٹھا کر دیکھیے، آپ کو نظر آئے گا کہ قدیم زمانہ سے تمام انبیاء کی امتوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم لازمی طور پر دیا گیا ہے، اور دین اسلام کبھی کسی نبی کے زمانہ میں بھی ان دو چیزوں سے خالی نہیں رہا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کے انبیاء کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:-

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ۔ (الانبیاء۔۵)	اور ہم نے انسانوں کا پیشوا بنایا اور وہ ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی ہدایت کرتے تھے۔ ہم نے وحی کے ذریعہ سے ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تعلیم دی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔

سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:-

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا۔ (مریم۔۴)	وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک برگزیدہ تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے دعا کی کہ خدایا ہمیں اس دنیا کی بھلائی بھی عطا کر اور آخرت کی بھلائی بھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ جواب میں ارشاد ہوا:-

عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ	میں اپنے عذاب میں جسے چاہوں گا گھیروں گا اگرچہ میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے مگر اس رحمت کو میں انہی لوگوں کے

وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ (الاعراف - ۱۹)

حق میں لکھوں گا جو مجھ سے ڈرتے رہیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور ہماری آیات پر ایمان لائیں گے۔

حضرت موسیٰ کی قوم چونکہ چھوٹے دل کی تھی اور روپے پر جان دیتی تھی جیسا کہ آج بھی یہودیوں کا حال آپ دیکھتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے جلیل القدر پیغمبر کی دعا کے جواب میں صاف فرما دیا کہ تمھاری امت اگر زکوٰۃ کی پابندی کرے گی تب تو اس کے لیے میری رحمت کا وعدہ ہے، ورنہ ابھی سے صاف سن رکھو کہ وہ میری رحمت سے محروم ہو جائے گی اور میرا عذاب اسے گھیرے گا چنانچہ حضرت موسیٰ کے بعد بھی بار بار بنی اسرائیل کو اس بات پر تنبیہ کی جاتی رہی۔ بار بار ان سے عہد لیے گئے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کریں (سورۂ بقرہ رکوع ۱۰) یہاں تک کہ آخر میں صاف نوٹس دے دیا گیا کہ:۔

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (المائدہ - ۳)

یعنی اللہ نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور جو رسول آئیں ان کی مدد کرو اور اللہ کو قرض حسن دو تب تو میں تمھارے ساتھ ہوں (ورنہ تمہیں میری رحمت کی امید نہ رکھنی چاہیے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ سو ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کا ساتھ ساتھ حکم دیا جیسا کہ سورۂ مریم میں ہے:۔

وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا (مریم - ۲)

اللہ نے مجھے برکت دی ہے جہاں کہیں بھی ہوں اور مجھے ہدایت کی ہے کہ نماز پڑھوں اور زکوٰۃ دیتا رہوں جب تک زندہ رہوں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ دین اسلام ابتدا سے ہر نبی کے زمانہ میں نماز اور زکوٰۃ کے ان دو بڑے ستونوں پر قائم ہوا ہے، اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خدا پر ایمان رکھنے والی کسی امت کو بھی ان دو فرضوں سے معاف کیا گیا ہو۔

اب دیکھیے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں یہ دونوں فرض کس طرح ساتھ ساتھ لگے ہوئے

حصین۔ قرآن مجید کھولتے ہی سب سے پہلے جن آیات پر آپ کی نظر پڑتی ہے وہ کیا ہیں؟ یہ کہ:۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ، هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ (البقرہ۔ ۱)

یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے، (یعنی علم ہی علم ہے) یہ پرہیزگاروں کو دنیا میں زندگی کا سیدھا راستہ بتاتا ہے۔ اور پرہیزگار وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ "ایسے ہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور فلاح ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے" یعنی جن میں ایمان نہیں اور جو نماز اور زکوٰۃ کے پابند نہیں وہ نہ ہدایت پر ہیں اور نہ انھیں فلاح نصیب ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد اسی سورہ بقرہ کو پڑھتے جائیے، چند صفحوں کے بعد پھر حکم ہوتا ہے:۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (البقرہ۔ ۵)

نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو (یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھو)

پھر تھوڑی دور آگے چل کر اسی سورہ میں ارشاد ہوا:۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ

نیکی محض اس کا نام نہیں ہے کہ شرق یا مغرب کی طرف تم نے منہ کر لیا بلکہ نیکی اس شخص کی ہے جس نے اللہ اور آخرت اور ملائکہ اور کتاب الٰہی اور پیغمبروں پر ایمان رکھا اور اللہ کی محبت میں اپنے حاجتمند رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں پر اپنا مال خرچ کیا اور لوگوں کو قرض یا غلامی یا اسیری سے اپنی گردنیں چھڑانے میں مدد دی۔ اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ ادا کی۔ اور ایسے

بَعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ (البقرہ - ۲۲)

لوگ وہ ہیں جو عہد کرنے کے بعد اپنے عہد کو پورا کریں اور مصیبت اور نقصان اور جنگ کے موقع پر صبر کے ساتھ راہ حق پر ڈٹ جائیں۔ ایسے ہی لوگ سچے مسلمان ہیں اور ایسے ہی لوگ متقی و پرہیزگار ہیں۔

پھر آگے دیکھیے سورۂ مائدہ میں کیا ارشاد ہوتا ہے :۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (المائدہ - ۸)

مسلمانو! تمہارے حقیقی دوست اور مددگار صرف اللہ اور رسول اور ایماندار لوگ ہیں یعنی ایسے لوگ جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور خدا کے آگے جھکتے ہیں پس جو شخص اللہ اور رسول اور ایسے ایمان دار لوگوں کو دوست بنائے وہ اللہ کی پارٹی کا آدمی ہے اور اللہ کی پارٹی ہی غالب ہونے والی ہے

اس عظیم الشان آیت میں ایک بڑا قاعدہ بیان کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو اس آیت سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ اہل ایمان صرف وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ ان دو ارکان اسلام سے جو لوگ روگردانی کریں ان کا دعوائے ایمان ہی جھوٹا ہے۔ پھر اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول اور اہل ایمان کی ایک پارٹی ہے اور ایمان دار آدمی کا کام یہ ہے کہ سب سے الگ ہو کر اسی پارٹی میں شامل ہو جائے۔ جو مسلمان اس پارٹی سے باہر رہنے والے کسی شخص کو، خواہ وہ باپ ہو، بھائی ہو، بیٹا ہو، ہمسایہ یا ہموطن ہو یا کوئی بھی ہو اگر وہ اس کو اپنا دوست بنائے گا اور اس سے محبت اور مددگاری کا تعلق رکھے گا تو اسے یہ امید نہ رکھنی چاہیے کہ اللہ اس سے مددگاری کا تعلق رکھنا پسند فرمائے گا۔ سب سے آخر میں اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو دنیا میں غلبہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ یکسو ہو کر اللہ اور رسول اور صرف اہل ایمان ہی کو اپنا ولی، مددگار، دوست اور ساتھی بنائیں۔

اب آگے سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار اور مشرکین سے جنگ کا حکم دیا ہے اور مسلسل کئی رکوعوں تک جنگ ہی کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ اس سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے :۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا

پھر اگر وہ کفر اور شرک سے توبہ کریں، ایمان لے آئیں اور نماز

الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ - (توبہ - ۲)　　پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

یعنی محض کفر و شرک سے توبہ کرنا اور ایمان کا اقرار کر لینا کافی نہیں ہے۔ اس بات کا ثبوت کہ وہ واقعی کفر و شرک سے تائب ہو گئے ہیں اور حقیقت میں ایمان لائے ہیں، صرف اسی طرح مل سکتا ہے کہ وہ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں۔ لہٰذا اگر وہ اپنے اس عمل سے اپنے ایمان کا ثبوت دیں تب تو تمہارے دینی بھائی ہیں، ورنہ ان کو بھائی نہ سمجھو اور ان سے جنگ بند نہ کرو۔

پھر آگے چل کر اسی سورہ میں فرمایا:۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ - (التوبہ - ۹)

مومن مرد اور مومن عورتیں ہی ایک دوسرے کے ولی اور مددگار ہیں، اور ان مومن مردوں اور عورتوں کی صفات یہ ہیں کہ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں، بدی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اور خدا اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں پر اللہ رحمت فرمائے گا۔

سن لیا آپ نے! کوئی شخص مسلمانوں کا دینی بھائی بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اقرار ایمان کر کے عملاً نماز اور زکوٰۃ کی پابندی نہ کرے۔ ایمان، نماز، اور زکوٰۃ، یہ تین چیزیں مل کر ایمان داروں کی جماعت بناتی ہیں، جو لوگ ان تینوں کے پابند ہیں وہ اس ایک جماعت کے اندر ہیں اور انھی کے درمیان دوستی، محبت، رفاقت، مددگاری کا تعلق ہے، اور جو ان کے پابند نہیں، وہ اس جماعت کے باہر ہیں، خواہ نام کے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ ان سے دوستی محبت اور رفاقت کا تعلق رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ تم نے اللہ کے قانون کو توڑ دیا اور اللہ کی پارٹی کو منتشر کر دیا۔ پھر تم دنیا میں غالب ہو کر رہنے کی امید نہیں کر سکتے۔

اور آگے چلیے سورۂ حج میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ　　اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے اور اللہ

اللہ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ۔ (الحج ۔۶)

زبردست قوت والا اور سب پر غالب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں حکومت بخشیں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے اور سب چیزوں کا انجام خدا کے ہاتھ میں ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو بھی وہی نوٹس دیا گیا ہے جو بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا۔ ابھی آپ کو سنا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کیا نوٹس دیا تھا۔ ان سے صاف فرما دیا تھا کہ میں اسی وقت تک تمھارے ساتھ ہوں جب تک تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے نبیوں کے مشن میں ان کا ساتھ دو گے یعنی میرے قانون کو دنیا میں نافذ کرنے کی کوشش کرتے رہو گے۔ جونہی تم نے اس کام کو چھوڑا، پھر میں اپنا ہاتھ تمھاری مدد سے کھینچ لوں گا۔ ٹھیک یہی بات اللہ نے مسلمانوں سے بھی فرمائی ہے۔ ان سے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر زمین میں طاقت حاصل کر کے تم نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ دو گے اور نیکیاں پھیلاؤ گے اور بدیوں کو مٹاؤ گے، تب تو میں تمھارا مددگار ہوں اور جس کا میں مددگار ہوں اسے کون دبا سکتا ہے۔ لیکن اگر تم نے نماز اور زکوٰۃ سے منہ پھیرا اور زمین میں حکومت حاصل کر کے نیکیوں کے بجائے بدیاں پھیلائیں اور بدیوں کے بجائے نیکیوں کو مٹانا شروع کیا اور میرا کلمہ بلند کرنے کے بجائے اپنا کلمہ بلند کرنے لگے اور خراج وصول کر کے اپنے لیے زمین میں جنتیں بنانے ہی کو وراثتِ ارضی کا مقصود سمجھ لیا تو سن رکھو کہ میری مدد تمھارے ساتھ نہ ہو گی، پھر شیطان ہی تمھارا مددگار رہ جائے گا۔

اللہ اکبر! کتنا بڑا عبرت کا مقام ہے۔ جو دھمکی بنی اسرائیل کو دی گئی تھی، اس کو انھوں نے خالی خولی زبانی دھمکی سمجھا اور اس کے خلاف عمل کر کے اپنا انجام دیکھ لیا، کہ آج روئے زمین پر مارے مارے پھر رہے ہیں، جگہ جگہ سے نکالے جا رہے ہیں اور کہیں ٹھکانا نہیں پاتے۔ کروڑہا کروڑ روپے کے کھتے ان کے پاس بھرے پڑے ہیں، دنیا کی سب سے زیادہ دولت مند قوم ہیں، مگر یہ روپیہ ان کے کسی کام نہیں آتا۔ نماز کے بجائے بدکاری اور زکوٰۃ کے بجائے سود خواری کا ملعون طریقہ اختیار کر کے انھوں نے خود بھی خدا کی لعنت اپنے اوپر مسلط کرائی اور اپنی اس لعنت کو

بیسے ہوئے طاعون کے چوہوں کی طرح دنیا بھر میں اسے پھیلاتے پھر رہے ہیں۔ پھر یہی دھگی مسلمانوں کو دی گئی اور مسلمانوں نے اس کی کچھ پروا نہ کر کے نماز اور زکوٰۃ سے غفلت کی، اور خدا کی بخشی ہوئی طاقت کو نیکیاں پھیلانے اور بدیوں کو مٹانے میں استعمال کرنا چھوڑ دیا۔ اس کا نتیجہ دیکھ لو کہ حکومت کے تخت سے اتار کر پھینک دیے گئے، دنیا بھر میں ظالموں کا تختۂ مشق بن رہے ہیں، اور روئے زمین میں ہر جگہ ضعیف و مغلوب ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ کو چھوڑنے کا انجام تو دیکھ چکے۔ اب ان میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوئی ہے جو مسلمانوں کو بے حیائی فحش اور بدکاری میں مبتلا کرنا چاہتی ہے، اور ان سے کہہ رہی ہے کہ تمھارے افلاس کا علاج یہ ہے کہ بینک اور انشورنس کمپنیاں قائم کرو۔ اور سود خواری شروع کر دو۔ خدا کی قسم اگر انھوں نے یہ کیا تو وہی ذلت اور خواری ان پر مسلط ہو کر رہے گی جس میں یہود مبتلا ہوئے ہیں اور یہ بھی خدا کی اس لعنت میں گرفتار ہو جائیں گے جس نے بنی اسرائیل کو گھیر رکھا ہے۔

برادرانِ اسلام! آئندہ خطبوں میں آپ کو بتاؤں گا کہ زکوٰۃ کیا چیز ہے، کتنی بڑی طاقت اللہ نے اس چیز میں بھر دی ہے، اور آج جس رحمتِ خداوندی کو مسلمان ایک معمولی چیز سمجھ رہے ہیں، وہ حقیقت میں کتنی بڑی برکتیں رکھتی ہے۔ آج کے خطبہ میں میرا مقصد آپ کو صرف یہ بتانا تھا کہ نماز اور زکوٰۃ کا اسلام میں درجہ کیا ہے۔ بہت سے مسلمان سمجھتے ہیں کہ نماز نہ پڑھ کر اور زکوٰۃ نہ دے کر بھی وہ مسلمان رہتے ہیں۔ مگر قرآن اس کی صاف الفاظ میں تردید کرتا ہے۔ قرآن کی رو سے کلمۂ طیبہ کا اقرار ہی بے معنی ہے، اگر آدمی اس کے ثبوت میں نماز اور زکوٰۃ کا پابند نہ ہو۔ اسی بنا پر حضرت ابوبکرؓ نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کو کافر سمجھ کر ان کے خلاف تلوار اٹھائی تھی، جیسا کہ میں ابھی آپ سے بیان کر چکا ہوں۔ صحابۂ کرام کو ابتدا میں شبہ تھا کہ آیا وہ مسلمان جو خدا اور رسول کا اقرار کرتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے، ان لوگوں کے زمرہ میں شامل کیا جا سکتا ہے یا نہیں جن پر تلوار اٹھانے کا حکم ہے۔ مگر جب حضرت ابوبکرؓ جن کو اللہ نے مقامِ نبوت کے قریب درجہ عطا فرمایا تھا، اپنی بات پر اڑ گئے اور انھوں نے اصرار کے ساتھ فرمایا کہ خدا کی قسم اگر یہ لوگ اس زکوٰۃ میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دیا کرتے تھے، اونٹ باندھنے

کی ایک رسی بھی روکیں گے تو میں ان پر تلوار اٹھاؤں گا، تو بالآخر تمام صحابہ کے دلوں کو اللہ نے حق کے لیے کھول دیا اور سب نے یہ بات تسلیم کی کہ زکوٰۃ سے انکار کرنے والے پر جہاد کرنا چاہیے۔ قرآن مجید تو صاف کہتا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینا ان مشرکین کا کام ہے جو آخرت کے منکر ہیں۔ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كٰفِرُونَ۔ (حٰم سجدہ۔ ۱) "تباہی ہے ان مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت سے منکر ہیں۔"

زکوٰۃ کی حقیقت

برادرانِ اسلام! پچھلے خطبہ میں بیان کرچکا ہوں کہ نماز کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن زکوٰۃ ہے اور یہ اتنی بڑی چیز ہے کہ جس طرح نماز سے انکار کرنے والے کو کافر ٹھیرایا گیا ہے، اسی طرح زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کو بھی نہ صرف کافر ٹھیرایا گیا، بلکہ ان پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بالاتفاق جہاد کیا ہے۔

اب میں آج کے خطبہ میں آپ کے سامنے زکوٰۃ کی حقیقت بیان کروں گا تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ یہ زکوٰۃ دراصل ہے کیا چیز اور اسلام میں اس کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے۔

آپ میں سے بعض لوگ تو ایسے سیدھے سادھے ہیں جو ہر کس و ناکس کو دوست بنا لیتے ہیں، اور کبھی دوست بناتے وقت آدمی کو پرکھتے نہیں کہ واقع میں وہ دوست بنانے کے قابل ہے بھی یا نہیں۔ ایسے لوگ دوستی میں اکثر دھوکا کھا جاتے ہیں اور بعد میں ان کو بڑی مایوسیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ لیکن جو عقلمند لوگ ہیں وہ جن لوگوں سے ملتے ہیں ان کو خوب پرکھ کر ہر طریقہ سے جانچ پڑتال کر کے دیکھتے ہیں، پھر جو کوئی ان میں سے سچا مخلص، وفادار آدمی ملتا ہے صرف اسی کو دوست بناتے ہیں، اور بے کار آدمیوں کو چھوڑ دیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر حکیم و دانا ہے۔ اس سے یہ امید کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ ہر کس و ناکس کو اپنا دوست بنالے گا، اپنی پارٹی میں شامل کرے گا، اور اپنے دربار میں عزت اور قربت کی جگہ دے گا۔ جب انسانوں کی دانائی اور عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بغیر جانچے اور پرکھے کسی کو دوست نہیں بناتے تو اللہ جو ساری دانائیوں اور حکمتوں کا سرچشمہ ہے اس سے کیسے توقع ممکن ہے کہ جانچنے اور پرکھنے کے بغیر ہر ایک کو اپنی دوستی کا مرتبہ بخشے۔ یہ کروڑوں انسان جو زمین پر پھیلے ہوئے ہیں ان میں ہر قسم کے آدمی پائے جاتے ہیں، اچھے اور برے، سب کے سب اس قابل نہیں ہو سکتے کہ اللہ کی اس پارٹی، اس حزب اللہ میں شامل کر لیے جائیں جسے اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنی خلافت کا مرتبہ اور آخرت میں تقرب کا

مقام عطا کرنا چاہتا ہے۔ اللہ نے کمال درجہ حکمت کے ساتھ چند امتحان، چند آزمائشیں، چند معیار جانچنے اور پرکھنے کے لیے مقرر کردیے ہیں کہ انسانوں میں سے جو کوئی ان پر پورا اترے وہ تو اللہ کی پارٹی میں آجائے اور جو ان پر پورا نہ اترے وہ خود بخود اس پارٹی سے الگ ہو کر رہ جائے اور وہ خود بھی جان لے کہ میں اس پارٹی میں شامل ہونے کے قابل نہیں ہوں۔

یہ معیار کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ چونکہ حکیم و دانا ہے اس لیے سب سے پہلا امتحان وہ آدمی کی حکمت و دانائی کا ہی لیتا ہے۔ یہ دیکھتا ہے کہ اس میں سمجھ بوجھ بھی ہے یا نہیں؟ نرا احمق تو نہیں ہے؟ اس لیے کہ جاہل اور بے وقوف کبھی دانا اور حکیم کا دوست نہیں بن سکتا۔ جو شخص اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر پہچان لے کہ یہی میرا مالک اور خالق ہے، اور اس کے سوا کوئی معبود، کوئی پروردگار، کوئی دعائیں سننے اور مدد کرنے والا نہیں ہے، اور جو شخص اللہ کے کلام کو سن کر جان لے کہ یہ میرے مالک ہی کا کلام ہے، کسی اور کا کلام نہیں ہو سکتا، اور جو شخص سچے نبی اور جھوٹے مدعیوں کی زندگی، ان کے اخلاق، ان کے معاملات، ان کی تعلیمات، ان کے کارناموں کے فرق کو ٹھیک ٹھیک سمجھے اور پہچان جائے کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والوں میں فلاں ذات پاک حقیقت میں خدا کی طرف سے ہدایت بخشنے کے لیے آئی ہے اور فلاں دجال ہے، دھوکا دینے والا ہے۔ ایسا شخص دانائی کے امتحان میں پاس ہو جاتا ہے اور اس کو انسانوں کی بھیڑ بھاڑ سے الگ کر کے اللہ تعالیٰ اپنی پارٹی کے منتخب امیدواروں میں شامل کر لیتا ہے، باقی لوگ جو پہلے ہی امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے کہ جدھر چاہیں بھٹکتے پھریں۔

اس پہلے امتحان میں جو امیدوار کامیاب ہو جاتے ہیں، انھیں پھر دوسرے امتحان میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ اس دوسرے امتحان میں آدمی کی عقل کے ساتھ اس کی اخلاقی طاقت کو بھی پرکھا جاتا ہے، یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس آدمی میں سچائی اور نیکی کو جان کر اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی، اور جھوٹ اور بدی کو جان کر

اسے چھوڑ دینے کی طاقت بھی ہے یا نہیں؟ یہ اپنے نفس کی خواہشات کا، باپ دادا کی تقلید کا، خاندانی رسموں کا، دنیا کے عام خیالات اور طور طریقوں کا غلام تو نہیں ہے؟ اس میں یہ کمزوری تو نہیں ہے کہ ایک چیز کو خدا کی ہدایت کے خلاف پاتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ بری ہے، اگر اس کے چکر میں پڑا رہتا ہے اور دوسری چیز کو جانتا ہے کہ خدا کے نزدیک وہی حق اور پسندیدہ ہے مگر اسے اختیار کرنے کی طاقت نہیں رکھتا؟ اس امتحان میں جو لوگ فیل ہو جاتے ہیں، انھیں بھی اللہ تعالیٰ اپنی پارٹی میں لینے سے انکار کر دیتا ہے اور صرف اُن لوگوں کو چُھنٹتا ہے جن کی تعریف یہ ہے کہ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا۔ یعنی خدا کی ہدایت کے خلاف جو راستہ اور جو طریقہ بھی ہو، اسے وہ جرأت کے ساتھ چھوڑ دیں، کسی چیز کی پروانہ کریں، اور صرف اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کے لیے تیار ہو جائیں خواہ اس میں کوئی ناراض ہو یا خوش۔

اس امتحان میں جو لوگ کامیاب نکلتے ہیں ان کو پھر تیسرے درجہ کا امتحان دینا پڑتا ہے۔ اس درجہ میں اطاعت و فرماں برداری کا امتحان ہے۔ یہاں حکم دیا جاتا ہے کہ جب ہماری طرف سے ڈیوٹی کی پکار بلند ہو تو اپنی نیند قربان کرو اور حاضر ہو۔ اپنے کام کاج کا ہرج کرو اور آؤ۔ اپنی دلچسپیوں کو، اپنے فائدوں کو، اپنے لطف اور تفریح کو چھوڑو اور آ کر فرض بجا لاؤ۔ گرمی ہو، جاڑا ہو، کچھ ہو، بہر حال جب فرض کے لیے پکارا جائے تو ہر مشقت کو قبول کرو اور دوڑے ہوئے آؤ۔ پھر جب ہم حکم دیں کہ صبح سے شام تک بھوکے پیاسے رہو، اور اپنے نفس کی خواہشات کو روکو تو اس حکم کی پوری پوری تعمیل تمھیں کرنی چاہیے خواہ بھوک پیاس کی کیسی ہی تکلیف ہو اور چاہے لطیف کھانوں اور مزے دار شربتوں کے ڈھیر ہی تمھارے سامنے کیوں نہ لگے ہوئے ہوں۔ جو لوگ اس امتحان میں کچے نکلتے ہیں ان سے بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ تم ہمارے کام کے نہیں ہو۔ انتخاب صرف ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اس تیسرے امتحان میں بھی پکے ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ صرف انہی سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ خدا کی طرف سے جو قوانین ان کے لیے بنائے جائیں گے اور جو ہدایات ان کو دی جائیں گی، وہ خفیہ اور علانیہ

فائدے اور نقصان، راحت اور تکلیف، ہر حال میں ان کی پابندی کر سکیں گے۔

اس کے بعد چوتھا امتحان مال کی قربانی کا لیا جاتا ہے۔ تیسرے امتحان کے کامیاب امیدوار ابھی اس قابل نہیں ہوئے کہ خدا کی ملازمت ان پر باقاعدہ دے دی جائے۔ ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ کہیں وہ چھوٹے دل کے پست ہمت، کم حوصلہ، تنگ ظرف تو نہیں ہیں؟ ان لوگوں میں سے تو نہیں ہیں جو محبت اور دوستی کے دعوے تو بڑے لمبے چوڑے کرتے ہیں مگر اپنے محبوب اور دوست کی خاطر جیب گرہ سے کچھ خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو کہتے ہیں کہ "اگر زر طلبی سخن درین است"؟ ان کا حال اس شخص کا سا تو نہیں ہے جو زبان سے تو ماتا جی ماتا جی کہتا ہے اور ماتا جی کی خاطر دنیا بھر سے جھگڑا بھی لیتا ہے مگر جب وہی ماتا جی اس کے غلے کی ٹوکری یا اس کی سبزی کے ڈھیر پر منہ مارتی ہیں تو لٹھ لے کر ان کے پیچھے دوڑتا ہے اور مار مار کر ان کی کھال اڑا دیتا ہے؟ ایسے خود غرض، زر پرست، تنگ دل آدمی کو معمولی درجہ کا عقلمند انسان بھی دوست نہیں بناتا اور ایک بڑے دل والا انسان اس قسم کے ذلیل آدمی کو اپنے پاس جگہ دینا بھی پسند نہیں کرتا، پھر بھلا وہ بزرگ و برتر خدا، جو اپنے خزانے ہر آن اپنی بے حد و حساب مخلوق پر بے حد و حساب طریقہ سے لٹا رہا ہے، ایسے شخص کو کب اپنی دوستی کے قابل سمجھ سکتا ہے جو خدا کے دیے ہوئے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بھی جی چراتا ہو؟ اور وہ خدا جس کی دانائی و حکمت سب سے بڑھ کر ہے کس طرح اس انسان کو اپنی پارٹی میں شامل کر سکتا ہے جس کی دوستی و محبت فقط زبانی جمع خرچ تک ہو اور جس پر کبھی بھروسہ نہ کیا جا سکتا ہو؟ پس جو لوگ اس چوتھے امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں ان کو بھی صاف جواب دے دیا جاتا ہے کہ جاؤ تمہارے لیے اللہ کی پارٹی میں جگہ نہیں ہے، تم بھی ناکارہ ہو، اور تم اس عظیم الشان خدمت کا بار سنبھالنے کے قابل نہیں ہو جو خلیفہ الٰہی کے سپرد کی جاتی ہے۔ اس پارٹی میں صرف وہ لوگ شامل کیے جا سکتے ہیں جو اللہ کی محبت پر جان، مال، اولاد، خاندان، وطن، ہر چیز کی محبت کو قربان کر دیں۔

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ (آل عمران۔ ۱۰۰)

تم نیکی کے مقام کو نہیں پا سکتے جب تک کہ وہ چیزیں خدا کی راہ میں قربان نہ کرو جن سے تم کو محبت ہے۔

اس پارٹی میں تنگ دل لوگوں کے لیے جگہ نہیں ہے۔ اس میں تو صرف وہی لوگ داخل ہو سکتے ہیں جن کے دل بڑے ہیں۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (التغابن۔ ۲)

جو لوگ دل کی تنگی سے بچ گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

یہاں تو ایسے فراخ حوصلہ لوگوں کی ضرورت ہے کہ اگر کسی شخص نے ان کے ساتھ دشمنی بھی کی ہو، اُن کو نقصان اور رنج بھی پہنچایا ہو، ان کے دل کے ٹکڑے بھی اُڑا دیے ہوں تب بھی وہ خدا کی خاطر اس کے پیٹ کو روٹی اور اس کے تن کو کپڑا دینے سے انکار نہ کریں، اور اس کی مصیبت کے وقت میں اس کی مدد سے دریغ نہ کریں۔

وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (النور۔ ۳)

تم میں سے جو بڑے اور صاحب مقدرت لوگ ہیں وہ اپنے عزیزوں اور مساکین اور خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کے کسی قصور پر بگڑ کر ان کی مدد سے ہاتھ نہ کھینچ لیں، بلکہ چاہیے کہ ان کو معاف کریں اور درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں بخشے؟ حالانکہ اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے[1]۔

یہاں ان عالی ظرف لوگوں کی ضرورت ہے جو:۔

يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰي حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاۗءً وَّلَا شُكُوْرًا ۔ (الدھر۔ ۱)

محض خدا کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف خدا کے لیے تمہیں کھلا رہے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے۔

یہاں اُن پاک دل والوں کی ضرورت ہے جو خدا کی دی ہوئی دولت میں سے خدا کی راہ میں بہتر سے

---

[1] یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب حضرت ابوبکرؓ کے ایک عزیز نے آپ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے میں حصہ لیا تھا، اور حضرت ابوبکرؓ نے اس ناروا حرکت سے ناراض ہو کر اس کی مالی مدد بند کر دی تھی۔

بہتر مال چھانٹ کر دیں۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ (البقرہ ۔ ۳۷)	اے ایمان والو! تم نے جو مال کمائے ہیں اور جو رزق تمھارے لیے ہم نے زمین سے نکالا ہے اس میں سے اچھا مال راہ خدا میں صرف کرو۔ بُرے سے بُرا چھانٹ کر نہ دو۔

یہاں اُن بڑی ہمت والوں کی ضرورت ہے جو تنگدستی اور غربت و افلاس کی حالت میں بھی اپنا پیٹ کاٹ کر خدا کے دین کی خدمت اور خدا کے بندوں کی مدد میں روپیہ صرف کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ ۔ (آل عمران ۔ ۱۴)	اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنت کی طرف لپکو جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے اور جو تیار کر کے رکھی گئی ہے ان پرہیزگاروں کے لیے جو خوشحالی اور تنگ حالی دونوں حالتوں میں خدا کے لیے خرچ کرتے ہیں۔

یہاں اُن ایمان داروں کی ضرورت ہے جو سچے دل سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے گا وہ ضائع نہ ہوگا بلکہ خدا دنیا اور آخرت میں اُس کا بہترین بدل عطا فرمائے گا۔ اس لیے وہ محض خدا کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں، اس بات کی کوئی پروا نہیں کرتے کہ لوگوں کو ان کی فیاضی و سخاوت کا حال معلوم ہوا یا نہیں اور کسی نے ان کی بخشش کا شکر ادا کیا یا نہیں۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِکُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ اللّٰہِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (بقرہ ۔ ۳۷)	تم جو کچھ بھی راہِ حق میں خرچ کرو گے وہ تمھارے ہی لیے بھلائی ہے جب کہ تم اپنے اس خرچ میں خدا کے سوا کسی اور کی خوشنودی نہیں چاہتے اس طرح جو کچھ بھی تم کار خیر میں صرف کرو گے اس کا پورا پورا فائدہ تم کو ملے گا اور تمھارے ساتھ ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔

یہاں ان بہادروں کی ضرورت ہے جو دولت مندی اور خوش حالی میں بھی خدا کو نہیں بھولتے جن کو محلوں میں بیٹھ کر اور ناز و نعمت میں رہ کر بھی خدا یاد رہتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (المنفقون ۲)

اے ایمان والو! مال اور اولاد کی محبت تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کر دے۔ جو ایسا کرے گا وہ خود ہی ٹوٹے میں رہنے والا ہے۔

یہ اللہ کی پارٹی میں شامل ہونے والوں کی لازمی صفات ہیں۔ ان کے بغیر کوئی شخص خدا کے دوستوں میں شامل نہیں ہو سکتا۔ دراصل یہ انسان کے اخلاق ہی کا نہیں بلکہ اس کے ایمان کا بھی بہت کڑا اور سخت امتحان ہے۔ جو شخص خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے جی چراتا ہے، اس خرچ کو اپنے اوپر چٹی اور جرمانہ سمجھتا ہے، حیلوں اور بہانوں سے بچاؤ کی صورتیں نکالتا ہے اور اگر خرچ کرتا ہے تو اپنی دلی تکلیف کا بخار لوگوں پر احسان رکھ کر نکالنے کی کوشش کرتا ہے، یا یہ چاہتا ہے کہ اس کی سخاوت کا دنیا میں اشتہار دیا جائے، وہ دراصل خدا اور آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ خدا کی راہ میں جو کچھ گیا وہ ضائع ہو گیا۔ اس کو اپنا عیش، اپنا آرام، اپنی لذتیں، اپنے فائدے اور اپنی ناموری خدا سے اور اس کی خوشنودی سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہے بس دنیا کی زندگی ہے۔ اگر روپیہ صرف کیا جائے تو اسی دنیا میں ناموری اور شہرت ہونی چاہیے تاکہ اس روپے کی قیمت یہیں وصول ہو جائے۔ ورنہ اگر روپیہ بھی گیا اور کسی کو یہ معلوم بھی نہ ہوا کہ فلاں صاحب نے فلاں کار خیر میں اتنا مال صرف کیا ہے تو گویا سب مٹی میں مل گیا۔ قرآن مجید میں صاف فرما دیا گیا ہے کہ اس قسم کا آدمی خدا کے کسی کام کا نہیں، وہ اگر ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو منافق ہے۔ چنانچہ آیات ذیل ملاحظہ ہوں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ

اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان رکھ کر اور اذیت پہنچا کر ضائع نہ کر دو اس شخص کی طرح جو محض لوگوں کو دکھانے اور نام چاہنے کے لیے خرچ کرتا ہے۔ اور اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔

بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (البقرہ - ۳۶)

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (التوبہ - ۵)

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اُسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں سخت سزا کی بشارت دیدو۔

لَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالْمُتَّقِیْنَ ۔ اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُھُمْ فَھُمْ فِیْ رَیْبِھِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ ۔ (التوبہ - ۷)

اے نبی! جو لوگ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ کبھی تم سے یہ درخواست نہ کریں گے کہ انہیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد میں حصہ لینے سے معاف رکھا جائے۔ اللہ اپنے متقی بندوں کو خوب جانتا ہے معذرت صرف وہ لوگ طلب کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے جن کے دلوں میں شک ہے اور وہ اپنے شک ہی میں متردد ہو رہے ہیں۔

وَمَا مَنَعَھُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْھُمْ نَفَقٰتُھُمْ اِلَّآ اَنَّھُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰہِ وَبِرَسُوْلِہٖ وَلَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اِلَّا وَھُمْ کُسَالٰی وَلَا یُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَھُمْ کٰرِھُوْنَ (التوبہ - ۷)

راہِ خدا میں ان کے خرچ کیے ہوئے مال صرف اس لیے قبول نہیں کیے جا سکتے کہ وہ دراصل اللہ اور رسول پر ایمان نہیں رکھتے۔ نماز کو آتے ہیں تو دل برداشتہ ہو کر اور مال خرچ کرتے ہیں تو ناک بھوں چڑھا کر۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُھُمْ مِّنْ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْکَرِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَیَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَھُمْ نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ (التوبہ - ۹)

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ وہ بدی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے سے ہاتھ روکتے ہیں۔ وہ خدا کو بھول گئے اور خدا نے ان کو بھلا دیا۔ یقیناً یہی منافقین فاسق ہیں۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ

ان اعراب یعنی منافقین میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جو راہِ خدا

مَغْرَمًا۔ (التوبہ۔ ۱۲) میں خرچ کرتے بھی ہیں تو زبردستی کی چٹی سمجھ کر۔

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ۔ (محمد۔ ۴)

سن رکھو کہ تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو تم میں سے بہت سے لوگ بخل کرتے ہیں اور جو کوئی اس کام میں بخل کرتا ہے وہ خود اپنے ہی لیے بخل کرتا ہے۔ اللہ تو غنی ہے۔ تم اس کے محتاج ہو۔ اگر تم نے خدا کے کام میں خرچ کرنے سے منہ موڑا تو وہ تمھاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

برادرانِ اسلام! یہ ہے اس زکوٰۃ کی حقیقت جو آپ کے دین کا ایک رکن ہے۔ اس کو دنیا کی حکومتوں کے ٹیکسوں کی طرح محض ایک ٹیکس نہ سمجھیے، بلکہ دراصل یہ اسلام کی روح اور اس کی جان ہے۔ یہ حقیقت میں ایمان کا امتحان ہے۔ جس طرح درجہ بدرجہ امتحانات دے کر آدمی ترقی کرتا ہے، یہاں تک کہ آخری امتحان دے کر گریجویٹ بنتا ہے، اسی طرح خدا کے ہاں بھی کئی امتحان ہیں جن سے آدمی کو گزرنا پڑتا ہے، اور جب وہ چوتھا امتحان یعنی مال کی قربانی کا امتحان کامیابی کے ساتھ دے دیتا ہے تب وہ پورا مسلمان بنتا ہے۔ اگرچہ یہ آخری امتحان نہیں ہے، اس کے بعد سب سے زیادہ سخت امتحان جان کی قربانی کا آتا ہے، جسے میں آگے چل کر بیان کروں گا۔ لیکن اسلام کے دائرے میں، یا بالفاظ دیگر اللہ کی پارٹی میں آنے کے لیے داخلہ کے جو امتحانات مقرر کیے گئے ہیں ان میں یہ آخری امتحان ہے۔ آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ خرچ کرنے اور روپیہ بہانے کے وعظ تو مسلمانوں کو بہت سنائے جا چکے۔ اب اس غربت و افلاس کی حالت میں تو ان کو کمانے اور خرچ کرنے کے وعظ سنانے چاہییں۔ مگر انھیں معلوم نہیں کہ یہ چیز جس پر وہ ناک بھوں چڑھاتے ہیں، دراصل یہی اسلام کی روح ہے، اور مسلمانوں کو جس چیز نے پستی و ذلت کے گڑھے میں گرایا ہے وہ دراصل اسی روح کی کمی ہے۔ مسلمان اس لیے نہیں گرے کہ اس روح نے ان کو گرا دیا، بلکہ اس لیے گرے ہیں کہ

یہ روح اُن سے نکل گئی ہے۔

آئندہ خطبات میں مَیں آپ کو بتاؤں گا کہ زکوٰۃ اور صدقات حقیقت میں ہماری جماعتی زندگی کی جان ہیں اور ان میں ہمارے لیے آخرت ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی بھی ساری نعمتیں جمع کر دی گئی ہیں۔

اجتماعی زندگی میں زکوٰۃ کا مقام

برادرانِ اسلام! اس سے پہلے دو خطبوں میں آپکے سامنے زکوٰۃ کی حقیقت بیان کر چکا ہوں۔ اب میں آپکے سامنے اس کے ایک دوسرے پہلو پر روشنی ڈالتا ہوں۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ اور صدقات کے لیے جگہ جگہ انفاق فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی "خدا کی راہ میں خرچ کرنا"۔ بعض بعض مقامات پر یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ تم راہِ خدا میں صرف کرتے ہو یہ اللہ کے ذمہ قرضِ حسنہ ہے۔ گویا تم اللہ کو قرض دیتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمھارا قرضدار ہو جاتا ہے۔ بکثرت مقامات پر یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم دوگے اس کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے اور وہ صرف اتنا ہی تم کو واپس نہ کرے گا بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ دے گا۔ اس مضمون پر غور کیجیے۔ کیا زمین و آسمان کا مالک، نعوذ باللہ آپ کا محتاج ہے؟ کیا اس ذاتِ پاک کو آپ سے قرض لینے کی ضرورت ہے؟ کیا وہ بادشاہوں کا بادشاہ، وہ بے حد و حساب خزانوں کا مالک اپنے لیے آپ سے کچھ مانگتا ہے؟ معاذ اللہ معاذ اللہ اس کی بخشش پر تو آپ پل رہے ہیں۔ اسی کا دیا ہوا رزق تو آپ کھاتے ہیں۔ آپ میں سے ہر امیر و غریب کے پاس جو کچھ ہے سب اسی کا تو عطیہ ہے۔ آپکے ایک فقیر سے لے کر ایک کروڑ پتی اور ارب پتی تک ہر شخص اس کے کرم کا محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس کو کیا ضرورت کہ آپ سے قرض مانگے اور اپنی ذات کے لیے آپکے آگے ہاتھ پھیلائے؟ دراصل یہ بھی اس کی شانِ کریمی ہے کہ وہ آپ سے خود آپ ہی کے فائدے کے لیے آپ ہی کی بھلائی کے لیے، آپ ہی کے کام میں خرچ کرنے کو فرماتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ خرچ میری راہ میں ہے، مجھ پر قرض ہے، میرے ذمہ اس کا بدلہ ہے اور میں تمھارا احسان مانتا ہوں۔ تم اپنی قوم کے محتاجوں اور مسکینوں کو دو۔ اس کا بدلہ وہ غریب کہاں سے دیں گے، ان کی طرف سے میں دوں گا۔ تم اپنے غریب رشتہ داروں

کی مدد کرو۔ اس کا احسان اُن پر نہیں مجھ پر ہے، میں تمہارے اس احسان کو اُتاروں گا۔ تم اپنے یتیموں، اپنی بیواؤں، اپنے معذوروں، اپنے مسافروں، اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کو جو کچھ دو وہ ادا میرے حساب میں لکھ لو۔ تمہارا مطالبہ اُن کے ذمہ نہیں، میرے ذمہ ہے۔ اور میں اس کو ادا کروں گا۔ تم اپنے پریشان حال بھائیوں کو قرض دو اور ان سے سود نہ مانگو، ان کو تنگ نہ کرو، اگر وہ ادا کرنے کے قابل نہ ہوں تو ان کو سول جیل نہ بھجواؤ، ان کے کپڑے اور گھر کے برتن فروخت نہ کراؤ، ان کے بال بچوں کو گھر سے بے گھر نہ کردو۔ تمہارا قرض اُن کے ذمہ نہیں میرے ذمہ ہے۔ اگر وہ اصل ادا کر دیں گے تو میں اصل اور سود دونوں تمہیں دوں گا۔ اسی طرح اپنی جماعتی فلاح کے کاموں میں، اپنے ابنائے نوع کی بھلائی اور بہتری کے لیے جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا فائدہ اگرچہ تمہیں کو ملے گا، مگر اس کا احسان مجھ پر ہوگا۔ میں اس کی پائی پائی منافع سمیت تمہیں واپس دوں گا۔

یہ ہے اس کریموں کے کریم، اُس بادشاہوں کے بادشاہ کی شان۔ تمہارے پاس جو کچھ ہے اسی کا بخشا ہوا ہے۔ تم کہیں اور سے نہیں لاتے، اُسی کے خزانوں سے لیتے ہو۔ اور پھر جو کچھ دیتے ہو، اس کو نہیں دیتے، اپنے ہی رشتہ داروں، اپنے ہی بھائی بندوں، اپنی ہی قوم کے لوگوں کو دیتے ہو، یا اپنی اجتماعی فلاح پر صرف کرتے ہو جس کا فائدہ آخر کار تم ہی کو پہنچتا ہے۔ مگر اس فیاضِ حقیقی کو دیکھو کہ جو کچھ تم اس سے لے کر اپنوں کو دیتے ہو، اُسے وہ فرماتا ہے کہ تم نے مجھے دیا، میری راہ میں دیا، مجھے قرض دیا، میں اس کا اجر تمہیں دوں گا۔ اللہ اکبر! خداوندِ عالم ہی کو یہ شانِ کریمی زیب دیتی ہے۔ اُسی بے نیاز بادشاہ کا یہ مقام ہے کہ فیاضی اور جود و کرم کے اس بلند ترین کمال کا اظہار کرے۔ کوئی انسان اس بلند خیالی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

اچھا اب اس بات پر غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور فیاضی پر اُبھارنے کا یہ طریقہ کیوں اختیار فرمایا؟ اس سوال پر جتنا زیادہ آپ غور کریں گے اسی قدر زیادہ آپ پر اسلامی تعلیمات کی پاکیزگی کا حال کھلے گا اور آپ کا دل گواہی دیتا چلا جائے گا کہ ایسی بے نظیر تعلیم خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہو نہیں سکتی۔ آپ جانتے ہیں کہ انسان اپنی فطرت ہی کے لحاظ سے ظلوم و جہول واقع ہوا ہے۔ اس کی نظر تنگ ہے۔

یہ زیادہ دور تک نہیں دیکھ سکتا۔ اس کا دل چھوٹا ہے۔ زیادہ بڑے اور اونچے خیالات اس میں کم ہی سما سکتے ہیں۔ یہ خود غرض واقع ہوا ہے اور اپنی غرض کا بھی کوئی وسیع تصور اس کے دماغ میں پیدا نہیں ہوتا۔ یہ جلدباز بھی ہے، خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ۔ یہ ہر چیز کا نتیجہ اور فائدہ جلدی دیکھنا چاہتا ہے اور اسی نتیجہ کو نتیجہ اور اسی فائدے کو فائدہ سمجھتا ہے جو جلدی سے اس کے سامنے آجائے اور اس کو محسوس ہو جائے۔ دور رس نتائج تک اس کی نگاہ نہیں پہنچتی۔ اور بڑے پیمانے پر جو فائدے حاصل ہوتے ہیں، اور جن فائدوں کا سلسلہ بہت دور تک چلتا ہے اُن کا ادراک اسے مشکل سے ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات ہوتا ہی نہیں۔ یہ انسان کی فطری کمزوری ہے اور اس کمزوری کا اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ ہر چیز میں اپنے ذاتی فائدے کو دیکھتا ہے اور فائدہ بھی وہ جو بہت چھوٹے پیمانے پر ہو، جلدی سے حاصل ہو جائے اور اس کو محسوس ہو جائے۔ یہ کہتا ہے کہ جو کچھ میں نے کمایا ہے، یا جو کچھ مجھے اپنے باپ دادا سے ملا ہے، یہ میرا ہے۔ اس میں کسی کا حصہ نہیں۔ اس کو میری ضروریات پر، میری خواہشات پر، میری آسائش اور میری لذتِ نفس ہی پر خرچ ہونا چاہیے۔ یا ایسے کام میں خرچ ہونا چاہیے جس کا نفع جلدی سے محسوس صورت میں میرے پاس پلٹ آئے۔ میں روپیہ صرف کروں تو اس کے بدلے میں یا تو میرے پاس اس سے زیادہ روپیہ آنا چاہیے، یا میری آسائش میں کچھ مزید اضافہ ہونا چاہیے، یا کم از کم یہی ہو کہ میرا نام بڑھے، میری شہرت ہو، میری عزت بڑھے، مجھے خطاب ملے، اونچی کرسی ملے، لوگ میرے سامنے جھکیں اور زبانوں پر میرا چرچا ہو۔ اگر ان باتوں میں سے کچھ بھی مجھے حاصل نہیں ہوتا تو آخر میں کیوں اپنا مال اپنے ہاتھ سے دوں؟ قریب میں کوئی یتیم بھوکا مر رہا ہے یا آوارہ پھر رہا ہے تو میں کیوں اس کی خبر گیری کروں؟ اس کا حق اس کے باپ پر تھا۔ اُسے اپنی اولاد کے لیے کچھ چھوڑ کر جانا چاہیے تھا یا انشورنس کرانا چاہیے تھا۔ کوئی بیوہ اگر میرے محلہ میں مصیبت کے دن کاٹ رہی ہے تو مجھے کیا؟ اس کے شوہر کو اس کی فکر کرنی چاہیے تھی۔ کوئی مسافر اگر بھٹکتا پھر رہا ہے تو مجھ سے کیا تعلق؟ وہ بے وقوف اپنا انتظام کیے بغیر گھر سے کیوں نکل کھڑا ہوا؟ کوئی شخص اگر پریشان حال ہے تو ہوا کرے اسے بھی اللہ نے میری ہی طرح ہاتھ پاؤں دیے

ہیں۔ اپنی ضرورتیں اسے خود پوری کرنی چاہییں۔ میں اس کی کیوں مدد کروں؟ میں اسے دوں گا تو قرض دوں گا اور اصل کے ساتھ سود بھی وصول کروں گا، کیونکہ میرا روپیہ کچھ بے کار تو ہے نہیں۔ میں اس سے مکان بنواتا، یا موٹر خریدتا، یا کسی نفع کے کام پر لگاتا۔ یہ بھی اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ ہی اٹھائے گا پھر کیوں نہ میں اس فائدے سے اپنا حصہ وصول کروں؟

اس خود غرضانہ ذہنیت کے ساتھ اول تو روپے والا آدمی خزانے کا سانپ بن کر رہے گا۔ یا خرچ کرے گا تو اپنے ذاتی فائدے کے لیے کرے گا۔ جہاں اس کو اپنا فائدہ نظر نہ آئے گا وہاں ایک پیسہ بھی اس کی جیب سے نہ نکلے گا۔ اگر کسی غریب کی اس نے مدد کی بھی تو دراصل اس کی مدد نہ کرے گا بلکہ اسے لوٹے گا، اور جو کچھ اسے دے گا اس سے زیادہ وصول کرلے گا۔ اگر کسی مسکین کو کچھ دے گا تو اس پر ہزاروں احسان رکھ کر اس کی آدھی جان نکال لے گا اور اس کی اتنی تذلیل و تحقیر کرے گا کہ اس میں کوئی خودداری باقی نہ رہ سکے گی۔ اگر کسی قومی کام میں حصہ لے گا تو سب سے پہلے یہ دیکھ لے گا کہ اس میں میرا ذاتی فائدہ کس قدر ہے۔ جن کاموں میں اس کی اپنی ذات کا کوئی فائدہ نہ ہو وہ سب اس کی مدد سے محروم رہ جائیں گے۔

اس ذہنیت کے نتائج کیا ہیں؟ اس کے نتائج صرف اجتماعی زندگی ہی کے لیے مہلک نہیں ہیں بلکہ آخر کار خود اس شخص کے لیے بھی نقصان دہ ہیں جو تنگ نظری اور جہالت کی وجہ سے اس کو اپنے لیے فائدہ مند سمجھتا ہے۔ جب لوگوں میں یہ ذہنیت کام کررہی ہو تو تھوڑے اشخاص کے پاس دولت سمٹ سمٹ کر اکھٹی ہوتی چلی جاتی ہے اور بے شمار اشخاص بے وسیلہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دولت مند لوگ روپے کے زور سے روپیہ کھینچتے رہتے ہیں۔ اور غریب لوگوں کی زندگی روز بروز تنگ ہوتی چلی جاتی ہے۔ افلاس جس سوسائٹی میں عام ہو وہ طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ اس کی جسمانی صحت خراب ہوتی ہے۔ اس میں بیماریاں پھیلتی ہیں۔ اس میں کام کرنے اور دولت پیدا کرنے کی قوت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس میں جہالت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس کے اخلاق گرنے لگتے ہیں۔ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے جرائم

کا ارتکاب کرنے لگتی ہے اور آخر کار یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ وہ لوٹ مار پر اتر آتی ہے۔ عام بلوے مچتے ہیں۔ دولت مند لوگ قتل کیے جاتے ہیں، اُن کے گھر بار لوٹے اور جلائے جاتے ہیں، اور وہ اس طرح تباہ و برباد ہوتے ہیں کہ ان کا نام و نشان تک دنیا میں باقی نہیں رہتا۔

اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ درحقیقت ہر شخص کی بھلائی اس جماعت کی بھلائی کے ساتھ وابستہ ہے جس کے دائرے میں وہ رہتا ہے۔ آپ کے پاس جو دولت ہے اگر آپ اس سے اپنے دوسرے بھائیوں کی مدد کریں تو یہ دولت چکر لگاتی ہوئی بہت سے فائدوں کے ساتھ پھر آپ کے پاس پلٹ کر آئے گی۔ اور اگر آپ تنگ نظری کے ساتھ اس کو اپنے پاس جمع رکھیں گے، یا صرف اپنے ہی ذاتی فائدے پر خرچ کریں گے تو یہ بالآخر گھٹتی چلی جائے گی۔ مثال کے طور پر اگر آپ نے ایک یتیم بچے کی پرورش کی اور اُسے تعلیم دے کر اس قابل بنا دیا کہ وہ آپ کی جماعت کا ایک کمانے والا فرد بن جائے تو گویا آپ نے جماعت کی دولت میں اضافہ کیا اور ظاہر ہے کہ جب جماعت کی دولت بڑھے گی تو آپ، جو جماعت کے ایک فرد ہیں، آپ کو بھی اس دولت میں سے بہرحال حصہ ملے گا، خواہ آپ کو کسی حساب سے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ یہ حصہ آپ کو اس یتیم کی قابلیت سے پہنچا ہے جس کی آپ نے مدد کی تھی۔ لیکن اگر آپ نے خود غرضی اور تنگ نظری سے کام لے کر یہ کہا کہ میں اس کی مدد کیوں کروں، اس کے باپ کو اس کے لیے کچھ نہ کچھ چھوڑنا چاہیے تھا، تو وہ آوارہ پھرے گا، ایک بے کار آدمی بن کر رہ جائے گا، اس میں یہ قابلیت پیدا ہی نہ ہو سکے گی کہ اپنی محنت سے جماعت کی دولت میں کوئی اضافہ کر سکے۔ بلکہ کچھ عجب نہیں کہ وہ جرائم پیشہ بن جائے اور ایک روز خود آپ کے گھر میں نقب لگائے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ نے اپنی جماعت کے ایک شخص کو بے کار اور آوارہ اور جرائم پیشہ بنا کر اس کا ہی نہیں، خود اپنا بھی نقصان کیا۔ اس ایک مثال پر قیاس کر کے آپ ذرا وسیع نظر سے دیکھیں تو آپ کو دکھائی دے گا کہ جو شخص بے غرضی کے ساتھ جماعت کی بھلائی کے لیے روپیہ صرف کرتا ہے، اس کا روپیہ ظاہر میں تو اس کی جیب سے نکل جاتا ہے، مگر باہر وہ بڑھتا اور پھلتا پھولتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ آخر میں وہ

بے شمار فائدوں کے ساتھ اُسی جیب میں واپس آتا ہے جس سے وہ کبھی نکلا تھا۔ اور جو شخص خود غرضی اور تنگ نظری کے ساتھ روپے کو اپنے پاس روک رکھتا ہے اور جماعت کی بھلائی پر خرچ نہیں کرتا، وہ ظاہر میں تو اپنا روپیہ محفوظ رکھتا ہے، یا سود دکھا کر اسے اور بڑھاتا ہے، مگر حقیقت میں وہ اپنی حماقت سے اپنی دولت گھٹاتا ہے اور اپنی بربادی کا سامان کرتا ہے۔ یہی راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ :۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ — اور سود کا منہ مارتا ہے اللہ اور صدقات کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ — تم جو سود دیتے ہو یہ سمجھ کر کہ یہ لوگوں کی دولت بڑھائے گا تو در اصل اللہ کے نزدیک اس سے دولت نہیں بڑھتی۔ البتہ جو زکوٰۃ تم محض خدا کی رضا جوئی کے لیے دیتے ہو، وہ دوگنی چوگنی ہوتی چلی جاتی ہے۔

لیکن اس راز کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے میں انسان کی تنگ نظری اور اس کی جہالت مانع ہے۔ یہ محسوسات کا بندہ ہے۔ جو روپیہ اس کی جیب میں ہے اس کو تو یہ دیکھ سکتا ہے کہ اس کی جیب میں ہے۔ جو روپیہ اس کے بہی کھاتہ کی رو سے بڑھ رہا ہے اس کو بھی یہ جانتا ہے کہ واقعی بڑھ رہا ہے۔ مگر جو روپیہ اس کے پاس سے چلا جاتا ہے اس کو یہ نہیں دیکھ سکتا کہ وہ کہاں بڑھ رہا ہے، کس طرح بڑھ رہا ہے، کتنا بڑھ رہا ہے اور کب اس کے پاس فائدوں اور منافع کے ساتھ واپس آتا ہے۔ یہ تو بس یہی سمجھ سکتا ہے کہ اس قدر روپیہ میرے پاس سے گیا اور ہمیشہ کے لیے چلا گیا۔

اس جہالت کے بند کو آج تک انسان اپنی عقل یا اپنی کوشش سے نہیں کھول سکا۔ تمام دنیا میں یہی حال ہے۔ ایک طرف سرمایہ داروں کی دنیا ہے جہاں سارے کام سود خواری پر چل رہے ہیں اور دولت کی کثرت کے باوجود روز بروز مصیبتوں اور پریشانیوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ دوسری طرف ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا ہے اور بڑھتا چلا جا رہا ہے جس کے دل میں حسد کی آگ جل رہی ہے اور جو

سرمایہ داروں کے خزانوں پر ڈاکہ مارنے کے ساتھ انسانی تہذیب و تمدن کی ساری بساط الٹ دینا چاہتا ہے۔

اس پیچیدگی کو اس حکیم و دانا ہستی نے حل کیا ہے جس کی کتاب پاک کا نام قرآن ہے۔ اس قفل کی کنجی ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر ہے۔ اگر آدمی خدا پر ایمان لے آئے اور یہ جان لے کہ زمین و آسمان کے خزانوں کا اصل مالک خدا ہے، اور انسانی معاملات کا انتظام اصل میں خدا ہی کے ہاتھ میں ہے، اور خدا کے پاس ایک ایک ذرے کا حساب ہے، اور انسان کی ساری بھلائیوں اور برائیوں کی آخری جزا و سزا ٹھیک ٹھیک حساب کے مطابق آخرت میں ملے گی، تو اس کے لیے یہ بالکل آسان ہو جائے گا کہ اپنی نظر پر بھروسہ کرنے کے بجائے خدا پر بھروسہ کرے اور اپنی دولت کو خدا کی ہدایت کے مطابق خرچ کرے، اور اس کے نفع و نقصان کو خدا پر چھوڑ دے۔ اس ایمان کے ساتھ وہ جو کچھ خرچ کرے گا وہ در اصل خدا کو دے گا۔ اس کا حساب کتاب بھی خدا کے بہی کھاتے میں لکھا جائے گا۔ خواہ دنیا میں کسی کو اس کے احسان کا علم ہو یا نہ ہو، مگر خدا کے علم میں ضرور آئے گا اور خواہ اس کا احسان کوئی مانے یا نہ مانے خدا اس کے احسان کو مانے اور جانے گا، اور خدا کا جب یہ وعدہ ہو چکا ہے کہ وہ اس کا بدلہ دے گا تو یقین ہے کہ وہ اس کا بدلہ ضرور دے گا خواہ آخرت میں دے یا دنیا اور آخرت دونوں میں دے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے عام احکام

برادرانِ اسلام! اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کا یہ قاعدہ رکھا ہے کہ پہلے تو نیکی اور بھلائی کے کاموں کا ایک عام حکم دیا جاتا ہے تاکہ لوگ اپنی زندگی میں عموماً بھلائی کا طریقہ اختیار کریں، پھر اسی بھلائی کی ایک خاص صورت بھی تجویز کر دی جاتی ہے تاکہ اس کی خاص طور پر پابندی کی جائے۔ مثال کے طور پر دیکھیے کہ اللہ کی یاد ایک بھلائی ہے، سب سے بڑی بھلائی اور تمام بھلائیوں کا سرچشمہ۔ اس کے لیے عام حکم ہے کہ اللہ کو ہمیشہ ہر حال میں ہر وقت یاد رکھو اور کبھی اس سے غافل نہ ہو۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ۔

کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اس کی یاد میں لگے رہو۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کو فلاح نصیب ہو۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔

بے شک آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان لوگوں کے لیے اللہ کی بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔ جو خدا کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے یاد کرتے رہتے ہیں اور جو آسمانوں اور زمین کی بناوٹ پر غور کر کے بے اختیار بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار! تو نے یہ کارخانہ بیکار نہیں بنایا۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۔

اور اس شخص کی بات نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل پایا اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑ گیا ہے اور جس کا کام

کام حدسے گزرے ہوئے ہیں ۔

یہ اور بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں حکم دیا گیا ہے کہ ہمیشہ ہر حال میں خدا کی یاد جاری رکھو۔ کیونکہ خدا کی یاد ہی وہ چیز ہے جو آدمی کے معاملات کو درست رکھتی ہے اور اس کو سیدھے راستے پر قائم رکھتی ہے۔ جہاں آدمی اس کی یاد سے غافل ہوا اور بس نفسانی خواہشوں اور شیطانی وسوسوں نے اس پر قابو پا لیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ راہِ راست سے بھٹک کر اپنی زندگی کے معاملات میں حد سے گزرنے لگے گا۔

دیکھیے! یہ تو تھا عام حکم۔ اب اسی یادِ الٰہی کی ایک خاص صورت تجویز کی گئی نماز۔ اور نماز میں بھی پانچ وقت میں چند رکعتیں فرض کر دی گئیں جن میں ہر ایک وقت پانچ چھ منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوتے۔ اس طرح چند منٹ اس وقت اور چند منٹ اُس وقت یادِ الٰہی کو فرض کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بس آپ اتنی ہی دیر کے لیے خدا کو یاد کریں اور باقی وقت اس کو بھول جائیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم اتنی دیر کے لیے تو تم کو بالکل خدا کی یاد میں لگ جانا چاہیے، اس کے بعد اپنے کام بھی کرتے رہو اور خدا کو بھی یاد کرو۔

بس ایسا ہی معاملہ زکوٰۃ کا بھی ہے۔ یہاں بھی ایک حکم عام ہے اور ایک خاص۔ ایک طرف تو یہ ہے کہ بخل اور تنگ دلی سے بچو کہ یہ برائیوں کی جڑ اور بدیوں کی ماں ہے۔ اپنے اخلاق میں اللہ کا رنگ اختیار کرو جو ہر وقت بے حد و حساب مخلوق پر اپنے فیض کے دریا بہا رہا ہے حالانکہ کسی کا اس پر کوئی حق اور دعویٰ نہیں ہے۔ راہِ خدا میں جو کچھ کرسکتے ہو کرو۔ اپنی ضرورتوں سے جتنا بچا سکتے ہو بچاؤ اور اس سے خدا کے دوسرے ضرورت مند بندوں کی ضرورتیں پوری کرو۔ دین کی خدمت میں اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے میں جان اور مال سے کبھی دریغ نہ کرو۔ اگر خدا سے محبت رکھتے ہو تو مال کی محبت کو خدا کی محبت پر قربان کر دو۔ یہ تو ہے عام حکم۔ اور اس کے ساتھ ہی خاص حکم یہ ہے کہ اس قدر مال اگر تمھارے پاس جمع ہو تو اس میں سے کم از کم اتنا خدا کی راہ میں ضرور صرف کرو اور اتنی پیداوار تمھاری زمین میں ہو تو اس میں سے کم از کم اتنا حصہ تو ضرور خدا کی نذر کر دو۔ جس طرح چند رکعت نماز فرض کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس یہ رکعتیں پڑھتے وقت خدا کو یاد کرو اور باقی

سارے وقتوں میں اس کو بھول جاؤ، اسی طرح مال کی ایک چھوٹی سی مقدار راہ خدا میں صرف کرنا جو فرض کیا گیا ہے، اس کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ جن لوگوں کے پاس اتنا مال ہو بس انھی کو راہ خدا میں صرف کرنا چاہیے، اور جو اس سے کم مال رکھتے ہوں انھیں اپنی مٹھیاں بھینچ لینی چاہییں۔ اور اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ مال دار لوگوں پر جتنی زکوٰۃ فرض کی گئی ہے بس وہ اتنا ہی خدا کی راہ میں صرف کریں، اور اس کے بعد کوئی ضرورت مند آئے تو اُسے جھڑک دیں، یا دین کی خدمت کا کوئی موقع آئے تو کہہ دیں کہ ہم تو زکوٰۃ دے چکے اب ہم سے ایک پائی کی بھی امید نہ رکھو۔ زکوٰۃ فرض کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ کم از کم اتنا تو ہر مال دار کو راہ خدا میں دینا ہی پڑے گا، اور اس سے زیادہ جس شخص سے جو کچھ بن آئے وہ اس کو صرف کرنا چاہیے۔

اب میں آپ کے سامنے عام حکم اور خاص حکم دونوں کی تھوڑی سی تشریح بیان کروں گا۔

قرآن مجید کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جس چیز کا حکم دیتا ہے اس کی حکمتیں اور مصلحتیں بھی خود ہی بتا دیتا ہے تاکہ محکوم کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو حکم دیا ہے اس کی وجہ کیا ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے۔ قرآن مجید کھولتے ہی سب سے پہلے جس آیت پر آپ کی نظر پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ	یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں، یہ ان
هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ	پرہیزگار لوگوں کو زندگی کا سیدھا راستہ بتاتی ہے جو غیب پر
وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ	ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے ان

کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت میں یہ اصل الاصول بیان کر دیا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں سیدھے راستے پر چلنے کے لیے تین چیزیں لازمی طور پر شرط ہیں۔ ایک ایمان بالغیب۔ دوسرے نماز قائم کرنا۔ تیسرے جو رزق بھی اللہ نے دیا ہو اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرنا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:-

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔

تم نیکی کا مقام پا ہی نہیں سکتے جب تک کہ خدا کی راہ میں وہ چیزیں نہ خرچ کرو جن سے تم کو محبت ہے۔

پھر فرمایا:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ۔

شیطان تم کو ڈراتا ہے کہ خرچ کروگے تو فقیر ہو جاؤ گے، وہ تمھیں شرمناک چیز یعنی بخیلی کی تعلیم دیتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا:

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ (کہ راہ خدا میں خرچ نہ کرنے کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں۔)

آخر میں فرمایا کہ:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

اور جو لوگ تنگ دلی سے بچ گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

ان سب آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں انسان کے لیے زندگی بسر کرنے کے دو راستے ہیں۔ ایک خدا کا راستہ ہے جس میں نیکی اور بھلائی اور فلاح اور کامیابی ہے۔ اس راستے کا قاعدہ یہ ہے کہ آدمی کا دل کھلا ہوا ہو۔ جو رزق بھی تھوڑا یا بہت اللہ نے دیا ہو اس سے خود اپنی ضرورتیں بھی پوری کرے اور اپنے بھائیوں کی مدد بھی کرے، اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے بھی خرچ کرے۔ دوسرا راستہ شیطان کا راستہ ہے۔ جس میں بظاہر تو آدمی کو فائدہ ہی فائدہ نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ اس راستہ کا قاعدہ یہ ہے کہ آدمی دولت سمیٹنے کی کوشش کرے اور پیسے پیسے پر جان دے اور دانتوں سے پکڑ پکڑ کر رکھے تاکہ خرچ نہ ہونے پائے اور خرچ ہو بھی تو بس اپنے ذاتی فائدے اور اپنے نفس کی خواہشات پر ہو۔

اب دیکھیے کہ خدائی راستے پر چلنے والوں کے لیے راہ خدا میں خرچ کرنے کے کیا طریقے بیان ہوتے ہیں۔ ان سب کو نمبروار بیان کرتا ہوں۔

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ خرچ کرنے میں صرف خدا کی رضا اور اس کی خوشنودی مطلوب ہو، کسی کو احسان مند بنانے یا دنیا میں نام کرنے کے لیے خرچ نہ کیا جائے۔

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰہِ۔

تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اس سے اللہ کی رضا کے سوا تمھارا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَاَصَابَہٗ وَابِلٌ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا

اے اہل ایمان اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور اذیت دے کر اُس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کے خرچ کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک چٹان پر مٹی پڑی ہو اور اس پر زور کا مینہ برسے تو ساری کی بہہ جائے اور بس صاف چٹان کی چٹان رہ جائے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ کسی کو پیسہ دے کر یا روٹی کھلا کر یا کپڑا پہنا کر احسان نہ جتایا جائے اور ایسا برتاؤ نہ کیا جائے جس سے اس کے دل کو تکلیف ہو۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَۃٍ یَّتْبَعُھَآ اَذًی۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور پھر خرچ کر کے احسان نہیں جتاتے اور تکلیف نہیں پہنچاتے ان کے لیے خدا کے ہاں اجر ہے اور انھیں کسی نقصان کا خوف یا رنج نہیں۔ رہی وہ خیرات جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے تو اس سے تو یہی بہتر ہے کہ سائل کو نرمی سے ٹال دیا جائے اور اس سے کہہ دیا جائے کہ بھائی معاف کرو۔

(۳) تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ خدا کی راہ میں اچھا مال دیا جائے، برا چھانٹ کر نہ دیا جائے۔ جو لوگ کسی غریب کو دینے کے لیے پھٹے پرانے کپڑے تلاش کرتے ہیں، یا کسی فقیر کو کھلانے کے لیے بدتر سے بدتر کھانا نکالتے ہیں، اُن کو بس ایسے ہی اجر کی خدا سے بھی توقع رکھنی چاہیے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ۔

اے اہل ایمان! جو کچھ تم نے کمایا ہے اور جو کچھ ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالا ہے اس میں سے اچھا مال خدا کی راہ میں دو۔ یہ نہ کرو کہ خدا کی راہ میں دینے کے لیے برے سے برا تلاش کرنے لگو۔

(۴) چوتھا قاعدہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو چھپا کر خرچ کیا جائے تاکہ ریا اور نمود کی آمیزش نہ ہونے پائے۔ اگرچہ کھلے طریقہ سے خرچ کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر ڈھانک چھپا کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ۔

اگر کھلے طریقہ سے خیرات کرو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر غریب لوگوں کو دو تو یہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے اور اس سے تمھارے گناہ دُھلتے ہیں۔

(۵) پانچواں قاعدہ یہ ہے کہ کم عقل اور نادان لوگوں کو ان کی ضرورت سے زیادہ نہ دیا جائے کہ بگڑ جائیں اور بری عادتوں میں پڑ جائیں، بلکہ ان کو جو کچھ دیا جائے ان کی حیثیت کے مطابق دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ پیٹ کو روٹی اور پہننے کو کپڑا تو برے سے برے اور بدکار سے بدکار کو بھی ملنا چاہیے، مگر شراب نوشی اور چانڈو اور گانجے اور جُوئے بازی کے لیے رذیل لوگوں کو پیسہ نہ دینا چاہیے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ۔

اپنے اموال جن کو اللہ نے تمھارے لیے زندگی بسر کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو۔ البتہ ان اموال میں سے ان کو کھانے اور پہننے کے لیے دو۔

(۶) چھٹا قاعدہ یہ بیان ہوا ہے کہ اگر کسی غریب آدمی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اسے قرض حسن دیا جائے تو تقاضے کرکے اسے پریشان نہ کیا جائے بلکہ اسے اتنی مہلت دی جائے کہ وہ آسانی سے ادا کر سکے۔ اور اگر واقعی یہ معلوم ہو کہ وہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہے اور تم اتنا مال رکھتے ہو کہ اس کو آسانی کے ساتھ معاف کر سکتے ہو تو بہتر یہ ہے کہ معاف کر دو۔

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ۔

اور اگر قرضدار تنگ دست ہو تو اسے خوش حال ہونے تک مہلت دو۔ اور صدقہ کر دینا تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم اس کا فائدہ جانو۔

(۷) ساتواں قاعدہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ آدمی کو خیرات کرنے میں بھی حد سے نہ گزرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر خیرات کی جائے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ سیدھے سادے طریقہ سے زندگی بسر کرنے کے لیے جتنی ضرورت انسان کو ہوتی ہے اتنا اپنی ذات پر اور اپنے بال بچوں پر صرف کرے اور جو باقی بچے اسے خدا کی راہ میں دے۔

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ۔

پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں؟ اے نبی کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا۔

اللہ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کریں، تو نہ فضول خرچی کریں اور نہ بہت تنگی کر جائیں بلکہ ان کا طریقہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان میں ہو۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا۔

نہ تو اپنا ہاتھ اتنا سکیڑ لو کہ گویا گردن سے بندھا ہوا ہے اور نہ اتنا کھول دو کہ حسرت زدہ بیٹھے رہو اور لوگ بھی تم کو ملامت کریں۔

(۸) آخر میں یہ بھی سن لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے مستحقین کی پوری فہرست بتا دی ہے جس کو دیکھ کر آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ کون کون لوگ آپ کی مدد کے مستحق ہیں اور کن کا حق اللہ نے آپ کی کمائی میں رکھا ہے۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ۔	اپنے غریب رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو۔
وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ۔	اور نیک وہ ہے جو خدا کی محبت میں مال دے اپنے غریب رشتہ داروں کو اور یتیموں اور مسکینوں کو اور مسافر کو اور لیسے لوگوں کو جن کی گردنیں غلامی اور اسیری میں پھنسی ہوئی ہوں۔
وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔	اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت دار پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور اپنے لونڈی غلاموں کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہو۔
وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا۔ اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا۔ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا۔	اور نیک لوگ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تم کو محض خدا کے لیے کھلاتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے۔ ہم کو تو اپنے خدا سے اس دن کا ڈر لگا ہوا ہے جس کی شدت کی وجہ سے لوگوں کے منہ سکڑ جائیں گے اور تیوریاں چڑھ جائیں گی۔
لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا	خیرات ان فقیروں کے لیے ہے جو اپنا سارا وقت خدا کے

فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُھُمْ بِسِیْمٰھُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ۔

کام میں دے کر ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی روزی کمانے کے لیے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ ان کی خودداری کو دیکھ کر تم گمان کرتے ہو کہ وہ غنی ہیں مگر ان کی صورت دیکھ کر تم پہچان سکتے ہو کہ ان پر کیا گذر رہی ہے (ان کو خود جاکر دو) وہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر مانگتے پھریں۔ ان کو ڈھانک چھپا کر، جو کچھ بھی تم خیرات دو گے اللہ کو اس کی خبر ہو گی، اور وہ اس کا بدلہ دے گا

زکوٰۃ کے احکام

برادرانِ اسلام! پچھلے خطبہ میں آپ کے سامنے انفاق فی سبیل اللہ (یعنی راہ خدا میں خرچ کرنے) کے عام احکام بیان کر چکا ہوں۔ اب میں اس حکم کے دوسرے حصہ کی تفصیلات بیان کرتا ہوں جو زکوٰۃ سے متعلق ہے، یعنی جسے فرض کیا گیا ہے۔

زکوٰۃ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تین جگہ الگ الگ احکام بیان فرمائے ہیں۔ سورہ بقرہ میں فرمایا:

أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ (رکوع ۳۷)

جو پاک مال تم نے کمائے ہیں اور جو پیداوار ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہے اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرو۔

اور اسی کے متعلق سورۂ انعام میں فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے زمین سے باغ اُگائے ہیں اور کھیتیاں پیدا کی ہیں لہٰذا:

كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (رکوع ۱۷)

اس کی پیداوار جب نکلے تو اس میں سے کھاؤ۔ اور فصل کٹنے کے دن اللہ کا حق نکال دو۔

یہ دونوں آیتیں زمین کی پیداوار کے متعلق ہیں اور فقہائے حنفیہ فرماتے ہیں کہ خود رو پیداوار مثلاً لکڑی اور گھاس اور بانس کے سوا باقی جتنی چیزیں غلہ اور ترکاری اور پھلوں کی قسم سے نکلیں ان سب میں سے اللہ کا حق نکالنا چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو پیداوار آسمانی بارش سے ہو اس میں اللہ کا حق دسواں حصہ ہے اور جو پیداوار انسان کی اپنی کوشش یعنی آب پاشی سے ہو اس میں اللہ کا حق بیسواں حصہ ہے۔ اور یہ حصہ پیداوار کٹنے کے ساتھ ہی واجب ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد دوسرا حکم سورۂ توبہ میں آتا ہے۔ وہاں اول تو یہ فرمایا کہ:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔ (رکوع ۵)	جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور اس میں سے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو اس دن کے عذاب کی جب ان کے اس سونے اور چاندی کو آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغا جائے گا اور کہا جائیگا کہ یہ ہے وہ مال جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ اب اپنے ان خزانوں کا مزہ چکھو۔

پھر فرمایا:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ (رکوع ۸)	صدقات (یعنی زکوٰۃ) اللہ کی طرف سے مقرر کردہ فرض ہے فقراء کے لیے اور مساکین کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب منظور ہو اور گردنیں چھڑانے کے لیے اور قرض داروں کے لیے اور راہ خدا میں اور مسافروں کے لیے۔ اللہ بہتر جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (رکوع ۱۳)	ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کو پاک اور صاف کر دو۔

ان تینوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ جو مال جمع کیا جائے اور بڑھایا جائے اور اس میں سے راہ خدا میں صرف نہ کیا جائے وہ ناپاک ہوتا ہے۔ اس کے پاک کرنے کی صورت صرف یہ ہے کہ اس میں

سے خدا کا حق نکال کر اس کے بندوں کو دیدیا جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب سونا اور چاندی جمع کرنے والوں پر عذاب کی دھمکی آئی تو مسلمان سخت پریشان ہوئے۔ کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہوتے تھے کہ ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھو سب خرچ کر ڈالو۔ آخر کار حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قوم کی پریشانی کا حال عرض کیا۔ آپؐ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ تم پر اسی لیے فرض کی ہے کہ باقی اموال تمہارے لیے پاک ہوجائیں۔ ایسی ہی روایت حضرت ابو سعیدؓ خدری سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب تو نے اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکال دی تو جو حق تجھ پر واجب تھا وہ ادا ہوگیا۔

آیات مذکورۂ بالا سے تو صرف سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کا حکم ملتا ہے لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارتی مال، اونٹ، گائے اور بکریوں میں بھی زکوٰۃ ہے۔ چاندی کا نصاب دو سو درہم یعنی ۵۲ ½ تولہ کے قریب ہے اور سونے کا نصاب ۷ ½ تولہ۔ بکریوں کا نصاب ۴۰ بکریاں اور گائے کا نصاب ۳۰ ہے یعنی جس شخص کے پاس اتنا مال موجود ہو اور اس پر ایک سال گذر جائے تو اس میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ کا نکالنا واجب ہے۔ چاندی اور سونے کے متعلق حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ دونوں الگ الگ بقدر نصاب نہ ہوں لیکن دونوں مل کر نصاب کی حد تک پہنچ جاتے ہوں تو ان میں سے بھی زکوٰۃ نکالنی واجب ہے۔

سونا اور چاندی اگر زیور کی صورت میں ہوں تو حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے نزدیک ان کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہی قول لیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عورتوں کے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے اور پوچھا کہ کیا تم زکوٰۃ نکالتی ہو؟ ایک نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تو اسے پسند کرے گی کہ قیامت کے روز اس کے بدلے آگ کے کنگن تجھے پہنائے جائیں؟ اسی طرح حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ میرے پاس سونے کی پازیب تھی میں نے حضورؐ سے پوچھا کیا یہ کنز ہے؟ آپؐ نے فرمایا اگر اس میں سونے کی مقدار نصاب زکوٰۃ تک پہنچتی ہے

اور اس میں سے زکوٰۃ نکال دی گئی ہے تو یہ کنز نہیں ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ سونا چاندی اگر زیور کی شکل میں ہوں تب بھی اسی طرح زکوٰۃ فرض ہے جس طرح نقدی کی صورت میں ہونے پر ہے۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے آٹھ حق دار بیان کیے گئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) فقراء۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس کچھ نہ کچھ مال تو ہو مگر ان کی ضروریات کے لیے کافی نہ ہو۔ تنگ دستی میں گزر بسر کرتے ہوں اور کسی سے مانگتے نہ ہوں۔ امام زہری، امام ابوحنیفہ، ابن عباس، حسن بصری، ابوالحسن کرخی اور دوسرے بزرگوں نے فقیر کی یہی تعریف فرمائی ہے۔

(۲) مساکین۔ یہ بہت ہی تباہ حال لوگ ہیں جو مانگنے پر مجبور ہوں جن کے پاس اپنے تن کی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کو بھی مساکین میں شمار فرماتے ہیں جو کمانے کی طاقت رکھتے ہوں مگر انھیں روزگار نہ ملتا ہو۔

(۳) عاملین علیہا۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں اسلامی حکومت زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے مقرر کرے۔ ان کو زکوٰۃ ہی کی مد سے تنخواہ دی جائے گی۔

(۴) مؤلفۃ القلوب۔ ان سے مراد نومسلم ہیں۔ اگر نومسلم اپنی قوم کو چھوڑنے اور سب سے الگ ہو کر مسلمانوں میں آملنے کی وجہ سے بے روزگار یا تباہ حال ہو گیا ہو تب تو اس کی مدد کرنا مسلمانوں پر ویسے ہی فرض ہے۔ لیکن اگر وہ مال دار ہو تب بھی اسے زکوٰۃ دینی چاہیے تاکہ اس کا دل اسلام پر جم جائے۔ جنگ حنین کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے نومسلموں کو بہت مال دیا حتیٰ کہ ایک ایک شخص کے حصہ میں سو سو اونٹ آئے۔ انصار نے اس کی شکایت کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ ابھی ابھی کفر سے اسلام میں آئے ہیں میں ان کے دل خوش کرنا چاہتا ہوں۔ اسی بنا پر امام زہری نے مؤلفۃ القلوب کی تعریف یوں بیان کی ہے کہ

"جو عیسائی یا یہودی یا غیر مسلم اسلام میں داخل ہوا ہو اگرچہ مال دار ہی کیوں نہ ہو۔"

(۵) فی الرقاب۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ جو شخص غلامی کے بند سے چھوٹنا چاہتا ہو اس کو زکوٰۃ

دی جائے تاکہ وہ اپنے مالک کو روپیہ دے کر اپنی گردن غلامی سے چھڑائے۔ آج کل کے زمانہ میں غلامی کا رواج نہیں ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ جو لوگ جرمانہ ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے قید بھگت رہے ہوں ان کو زکوٰۃ دے کر رہائی حاصل کرنے میں مدد دی جاسکتی ہے۔ یہ بھی فی الرقاب کی تعریف میں آجاتا ہے۔

(۶) الغارمین۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرض دار ہوں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کے پاس ہزار روپے ہوں اور وہ سو روپے کا قرض دار ہو۔ تو بھی اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس پر اتنا قرض ہو کہ اسے ادا کرنے کے بعد اس کے پاس مقدارِ نصاب سے کم مال بچتا ہو، اُسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ فقہائے کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی فضول خرچیوں اور بدکاریوں کی وجہ سے قرض دار ہو اس کو زکوٰۃ دینا مکروہ ہے۔ کیونکہ پھر وہ اس بھروسے پر اور زیادہ جرأت کے ساتھ بدکاریاں اور فضول خرچیاں کرے گا کہ زکوٰۃ لے کر قرض ادا کر دوں گا۔

(۷) فی سبیل اللہ۔ یہ عام لفظ ہے جو تمام نیک کاموں پر استعمال ہوتا ہے۔ لیکن خاص طور پر اس سے مراد خدا کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی مدد کرنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ لینا کسی مالدار آدمی کے لیے جائز نہیں۔ لیکن اگر مالدار آدمی جہاد کے لیے مدد کا حاجتمند ہو تو اسے زکوٰۃ دینی چاہیے۔ اس لیے کہ ایک شخص اپنی جگہ مالدار ہے لیکن جہاد کے لیے جو غیر معمولی مصارف ہوتے ہیں ان کو وہ محض اپنے مال سے کس طرح پورا کر سکتا ہے۔ اس کام میں زکوٰۃ سے اس کی مدد کرنی چاہیے۔

(۸) ابن السبیل یعنی مسافر۔ اگرچہ مسافر کے پاس اس کے وطن میں کتنا ہی مال ہو لیکن حالتِ مسافرت میں اگر وہ محتاج ہے تو اسے زکوٰۃ دینی چاہیے۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ یہ آٹھ گروہ جو بیان ہوئے ہیں ان میں سے کس شخص کو کس حال میں زکوٰۃ دینی چاہیے اور کس حال میں نہ دینی چاہیے۔ اس کی بھی تھوڑی سی تفصیل آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔

(۱) کوئی شخص اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ شوہر اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے شوہر کو

بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔ اس میں فقہار کا اتفاق ہے۔ بعض فقہار یہ بھی فرماتے ہیں کہ اپنے قریبی عزیزوں کو زکوٰۃ نہیں دینی چاہیے جن کا نفقہ تم پر واجب ہو یا جو تمھارے شرعی وارث ہوں، البتہ دور کے عزیز زکوٰۃ کے حقدار ہیں بلکہ دوسروں سے زیادہ حقدار ہیں۔ مگر امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ نکال کر اپنے ہی عزیزوں کو نہ ڈھونڈتے پھرو۔

(۲) زکوٰۃ صرف مسلمان کا حق ہے۔ غیر مسلم کا حق نہیں ہے۔ حدیث میں زکوٰۃ کی تعریف یہ آئی ہے کہ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَاءِ کُمْ وَتُرَدُّ اِلٰی فُقَرَاءِ کُمْ "یعنی وہ تمھارے مالداروں سے لی جائے گی اور تمھارے ہی فقیروں میں تقسیم کر دی جائے گی"۔ البتہ غیر مسلم کو عام خیرات میں سے حصہ دیا جا سکتا ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہر بستی کی زکوٰۃ اسی بستی کے غریبوں میں صرف ہونی چاہیے۔ ایک بستی سے دوسری میں بھیجنا اچھا نہیں ہے۔ اِلّا یہ کہ وہاں کوئی حقدار نہ ہو یا دوسری جگہ کوئی ایسی مصیبت آگئی ہو کہ دور و نزدیک کی بستیوں سے مدد پہنچنی ضروری ہو جیسے سیلاب یا قحط وغیرہ۔ قریب قریب یہی رائے امام مالکؒ اور امام سفیان ثوریؒ کی بھی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ زکوٰۃ بھیجنا ناجائز ہے۔

(۴) بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ جس شخص کے پاس دو وقت کے کھانے کا سامان ہو اسے زکوٰۃ نہ لینی چاہیے بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ جس کے پاس ۱۰ روپے اور بعض فرماتے ہیں کہ جس کے پاس ۱۲½ روپے موجود ہوں اسے زکوٰۃ نہ لینی چاہیے۔ لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور تمام حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ جس کے پاس پچاس روپے سے کم ہوں وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ اس میں مکان اور گھر کا سامان اور گھوڑا اور خادم شامل نہیں ہیں۔ یعنی یہ سب سامان رکھتے ہوئے بھی جو شخص پچاس روپے سے کم مال رکھتا ہو وہ زکوٰۃ لینے کا حقدار ہے۔ اس معاملہ میں ایک چیز تو ہے قانون اور دوسری چیز ہے درجۂ فضیلت۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ درجۂ فضیلت تو یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص صبح و شام کی روٹی کا سامان رکھتا ہو وہ اگر سوال کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اپنے حق میں آگ

جمع کرتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ ایک شخص لکڑیاں کاٹے اور اپنا پیٹ بھرے بہ نسبت اس کے کہ سوال کے لیے ہاتھ پھیلاتا پھرے۔ تیسری حدیث میں ہے کہ جس کے پاس کھانے کو ہو یا جو کمانے کی طاقت رکھتا ہو اس کا یہ کام نہیں ہے کہ زکوٰۃ لے۔ لیکن یہ اولوالعزمی کی تعلیم ہے۔ رہا قانون تو اس میں ایک آخری حد بتانی ضروری ہے کہ کہاں تک آدمی زکوٰۃ لینے کا حق دار ہو سکتا ہے سو وہ دوسری حدیثوں میں ملتا ہے۔ مثلاً آپؐ نے فرمایا کہ للسائل حق وان جاء علی الفرس یعنی سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار آیا ہو۔ ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کیا کہ میرے پاس دس روپے ہیں۔ کیا میں مسکین ہوں؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں۔ ایک مرتبہ دو آدمیوں نے آکر حضورؐ سے زکوٰۃ مانگی۔ آپؐ نے نظر اٹھا کر انھیں غور سے دیکھا۔ پھر فرمایا، اگر تم لینا چاہتے ہو تو میں دے دوں گا لیکن اس مال میں غنی اور کمانے کے قابل ہٹے کٹے لوگوں کا حصہ نہیں ہے۔ ان سب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص بقدر نصاب مال سے کم رکھتا ہو وہ فقراء کے ذیل میں آجاتا ہے اور اسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ زکوٰۃ لینے کا حق دراصل اصلی حاجتمندوں ہی کو پہنچتا ہے۔

زکوٰۃ کے ضروری احکام میں نے بیان کر دیے ہیں لیکن ان سب کے ساتھ ایک اہم اور ضروری چیز اور بھی ہے جس کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں اور مسلمان آج کل اس کو بھول گئے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اسلام میں تمام کام نظامِ جماعت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ انفرادیت کو اسلام پسند نہیں کرتا۔ آپ مسجد سے دور ہوں اور الگ نماز پڑھ لیں تو ہو جائے گی۔ مگر شریعت تو یہی چاہتی ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ اسی طرح الگ الگ زکوٰۃ نکالنا اور خرچ کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ زکوٰۃ کو ایک مرکز پر جمع کرنا چاہیے تاکہ وہاں سے ایک ضابطہ کے ساتھ خرچ ہو۔ اسی چیز کی طرف قرآن مجید میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپؐ ان سے زکوٰۃ وصول کریں۔ مسلمانوں سے یہ نہیں فرمایا کہ تم زکوٰۃ نکال کر الگ الگ خرچ کر دو۔ اسی طرح عاملین زکوٰۃ کا حق مقرر کرنے

سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا امام اس کو باقاعدہ وصول کرے اور باقاعدہ خرچ کرے۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امرت ان اخذ الصدقة من اغنيائكم واردها في فقرائكم یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کروں اور تمہارے فقراء میں تقسیم کردوں۔ اسی طریقہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا عمل بھی تھا تمام زکوٰۃ حکومت اسلامی کے کارکن جمع کرتے تھے اور مرکز کی طرف سے اس کو تقسیم کیا جاتا تھا۔ آج اگر اسلامی حکومت نہیں ہے اور زکوٰۃ جمع کرکے باضابطہ تقسیم کرنے کا انتظام بھی نہیں ہے تو آپ علیحدہ علیحدہ اپنی زکوٰۃ نکال کر شرعی مصارف میں خرچ کرسکتے ہیں۔ مگر تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ زکوٰۃ جمع کرنے اور تقسیم کرنے کے لیے ایک اجتماعی نظام بنانے کی فکر کریں۔ کیونکہ اس کے بغیر زکوٰۃ کی فرضیت کے فوائد ادھورے رہ جاتے ہیں۔

حج

برادرانِ اسلام! پچھلے خطبات میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے متعلق آپ کو تفصیل کے ساتھ بتایا جا چکا ہے کہ یہ عبادتیں انسان کی زندگی کو کس طرح اسلام کے سانچے میں ڈھالتی اور اس کو اللہ کی بندگی کے لیے تیار کرتی ہیں۔ اب اسلام کی فرض عبادتوں میں سے صرف حج باقی ہے جس کے فائدے مجھے آپ کے سامنے بیان کرنے ہیں۔

حج کے معنی عربی زبان میں زیارت کا قصد کرنے کے ہیں۔ حج میں چونکہ ہر طرف سے لوگ کعبہ کی زیارت کا قصد کرتے ہیں اس لیے اس کا نام حج رکھا گیا۔ سب سے پہلے اس کی ابتدا جس طرح ہوئی اس کا قصہ بڑا سبق آموز ہے۔ اس قصے کو غور سے سنیے۔ تاکہ حج کی حقیقت اچھی طرح آپ کے ذہن نشین ہو جائے پھر اس کے فائدوں کا سمجھنا آپ کے لیے آسان ہو گا۔

کون مسلمان، عیسائی یا یہودی ایسا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام سے واقف نہ ہو؟ دنیا کی دو تہائی سے زیادہ آبادی ان کو پیشوا مانتی ہے۔ حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تینوں انہی کی اولاد سے ہیں۔ انہی کی روشن کی ہوئی شمع سے دنیا بھر میں ہدایت کا نور پھیلا ہے۔ چار ہزار برس سے زیادہ مدت گزری جب وہ عراق کی سرزمین میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت ساری دنیا خدا کو بھولی ہوئی تھی۔ روئے زمین پر کوئی انسان ایسا نہ تھا جو اپنے اصلی مالک کو پہچانتا ہو اور صرف اسی کے آگے اطاعت و بندگی میں سر جھکاتا ہو۔ جس قوم میں انھوں نے آنکھیں کھولی تھیں وہ اگرچہ اس زمانہ میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم تھی لیکن گمراہی میں بھی وہی سب سے آگے تھی۔ علوم و فنون اور صنعت و حرفت میں خوب ترقی کر لینے کے باوجود ان لوگوں کو اتنی ذرا سی بات نہ سوجھتی تھی کہ مخلوق کبھی معبود ہونے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ ان کے

ہاں ستاروں اور بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ نجوم، فال گیری، غیب گوئی، جادو ٹونے اور تعویذ گنڈے کا خوب چرچا تھا۔ جیسے آج کل ہندوؤں میں پنڈت اور برہمن ہیں اسی طرح اُس زمانہ میں بھی پجاریوں کا ایک طبقہ تھا جو مندروں کی محافظت بھی کرتا، لوگوں کو پوجا بھی کراتا، شادی اور غمی وغیرہ کی رسمیں بھی ادا کرتا، اور غیب کی خبریں بھی لوگوں کو بتانے کا ڈھونگ رچاتا تھا۔ عام لوگ ان کے پھندے میں ایسے پھنسے ہوئے تھے کہ انہی کو اپنی اچھی اور بری قسمت کا مالک سمجھتے تھے، انہی کے اشاروں پر چلتے تھے، اور بے چون وچرا ان کی خواہشات کی بندگی کرتے تھے، کیونکہ ان کا گمان تھا کہ دیوتاؤں کے ہاں ان کے پجاریوں کی پہنچ ہے، یہ چاہیں تو ہم پر دیوتاؤں کی عنایت ہوگی ورنہ ہم تباہ ہو جائیں گے۔ پجاریوں کے اس گروہ کے ساتھ بادشاہوں کی ملی بھگت تھی۔ عام لوگوں کو اپنا بندہ بنا رکھنے میں بادشاہ پجاریوں کے مددگار تھے، اور پجاری بادشاہوں کے۔ ایک طرف حکومت ان پجاریوں کی پشت پناہی کرتی تھی، اور دوسری طرف یہ پجاری لوگوں کے عقیدے میں یہ بات بٹھاتے تھے کہ بادشاہ وقت بھی خداؤں میں سے ایک خدا ہے۔ ملک اور رعیت کا مالک ہے۔ اس کی زبان قانون ہے۔ اور اس کو رعایا کی جان ومال پر ہر قسم کے اختیارات حاصل ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ بادشاہوں کے آگے پوجا کے، بندگی کے مراسم بجا لائے جاتے تھے تاکہ رعایا کے دل ودماغ پر ان کی خدائی کا خیال مسلط ہو جائے۔

ایسے زمانے اور ایسی قوم میں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور لطف یہ ہے کہ جس گھرانے میں پیدا ہوئے وہ خود پجاریوں کا گھرانا تھا۔ ان کے باپ دادا اپنی قوم کے پنڈت اور برہمن تھے۔ اس گھر میں وہی تعلیم اور وہی تربیت ان کو مل سکتی تھی جو ایک پنڈت زادے کو ملا کرتی ہے۔ اسی قسم کی باتیں بچپن سے کانوں میں پڑتی تھیں۔ وہی پیروں اور پیرزادوں کے سے رنگ ڈھنگ اپنے بھائی بندوں اور برادری کے لوگوں میں دیکھتے تھے۔ وہی مندر کی گدی ان کے لیے تیار تھی جس پر بیٹھ کر وہ اپنی قوم کے پیشوا بن سکتے تھے۔ وہی نذر ونیاز اور چڑھاوے جن سے ان کا خاندان مالامال ہو رہا تھا، ان کے لیے بھی حاضر تھے۔ اسی طرح لوگ ان کے سامنے بھی ہاتھ جوڑتے اور عقیدت سے سر جھکانے کے لیے موجود تھے۔ اسی طرح دیوتاؤں سے رشتہ ملا کر اور غیب گوئی کا ڈھونگ رچا کر وہ ادنیٰ

کسان سے لے کر بادشاہ تک ہر ایک کو اپنی پیروی کے پھندے میں پھانس سکتے تھے۔ اس اندھیرے میں جہاں کوئی ایک آدمی بھی حق کو جاننے اور ماننے والا موجود نہ تھا، نہ تو ان کو حق کی روشنی ہی کہیں سے مل سکتی تھی، اور نہ کسی معمولی انسان کے بس کا یہ کام تھا کہ اس قدر زبردست ذاتی اور خاندانی فائدوں کو لات مار کر محض سچائی کے پیچھے دنیا بھر کی مصیبتیں مول لینے پر آمادہ ہو جاتا۔

مگر حضرت ابراہیم کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ کسی اور ہی مٹی سے ان کا خمیر بنا تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی انھوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ سورج، چاند اور تارے جو خود غلاموں کی طرح گردش کر رہے ہیں، اور یہ پتھر کے بت جن کو آدمی خود اپنے ہاتھ سے بناتا ہے، اور یہ بادشاہ جو ہمیں جیسے انسان ہیں، آخر یہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ جو بیچارے خود اپنے اختیار سے جنبش نہیں کر سکتے، جن میں آپ اپنی مدد کرنے کی بھی قدرت نہیں، جو اپنی موت اور زیست کے بھی مختار نہیں، ان کے پاس دھرا کیا ہے کہ انسان ان کے آگے عبادت میں سر جھکائے، ان سے اپنی حاجتیں مانگے، ان کی طاقت سے خوف کھائے اور ان کی خدمت گاری و فرماں برداری کرے؟ زمین اور آسمان کی جتنی چیزیں ہمیں نظر آتی ہیں، یا جن سے کسی طور پر ہم واقف ہیں، ان میں سے تو کوئی بھی ایسی نہیں جو خود محتاج نہ ہو، جو خود کسی طاقت سے دبی ہوئی نہ ہو، اور جس پر کبھی نہ کبھی زوال نہ آتا ہو۔ پھر جب ان سب کا یہ حال ہے تو ان میں سے کوئی رب کیسے ہو سکتا ہے؟ جب ان میں سے کسی نے مجھ کو پیدا نہیں کیا، نہ کسی کے ہاتھ میں میری موت اور زیست کا اور نفع اور نقصان کا اختیار ہے، نہ کسی کے ہاتھ میں رزق اور حاجت روائی کی کنجیاں ہیں، تو میں ان کو رب کیوں مانوں اور کیوں ان کے آگے بندگی و اطاعت میں سر جھکاؤں؟ میرا رب تو وہی ہو سکتا ہے جس نے سب کو پیدا کیا، جس کے سب محتاج ہیں اور جس کے اختیار میں سب کی موت و زیست اور سب کا نفع و نقصان ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ جن معبودوں کو میری قوم پوجتی ہے ان کو میں ہرگز نہ پوجوں گا اور اس فیصلہ پر پہنچنے کے بعد انھوں نے علی الاعلان لوگوں سے کہہ دیا کہ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ "جن کو تم خدائی میں شریک ٹھیراتے ہو، ان سے میرا کوئی واسطہ نہیں"۔ اِنِّیْ

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ" میں نے تو سب سے منہ موڑ کر اس ذات کو عبادت و بندگی کے لیے خاص کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں ہرگز شرک کرنے والا نہیں ہوں۔"

اس اعلان کے بعد حضرت ابراہیم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ باپ نے کہا کہ میں عاق کر دوں گا اور گھر سے نکال باہر کروں گا۔ قوم نے کہا ہم میں سے کوئی تمھیں پناہ نہ دے گا۔ حکومت بھی ان کے پیچھے پڑ گئی اور بادشاہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ مگر وہ یکہ و تنہا انسان سب کے مقابلہ میں سچائی کی خاطر ڈٹ کر کھڑا ہو گیا۔ باپ کو ادب سے جواب دے دیا کہ جو علم میرے پاس ہے وہ تمھیں نہیں ملا۔ اس لیے بجائے اس کے کہ میں تمھاری پیروی کروں، تمھیں میری پیروی کرنی چاہیے۔ قوم کی دھمکیوں کے جواب میں اس کے بتوں کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر ثابت کر دیا کہ جنھیں تم پوجتے ہو وہ کس قدر بے بس ہیں۔ بادشاہ سے بھرے دربار میں جا کر صاف کہدیا کہ تو میرا رب نہیں ہے بلکہ وہ ہے جس کے ہاتھ میں میری اور تیری زندگی و موت ہے اور جس کے قانون کی بندش میں سورج تک جکڑا ہوا ہے۔ آخر شاہی دربار سے فیصلہ ہوا کہ اس شخص کو زندہ جلا ڈالا جائے۔ مگر وہ پہاڑ سے زیادہ مضبوط دل رکھنے والا انسان، جو خدائے واحد پر ایمان لا چکا تھا، اس ہولناک سزا کو بھگتنے کے لیے بھی تیار ہو گیا۔ اور جب اللہ نے اپنی قدرت سے اس کو آگ میں جلنے سے بچا لیا تو وہ اپنے گھر بار، عزیز و اقارب، قوم اور وطن سب کو چھوڑ چھاڑ کر غریب الوطنی میں ملک ملک کی خاک چھاننے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ جس کے لیے اپنے گھر میں پنڈت کی گدی موجود تھی، جو اس پر بیٹھ کر اپنی قوم کا پیر بن سکتا تھا، اور دولت و عزت دونوں جس کے قدم چومنے کے لیے تیار تھیں، اور جو اپنی اولاد کو بھی اس پنڈتی کی گدی پر مزے لوٹنے کے لیے چھوڑ جا سکتا تھا، اس نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے جلا وطنی اور بے سروسامانی کی زندگی پسند کی، کیونکہ دنیا کو جھوٹے خداوں کے جال میں پھانس کر خود مزے کرنا اُسے گوارا نہ تھا، اور اس کے مقابلہ میں یہ گوارا تھا کہ ایک سچے خدا کی بندگی کی طرف لوگوں کو بلائے اور اس جرم کی پاداش میں کہیں چین سے نہ بیٹھ سکے۔

وطن سے نکل کر حضرت ابراہیم شام، فلسطین، مصر اور عرب کے ملکوں میں پھرتے رہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس مسافرت کی زندگی میں ان پر کیا گذری ہو گی۔ مال و زر کچھ ساتھ لے کر نہ نکلے تھے، اور باہر نکل کر بھی اپنی روٹی کمانے کی فکر میں نہیں پھر رہے تھے بلکہ رات دن فکر تھی تو یہ تھی کہ لوگوں کو ہر ایک کی بندگی سے نکال کر صرف ایک خدا کا بندہ بنائیں۔ اس خیال کے آدمی کو جب اس کے اپنے باپ نے اور اس کی اپنی قوم نے برداشت نہ کیا تو اور کون برداشت کر سکتا تھا؟ کہاں اس کی آؤ بھگت ہو سکتی تھی؟ ہر جگہ وہی مندروں کے مہنت اور وہی خدائی کے مدعی بادشاہ موجود تھے اور ہر جگہ وہی جاہل عوام بستے تھے جو ان جھوٹے خداؤں کے پھندے میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے درمیان وہ شخص کہاں چین سے بیٹھ سکتا تھا جو نہ صرف خود ہی خدا کے سوا کسی کی خدائی ماننے کے لیے تیار نہ تھا، بلکہ دوسروں سے بھی علانیہ کہتا پھرتا تھا کہ ایک اللہ کے سوا تمہارا کوئی مالک اور آقا نہیں ہے، سب کی خداوندی اور آقائی کا تختہ الٹ دو اور صرف اس کے بندے بن کر رہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم کو کسی جگہ قرار نصیب نہ ہوا۔ سالہا سال بے خانماں پھرتے رہے، کبھی کنعان کی بستیوں میں ہیں تو کبھی مصر میں، اور کبھی عرب کے ریگستان میں۔ اسی طرح ساری جوانی بیت گئی اور کالے بال سفید ہوئے۔

اخیر عمر میں جب ۹۰ برس پورے ہونے میں چار سال باقی تھے، اور اولاد سے مایوسی ہو چکی تھی، اللہ نے اولاد دی۔ لیکن اس اللہ کے بندے کو اب بھی یہ فکر نہ ہوئی کہ خود تو خانماں برباد ہوا ہوں تو اب کم از کم اپنے بچوں ہی کو دنیا کمانے کے قابل بناؤں اور انہیں کسی ایسے کام پر لگاؤں کہ روٹی کا سہارا مل جائے۔ نہیں، اس بوڑھے مسلمان کو فکر تھی تو یہ تھی کہ جس مشن کو پھیلانے میں خود اس نے اپنی عمر کھپا دی تھی، کاش کوئی ایسا ہو جو اس کے مرنے کے بعد بھی اس مشن کو پھیلاتا رہے۔ اسی غرض کے لیے وہ اللہ سے اولاد کا آرزومند تھا۔ اور جب اللہ نے اولاد دی تو اس نے یہی چاہا کہ اپنے بعد اپنے کام کو جاری رکھنے کے لیے انہیں تیار کرے۔ اس انسان کامل کی زندگی ایک سچے اور اصلی مسلمان کی زندگی تھی۔ اٹھتی جوانی میں ہوش سنبھالنے کے بعد ہی جب اس نے اپنے خدا کو پہچانا اور پا لیا تو خدا نے اس سے کہا تھا کہ اَسْلِمْ (اسلام لے آ، اپنے آپ کو میرے سپرد کر دے

میسر ہو کر رہ، اور اس نے جواب میں قول دے دیا تھا کہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (میں نے اسلام قبول کیا، میں رب العلمین کا ہو گیا، میں نے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا)۔ اس قول و قرار کو اس سچے آدمی نے تمام عمر پوری پابندی کے ساتھ نباہ کر دکھا دیا۔ اس نے رب العلمین کی خاطر صدیوں کے آبائی مذہب اور اس کی رسموں اور عقیدوں کو چھوڑا، دنیا کے ان سارے فائدوں کو چھوڑا جو پہنت کی گدی سنبھالنے سے حاصل ہو سکتے تھے، اپنے خاندان اور قوم اور وطن کو چھوڑا، اپنی جان کو آگ کے خطرے میں ڈالا، جلاوطنی کی مصیبتیں سہیں، ملک ملک کی خاک چھانی، اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ رب العالمین کی اطاعت اور اس کے دین کی تبلیغ میں صرف کر دیا، اور بڑھاپے میں جب اولاد نصیب ہوئی تو اس کے لیے بھی یہی دین اور یہی کام پسند کیا۔ مگر ان آزمائشوں کے بعد ایک اور آخری آزمائش باقی رہ گئی تھی جس کے بغیر یہ فیصلہ نہ ہو سکتا تھا کہ یہ شخص دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر رب العالمین سے محبت رکھتا ہے، اور وہ آزمائش یہ تھی کہ اس بڑھاپے میں جب کہ پوری مایوسی کے بعد اسے اولاد نصیب ہوئی ہے، اپنے اکلوتے بیٹے کو رب العالمین کی خاطر قربان کر سکتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ یہ آزمائش بھی کر ڈالی گئی اور جب یہ اشارہ پاتے ہی وہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے پر آمادہ ہو گیا تب فیصلہ فرمایا گیا کہ ہاں اب تم نے اپنے مسلم ہونے کے دعوے کو بالکل سچ کر دکھایا، اب تم اس کے اہل ہو کہ تمہیں ساری دنیا کا امام بنایا جائے۔ اسی بات کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:-

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ	اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا
فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ	اور وہ ان میں پورا اترا تو فرمایا کہ میں تجھ کو انسانوں کا امام
قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي	(پیشوا) بناتا ہوں۔ اس نے عرض کیا اور میری اولاد کے متعلق
الظّٰلِمِيْنَ ۔ (بقرہ - ۱۵)	کیا حکم ہے؟ جواب دیا ان میں سے جو ظالم ہوں گے انھیں میرا یہ عہد نہیں پہنچتا

اس طرح حضرت ابراہیم کو دنیا کی پیشوائی سونپی گئی اور وہ اسلام کی عالمگیر تحریک کے لیڈر بنائے گئے۔ اب آنحضرت کو اس تحریک کی اشاعت کے لیے ایسے آدمیوں کی ضرورت پیش آئی جو مختلف علاقوں کو سنبھال کر بیٹھ جائیں اور

آپ کے خلیفہ یا نائب کی حیثیت سے کام کریں۔ اس کام میں تین آدمی آپ کے لیے قوت بازو ثابت ہوئے۔ ایک آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام۔ دوسرے آپ کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام جنھوں نے یہ سن کر کہ رب العالمین ان کی جان کی قربانی چاہتا ہے، خود اپنی گردن خوشی خوشی چھری کے نیچے رکھ دی تھی۔ تیسرے آپ کے چھوٹے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام۔

بھتیجے کو آپ نے سدوم کے علاقہ میں بٹھایا جس کو آج کل شرق اردن (ٹرانس جورڈینیا) کہتے ہیں یہاں اس وقت کی سب سے زیادہ باغی قوم رہتی تھی اس لیے اس کی اصلاح مدنظر تھی، اور ساتھ ہی دور دراز کے علاقوں پر بھی اثر ڈالنا مقصود تھا، کیونکہ ایران، عراق، اور مصر کے درمیان آنے جانے والے تجارتی قافلے اسی راستے سے گذرتے تھے اور یہاں بیٹھ کر دونوں طرف تبلیغ کا سلسلہ جاری کیا جا سکتا تھا۔

چھوٹے صاحبزادے کو کنعان کے علاقہ میں آباد کیا جس کو آج کل فلسطین کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ شام اور مصر کے درمیان واقع ہے اور سمندر کے کنارے ہونے کی وجہ سے دوسرے ملکوں پر بھی یہاں سے اثر ڈالا جا سکتا ہے۔ یہیں سے حضرت اسحٰق کے بیٹے حضرت یعقوب (جن کا نام اسرائیل بھی تھا) اور پوتے حضرت یوسف کی بدولت اسلام کی تحریک مصر تک پہنچی۔

بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل کو حجاز میں مکہ کے مقام پر رکھا اور ایک مدت تک خود اُن کے ساتھ رہ کر عرب کے تمام گوشوں میں اسلام کی تعلیم پھیلائی۔ پھر یہیں دونوں باپ بیٹوں نے اسلامی تحریک کا وہ مرکز تعمیر کیا جو کعبہ کے نام سے آج ساری دنیا میں مشہور ہے۔ اس مرکز کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے آپ فرمایا تھا اور خود ہی اس تعمیر کی جگہ تجویز کی تھی۔ یہ عمارت محض ایک عبادت گاہ ہی نہ تھی، جیسے مسجدیں عموماً ہوا کرتی ہیں، بلکہ اول روز ہی سے اس کو دین اسلام کی تحریک کا مرکز تبلیغ واشاعت قرار دیا گیا تھا۔ اور اس کی غرض یہ رکھی گئی تھی کہ ایک خدا کو ماننے والے ہر جگہ سے کھنچ کھنچ کر یہاں جمع ہوا کریں، مل کر خدا کی عبادت کریں اور اسلام کا پیغام لے کر پھر اپنے ملکوں کو واپس جائیں۔ یہی اجتماع تھا جس کا نام "حج" رکھا گیا تھا۔ اس کی پوری تفصیل کہ یہ مرکز کس طرح تعمیر ہوا، کن جذبات اور کن دعاؤں کے

ساتھ دونوں باپ بیٹوں نے اس عمارت کی دیواریں اٹھائیں اور کیسے حج کی ابتدا ہوئی قرآن مجید میں یوں بیان کی گئی ہے:۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (آل عمران - ۱۰)

یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہی تھا جو مکہ میں تعمیر ہوا برکت والا اور سارے جہان والوں کے لئے مرکز ہدایت اس میں اللہ کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے اور جو یہاں داخل ہو جاتا ہے اس کو امن مل جاتا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (عنکبوت - ۷)

کیا لوگوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے کیسا پر امن حرم بنایا ہے حالانکہ اس کے گرد و پیش لوگ اُچک لئے جاتے ہیں (یعنی جب کہ عرب میں ہر طرف لوٹ مار، قتل، غارت گری اور جنگ و جدل کا بازار گرم تھا، اس حرم میں ہمیشہ امن ہی رہا۔ حتیٰ کہ وحشی بدو تک اس کے حدود میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھ پاتے تو اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرات نہ کرتے)۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۞ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ...... وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ

اور جب کہ ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے مرکز و مرجع اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیم کے مقام عبادت کو جائے نماز بنا لو اور ابراہیم اور اسمٰعیل کو ہدایت کی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والے اور ٹھیرنے والے اور رکوع و سجدہ کرنے والے لوگوں کے لئے پاک صاف رکھو۔ اور جب کہ ابراہیم نے دعا کی کہ پروردگار! اس شہر کو پُر امن شہر بنا دے اور یہاں کے باشندوں کو پھلوں کا رزق بہم پہنچا، جو ان میں سے اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے والا ہو۔ ...... اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل اس گھر کی بنیاد اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے کہ پروردگار! ہماری اس کوشش کو

الْعَلِيْمُ. رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (بقرہ - ۱۵)

قبول فرما، تو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ پروردگار! اور تو ہم دونوں کو اپنا مسلم (اطاعت گزار) بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہم پر عنایت کی نظر رکھ کہ تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ پروردگار اور تو ان لوگوں میں انھی کی قوم سے ایک ایسا رسول بھیجیو، جو انھیں تیری آیات سنائے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق درست کرے۔ یقیناً تو بڑی قدرت والا ہے اور بڑا حکیم ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ. رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ.

اور جبکہ ابراہیم نے دعا کی کہ پروردگار! اس شہر کو پرامن شہر بنا اور مجھ کو اور میرے بچوں کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار! ان بتوں نے بہتیرے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ سو جو کوئی میرے طریقہ کی پیروی کرے وہ تو میرا ہے اور جو میرے طریقہ سے پھر جائے تو یقیناً تو غفور اور رحیم ہے۔ پروردگار! میں نے اپنی نسل کے ایک حصہ کو تیرے اس عزت والے گھر کے پاس اس بے آب وگیاہ وادی میں لا بسایا ہے تاکہ یہ نماز کا نظام قائم کریں پس اے رب! تو لوگوں کے دلوں میں ایسا شوق ڈال کہ وہ اُن کی طرف کھنچ کر آئیں اور ان کو پھلوں سے رزق پہنچا، امید ہے کہ یہ تیرے شکر گذار بنیں گے۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ

اور جبکہ ہم نے ابراہیم کے لیے اس گھر کی جگہ مقرر کی اس ہدایت

الْبَيْتِ أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ۔ (الحج۔۴)

کے ساتھ کہ یہاں شرک نہ کرو، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو، اور لوگوں میں حج کی عام منادی کر دو کہ تمہارے پاس آئیں خواہ پیدل آئیں یا ہر دور دراز مقام سے دُبلی اونٹنیوں پر آئیں، تاکہ یہاں آکر وہ دیکھیں کہ ان کے لیے کیسے کیسے دینی و دنیوی منافع ہیں اور ان چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر جو اللہ نے ان کو دیے ہوں اللہ کا نام لیں (یعنی قربانی کریں)، اور اس میں سے خود بھی کھائیں اور تنگ دست و محتاج لوگوں کو بھی کھلائیں۔

برادرانِ اسلام! یہ ہے اس حج کی ابتدا کا قصہ جسے اسلام کا پانچواں رکن قرار دیا گیا ہے۔ اس سے آپکو معلوم ہو گیا کہ دنیا میں سب سے پہلے جس نبی کو اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے پر مامور کیا گیا تھا مکہ اس کے مشن کا صدر مقام تھا اور کعبہ وہ مرکز تھا جہاں سے یہ تبلیغ دنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچائی جاتی تھی، اور حج کا طریقہ اس لیے مقرر کیا گیا تھا کہ جو لوگ خدائے واحد کی بندگی کا اقرار کریں اور اس کی اطاعت میں داخل ہوں وہ خواہ کسی قوم اور کسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں، سب کے سب اس ایک مرکز سے وابستہ ہو جائیں اور ہر سال یہاں جمع ہو کر اس مرکز کے گرد طواف کریں، گویا ظاہر میں اپنی اس باطنی کیفیت کا نقشہ جما دیں کہ ان کی زندگی اُس پہیے کی طرح ہے جو ہمیشہ اپنے دُھرے کے گرد ہی گھومتا ہے۔

حج کی تاریخ

برادرانِ اسلام! پچھلے خطبہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ حج کی ابتدا کس طرح اور کس غرض کے لیے ہوئی تھی۔ یہ بھی آپ کو بتا چکا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو اسلامی تحریک کا مرکز بنایا تھا اور یہاں سب سے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بٹھایا تھا تاکہ آپ کے بعد وہ اس تحریک کو جاری رکھیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کے بعد ان کی اولاد کب تک اس دین پر قائم رہی جس پر ان کے باپ ان کو چھوڑ گئے تھے۔ بہرحال چند صدیوں میں یہ لوگ اپنے بزرگوں کی تعلیم اور ان کے طریقے سب بھول بھال گئے اور رفتہ رفتہ ان میں وہ سب گمراہیاں پیدا ہو گئیں جو دوسری جاہل قوموں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اسی کعبہ میں جسے ایک خدا کی پرستش کے لیے دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا گیا سینکڑوں بت رکھ دیے گئے اور غضب یہ ہے کہ خود حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کو بھی بت بنا ڈالا گیا جن کی ساری زندگی بتوں ہی کی پرستش مٹانے میں صرف ہوئی تھی۔ ابراہیم حنیف کی اولاد نے لات، منات، ہبل، نسر، یغوث، عزیٰ، اساف، نائلہ اور خدا جانے کس کس نام کے بت بنائے اور ان کو پوجا۔ چاند، عطارد، زہرہ، زحل اور معلوم نہیں کس کس ستارے کو پوجا۔ جن، بھوت، پریت، فرشتوں اور اپنے مردہ بزرگوں کی روحوں کو پوجا۔ ان کی جہالت کا زور یہاں تک بڑھا کہ جب گھر سے نکلتے اور اپنا خاندانی بت انھیں پوجنے کو نہ ملتا تو راستہ چلتے میں جو اچھا سا چکنا سا پتھر مل جاتا اسی کو پوج ڈالتے، اور پتھر بھی نہ ملتا تو مٹی کو پانی سے گوندھ کر ایک پنڈا سا بنا لیتے اور بکری کا دودھ چھڑکتے ہی وہ بے جان پنڈا ان کا خدا بن جاتا۔ جس مہنت گری اور پنڈتائی کے خلاف ان کے باپ ابراہیم علیہ السلام نے عراق میں لڑائی کی تھی، وہ خود ان ہی کے گھر میں گھس آئی۔ کعبہ کو انھوں نے عرب کا ہردوار یا بنارس بنا لیا، خود وہاں کے مہنت بن کر بیٹھ گئے، حج کو تیرتھ جاترا بنا کر اس گھر سے جو توحید کی تبلیغ کے لیے بنا تھا، بت پرستی کی تبلیغ کرنے لگے، اور پجاریوں کے سارے ہتھکنڈے اختیار کر کے انھوں نے عرب کے

دور و نزدیک سے آنے والے جاتریوں سے نذر چڑھاوے وصول کرنے شروع کر دیے۔ اس طرح وہ سارا کام برباد ہو گیا جو ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کر گئے تھے اور جس مقصد کے لیے انھوں نے حج کا طریقہ جاری کیا تھا اس کی جگہ کچھ اور ہی کام ہونے لگے۔

اس جاہلیت کے زمانہ میں حج کی جو گت بنی اس کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ یہ ایک میلا تھا جو سال کے سال لگتا تھا۔ بڑے بڑے قبیلے اپنے جتھوں کے ساتھ یہاں آتے اور اپنے اپنے پڑاو الگ ڈالتے۔ ہر قبیلے کا شاعر یا بھاٹ اپنی اور اپنے قبیلے والوں کی بہادری، ناموری، عزت، طاقت اور سخاوت کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا، اور ہر ایک ڈینگیں مارنے میں دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتا۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کی ہجو تک نوبت پہنچ جاتی۔ پھر فیاضی کا پیچ ہوتا۔ ہر قبیلے کے سردار اپنی بڑائی جتانے کے لیے دیگیں چڑھاتے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے اونٹ پر اونٹ کاٹتے چلے جاتے۔ اس فضول خرچی سے ان لوگوں کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس میلے کے موقع پر ان کا نام سارے عرب میں اونچا ہو جائے، اور یہ چرچے ہوں کہ فلاں صاحب نے اتنے اونٹ ذبح کیے اور فلاں صاحب نے اتنوں کو کھانا کھلایا۔ ان مجلسوں میں راگ، رنگ، شراب خواری، زنا اور ہر قسم کی فحش کاری خوب دھڑلے سے ہوتی تھی اور خدا کا خیال مشکل ہی سے کسی کو آتا تھا۔ کعبہ کے گرد طواف ہوتا تھا، مگر کس طرح؟ عورت مرد سب ننگے ہو کر گھومتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اسی حالت میں خدا کے سامنے جائیں گے جس میں ہماری ماؤں نے ہمیں جنا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی مسجد میں عبادت ہوتی تھی، مگر کیسی؟ تالیاں پیٹی جاتیں، سیٹیاں بجائی جاتیں اور نرسنگھے پھونکے جاتے۔ خدا کا نام پکارا جاتا تھا، مگر کس شان سے؟ کہتے تھے لبیک اللھم لبیک لا شریک لک الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک (یعنی میں حاضر ہوں میرے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ جو تیرا ہوتے کی وجہ سے تیرا شریک ہے۔ تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کی ملکیت کا بھی مالک ہے)۔ خدا کے نام پر قربانیاں بھی کرتے تھے، مگر کس بدتمیزی کے ساتھ؟ قربانی کا خون کعبہ کی دیواروں سے تھیڑا جاتا اور گوشت دروازے

پر ڈالا جاتا اس خیال سے کہ نعوذ باللہ یہ خون اور گوشت خدا کو مطلوب ہے۔ حضرت ابراہیم نے حج کے چار مہینوں کو حرام ٹھیرایا تھا اور ہدایت کی تھی کہ ان مہینوں میں کسی قسم کی جنگ و جدل نہ ہو۔ یہ لوگ اس حرمت کا کسی حد تک خیال رکھتے تھے، مگر جب لڑنے کو جی چاہتا تو ڈھٹائی کے ساتھ ایک سال حرام مہینہ کو حلال کر لیتے اور دوسرے سال اس کا بدلہ کر دیتے تھے۔

پھر جو لوگ اپنے مذہب میں نیک نیت تھے، انھوں نے بھی جہالت کی وجہ سے عجیب عجیب طریقے ایجاد کر لیے تھے۔ کچھ لوگ بغیر زادِ راہ لیے حج کو نکل کھڑے ہوتے اور مانگتے کھاتے چلے جاتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ نیکی کا کام تھا۔ کہتے تھے ہم متوکل ہیں، خدا کے گھر کی طرف جا رہے ہیں تو دنیا کا سامان کیوں لیں؟ عموماً حج کے سفر میں تجارت کرنے یا کمائی کے لیے محنت مشقت کرنے کو ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ بہت سے لوگ حج میں کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے اور اسے بھی داخلِ عبادت سمجھتے تھے۔ بعض لوگ حج کو نکلتے تو بات کرنا ترک کر دیتے۔ اس کا نام حج مُصمِت، یعنی گونگا حج تھا۔ اسی قسم کی اور غلط رسمیں بے شمار تھیں جن کا حال بیان کر کے میں آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا

یہ حالت کم و بیش دو ہزار برس تک رہی۔ اس طویل مدت میں کوئی نبی عرب میں پیدا نہیں ہوا، نہ کسی نبی کی خالص تعلیم عرب کے لوگوں تک پہنچی۔ آخر کار حضرت ابراہیم کی اُس دعا کے پورے ہونے کا وقت آیا جو انھوں نے کعبہ کی دیواریں اٹھاتے وقت اللہ سے مانگی تھی، یعنی پروردگار! ان کے درمیان ایک پیغمبر خود انہی کی قوم میں سے بھیجیو، جو انھیں تیری آیات سنائے اور کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق درست کر دے۔" چنانچہ حضرت ابراہیم ہی کی اولاد سے پھر ایک انسانِ کامل اٹھا جس کا نام پاک محمد ابن عبداللہ تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔ جس طرح حضرت ابراہیم نے پنڈتوں اور مہنتوں کے خاندان میں آنکھ کھولی تھی، اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس خاندان میں آنکھ کھولی جو صدیوں سے کعبہ کے تیرتھ کا مہنت بنا ہوا تھا جس طرح حضرت ابراہیم نے اپنے ہاتھ سے خود اپنے خاندان کی مہنتی پر ضرب لگائی، اسی طرح آنحضرتؐ نے بھی اس پر ضرب ہی

نہیں لگائی بلکہ ہمیشہ کے لیے اس کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دی۔ پھر جس طرح حضرت ابراہیم نے تمام باطل عقیدوں اور تمام جھوٹے خداؤں کی خدائی مٹانے کے لیے جدوجہد کی تھی اور ایک خدا کی بندگی پھیلانے کی کوشش کی تھی بالکل وہی کام آنحضرت نے بھی کیا، اور پھر اسی اصلی اور بے لوث دین کو تازہ کر دیا جب حضرت ابراہیم لے کر آئے تھے۔ ۲۱ سال کی مدت میں جب یہ سارا کام آپ مکمل کر چکے تو اللہ کے حکم سے آپ نے پھر اسی طرح کعبہ کو تمام دنیا کے خدا پرستوں کا مرکز بنانے کا اعلان کیا، اور پھر وہی منادی کی کہ سب طرف سے حج کے لیے اس مرکز کی طرف آؤ:-

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔ (آل عمران - ۱۰)	اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو کوئی اس گھر تک آنے کی قدرت رکھتا ہو وہ حج کے لیے آئے۔ پھر جو کفر کرے (یعنی قدرت کے باوجود نہ آئے) تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

اس طرح از سر نو حج کا آغاز کرنے کے ساتھ ہی جاہلیت کی وہ ساری رسمیں بھی یک قلم مٹا دی گئیں جو پچھلے دو ہزار برس میں رواج پا گئی تھیں۔

میلے ٹھیلے اور تماشے بند کیے گئے اور حکم دیا گیا کہ جو طریقہ عبادت کا بتایا جا رہا ہے اسی طریقے سے یہاں اللہ کی عبادت کرو۔

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ۔ (بقرہ - ۲۵)	اللہ کو یاد کرو اس طرح جیسی تمہیں اللہ نے ہدایت کی ہے ورنہ اس سے پہلے تو تم گمراہ لوگ تھے۔
فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ۔ (بقرہ - ۲۵)	حج میں نہ شہوانی افعال کیے جائیں، نہ فسق و فجور ہو، نہ لڑائی جھگڑے ہوں۔

شاعری کے دنگل، باپ دادا کے کارناموں پر فخر اور بھٹی اور ہجو گوئی کے مچ سب بند کر دیے گئے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا	پھر جب اپنے مناسک حج ادا کر چکو تو جس طرح تم اپنے باپ دادا

اللہ کذکرکم اٰباءکم او اشد ذکرا — کا ذکر کیا کرتے تھے اب اللہ کو یاد کیا کرو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ (بقرہ-۲۵)

فیاضی کے مقابلے جو محض دکھاوے اور نام وری کے لیے ہوتے تھے ان سب کا خاتمہ کر دیا گیا اور اس کی جگہ وہی حضرت ابراہیم کے زمانہ کا طریقہ پھر زندہ کیا گیا کہ محض اللہ کے نام پر جانور ذبح کیے جائیں تاکہ خوش حال لوگوں کی قربانی سے غریب حاجیوں کو بھی کھانے کا موقع مل جائے۔

وکلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین (اعراف-۳) — کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا واطعموا القانع والمعتر۔ (الحج-۵) — ان جانوروں کو خالص اللہ کے لیے اسی کے نام پر قربان کرو، پھر جب ان کی پیٹھیں زمین پر ٹھیر جائیں (یعنی جب جان پوری طرح نکل چکے اور حرکت باقی نہ رہے) تو خود بھی ان میں سے کھاؤ اور قانع کو بھی کھلاؤ اور حاجت مند سائل کو بھی۔

قربانی کے خون کعبہ کی دیوار سے تھیڑنا اور گوشت لاکر ڈالنا موقوف کیا گیا اور ارشاد ہوا

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوٰی منکم۔ (الحج-۵) — اللہ کو ان جانوروں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ تمھاری پرہیزگاری وخداترسی پہنچتی ہے۔

برہنہ ہو کر طواف کرنے کی قطعی ممانعت کر دی گئی اور فرمایا گیا۔

قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ (اعراف-۴) — اے نبی ان سے کہو کہ کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کیا جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی تھی (یعنی لباس)۔

قل ان اللہ لا یامر بالفحشاء (اعراف-۳) — اے نبی کہو کہ اللہ تو ہرگز بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔

یبنی ادم خذوا زینتکم عند کل مسجد (اعراف-۳) — اے آدمی زادو! ہر عبادت کے وقت اپنی زینت (یعنی لباس) پہنے رہا کرو۔

حج کے مہینوں کا اُلٹ پھیر کرنے اور حرام مہینوں کو حلال کر لینے سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ۔ (التوبہ - ۵)	نسی تو کفر میں اور زیادتی ہے (یعنی کفر کے ساتھ ڈھٹائی کا اضافہ ہے۔) کافر لوگ اس طریقے اور زیادہ گمراہی میں پڑتے ہیں۔ ایک سال ایک مہینہ کو حلال کر لیتے اور دوسرے سال اس کے

بدلہ میں کوئی دوسرا مہینہ حرام کر دیتے ہیں تاکہ جتنے مہینے اللہ نے حرام ٹھیرائے ہیں ان کی تعداد تو پوری کر دی جائے مگر اس بہانے سے داخل اس چیز کو حلال کر لیا جائے جسے اللہ نے حرام کیا تھا۔

زاد راہ لیے بغیر حج کے لیے نکلنے کو ممنوع ٹھیرایا گیا اور ارشاد ہوا کہ:

تَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ۔ (بقرہ - ۲۵)	زاد راہ ضرور لو کیونکہ (دنیا میں زاد راہ نہ لینا زاد آخرت نہیں ہے) بہترین زاد آخرت تو تقویٰ ہے۔

سفر حج میں کمائی نہ کرنے کو جو نیکی کا کام سمجھا جاتا تھا، اور روزی کمانے کو ناجائز خیال کیا جاتا تھا اس کی تردید کی گئی۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ۔ (بقرہ - ۲۵)	کوئی مضائقہ نہیں اگر تم کاروبار کے ذریعہ سے اپنے رب کا فضل تلاش کرتے جاؤ۔

گونگے حج اور بھوکے پیاسے حج سے بھی روکا گیا، اور ایسی ہی جاہلیت کی دوسری تمام رسموں کو مٹا کر حج کو تقویٰ، خدا ترسی، پاکیزگی اور سادگی و درویشی کا مکمل نمونہ بنا دیا گیا۔ حاجیوں کو حکم دیا گیا کہ جب اپنے گھروں سے چلو تو اپنے آپ کو تمام دنیوی آلائشوں سے پاک کر لو، شہوات کو چھوڑ دو، بیویوں کے ساتھ بھی اس زمانہ میں تعلق زن و شوہر نہ رکھو، گالی گلوچ اور تمام بیہودہ اعمال سے پرہیز کرو۔ کعبہ کی طرف آنے والے جتنے راستے ہیں، ان سب پر میلوں دور سے ایک ایک حد مقرر کر دی گئی کہ اس حد سے آگے

[illegible] سے پہلے سب لوگ اپنے اپنے لباس بدل کر احرام کا فقیرانہ لباس پہن لیں تاکہ سب امیر و غریب یکساں ہو جائیں اور سب کے سب اللہ کے دربار میں فقیر بن کر عاجزانہ شان کے ساتھ حاضر ہوں۔ احرام باندھنے کے بعد [illegible] کا خون بہانا تو درکنار، جانور تک کا شکار کرنا حرام کر دیا گیا تاکہ امن پسندی پیدا ہو، بہیمیت دور ہو جائے اور [illegible] پر روحانیت کا غلبہ ہو۔ حج کے چار مہینے اس لیے حرام کیے گئے کہ اس مدت میں کوئی لڑائی نہ ہو۔ کعبہ کو جانے والے تمام راستوں میں امن رہے، اور زائرینِ حرم کو کوئی نہ چھیڑے۔ اس شان کے ساتھ جب حاجی حرم میں پہنچیں تو ان کے لیے کوئی میلہ ٹھیلہ کھیل تماشہ، ناچ رنگ وغیرہ نہیں ہے۔ قدم قدم پر خدا کا ذکر ہے۔ نمازیں ہیں، عبادتیں ہیں، قربانیاں ہیں، کعبہ کا طواف ہے، اور کوئی پکار ہے تو یہ ہے:

لبیک اللھم لبیک، لبیک، لا شریک لک لبیک. ان الحمد والنعمۃ لک، والملک، لا شریک لک۔　　تیری طلب پر حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، یقیناً تیرے ہی لیے حمد ہے، سب نعمت تیری ہی ہے، ساری بادشاہی تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

ایسے ہی پاک صاف، بے لوث اور مخلصانہ حج کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حج للہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ۔ جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں شہوات اور فسق و فجور سے پرہیز کیا وہ اس طرح پلٹا جیسے آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

اب قبل اس کے کہ آپ کے سامنے حج کے فائدے بیان کیے جائیں، یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ یہ فرض کیسا فرض ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران - ۱۰)　　اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جس نے کفر کیا تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

اس آیت میں قدرت رکھنے کے باوجود قصداً حج نہ کرنے کو کفر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان حدیثوں سے ہوتی ہے:

من ملک زادا وراحلۃ تبلغہ الی بیت اللہ ولم یحج فلا علیہ ان یموت یھودیا او نصرانیا

جو شخص زادِ راہ اور سواری رکھتا ہو جس سے بیت اللہ تک پہنچ سکتا ہو اور پھر حج نہ کرے تو اس کا اس حالت پر مرنا اور یہودی یا نصرانی ہو کر مرنا یکساں ہے۔

من لم یمنعہ من الحج حاجۃ ظاھرۃ او سلطان جائر او مرض حابس فمات ولم یحج فلیمت ان شاء یھودیا وان شاء نصرانیا

جس کو کسی صریح حاجت نے حج سے نہ روکا ہو یا کسی ظالم سلطان نے یا کسی روکنے والے مرض نے، اور پھر اس نے حج نہ کیا ہو اور اسی حالت میں اسے موت آجائے تو اسے اختیار ہے، خواہ یہودی بن کر مرے یا نصرانی بن کر۔

اور اسی کی تفسیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔ کہا کہ جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے، میرا جی چاہتا ہے کہ ان پر جزیہ لگا دوں۔ وہ مسلمان نہیں ہیں، وہ مسلمان نہیں ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اور رسول و خلیفۂ رسول کی اس تشریح سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ فرض ایسا نہیں ہے کہ جی چاہے تو ادا کیجیے اور نہ چاہے تو ٹال دیجیے۔ بلکہ یہ ایسا فرض ہے کہ ہر اس مسلمان کو جو کعبہ تک جانے آنے کا خرچ رکھتا ہو اور ہاتھ پاؤں سے معذور نہ ہو، عمر میں ایک مرتبہ اسے لازماً ادا کرنا چاہیے خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں ہو اور خواہ اس کے اوپر بال بچوں کی اور اپنے کاروبار یا ملازمت وغیرہ کی کیسی ہی ذمہ داریاں ہوں۔ جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج کو ٹالتے رہتے ہیں اور ہزاروں مصروفیتوں کے بہانے کرکے سال پر سال یونہی گزارتے چلے جاتے ہیں، ان کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ رہے وہ لوگ جن کو عمر بھر کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ حج بھی کوئی فرض ان کے ذمہ ہے، دنیا بھر کے سفر کرتے پھرتے ہیں، یورپ کو آتے جاتے حجاز کے ساحل سے بھی گزر جاتے ہیں جہاں سے مکہ صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے، اور پھر بھی حج کا

ارادہ تک ان کے دل میں نہیں گزرتا، وہ تو قطعاً مسلمان نہیں ہیں، جھوٹ کہتے ہیں اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، اور قرآن سے جاہل ہے جو انہیں مسلمان سمجھتا ہے۔ ان کے دل میں اگر مسلمانوں کا درد اٹھتا ہو تو اٹھا کرے اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم پر ایمان کا جذبہ تو بہرحال اُن کے دل میں نہیں ہے۔

حج کے فائدے

برادرانِ اسلام! قرآن مجید میں جہاں یہ ذکر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کی عام منادی کرنے کا حکم دیا تھا وہاں اس حکم کی پہلی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ "تاکہ لوگ یہاں آکر دیکھیں کہ اس حج میں ان کے لیے کیسے کیسے فائدے ہیں" یعنی یہ سفر کرکے اس جگہ جمع ہوکر وہ خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں کہ یہ انہی کے نفع کے لیے ہے اور اس میں جو فائدے پوشیدہ ہیں ان کا اندازہ بس اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ آدمی یہ کام کرکے خود دیکھ لے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے متعلق روایت ہے کہ جب تک انھوں نے حج نہ کیا تھا، انھیں اس معاملہ میں تردد تھا کہ اسلامی عبادات میں سب سے افضل کون سی عبادت ہے۔ مگر جب انھوں نے خود حج کرکے ان بے حد و حساب فائدوں کو دیکھا جو اس عبادت میں پوشیدہ ہیں، تو بے تامل پکار اٹھے کہ یقیناً حج سب سے افضل ہے۔

آئیے اب میں آپ کو مختصر الفاظ میں اس کے فائدے بتاؤں۔

دنیا کے لوگ عموماً دو ہی قسم کے سفروں سے واقف ہیں۔ ایک قسم وہ جو روٹی کمانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ دوسرا وہ جو سیر و تفریح کے لیے کیا جاتا ہے۔ ان دونوں قسم کے سفروں میں اپنی غرض اور اپنی خواہش آدمی کو باہر نکلنے پر آمادہ کرتی ہے۔ گھر چھوڑتا ہے تو اپنی غرض کے لیے۔ بال بچوں اور عزیزوں سے جدا ہوتا ہے تو اپنی خاطر۔ مال خرچ کرتا ہے یا وقت صرف کرتا ہے تو اپنے مطلب کے لیے۔ لہٰذا اس میں قربانی کا کوئی سوال نہیں ہے۔ مگر یہ سفر جس کا نام حج ہے اس کا معاملہ اور سب سفروں سے بالکل مختلف ہے۔ یہ سفر اپنی کسی غرض کے لیے یا اپنے نفس کی کسی خواہش کے لیے نہیں، بلکہ صرف اللہ کے لیے ہے اور اس فرض کو ادا کرنے کے لیے ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔ اس سفر پر کوئی شخص اس وقت تک آمادہ ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کے دل میں اللہ کی محبت نہ

ہو، اُس کا خوف نہ ہو، اور اُس غرض کو فرض سمجھنے کا خیال نہ ہو۔ پس جو شخص اپنے گھر بار سے ایک لمبی مدت کے لیے علیحدگی، اپنے عزیزوں سے جدائی، اپنے کاروبار کا نقصان، اپنے مال کا خرچ، اور سفر کی تکلیفیں گوارا کر کے حج کو نکلتا ہے، اس کا نکلنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے اندر خوفِ خدا اور محبتِ خدا بھی ہے اور فرض کا احساس بھی، اور اس میں یہ طاقت موجود ہے کہ اگر کسی وقت خدا کی راہ میں نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ نکل سکتا ہے تکلیفیں اٹھا سکتا ہے، اپنے مال اور اپنی راحت کو خدا کی خوشنودی پر قربان کر سکتا ہے۔

پھر جب وہ ایسے پاک ارادہ سے سفر کے لیے تیار ہوتا ہے تو اس کی طبیعت کا حال کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ جس دل میں خدا کی محبت کا شوق بھڑک اٹھا ہو اور جس کو دھن لگ گئی ہو اس میں پھر نیک ہی نیک خیال آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ لوگوں سے اپنا کہا سنا بخشواتا ہے، کسی کا حق اس پر آتا ہو تو اُسے ادا کرنے کی فکر کرتا ہے تاکہ خدا کے دربار میں بندوں کے حقوق کا بوجھ لادے ہوئے نہ جائے۔ بُرائی سے اس کے دل کو نفرت ہونے لگتی ہے، اور قدرتی طور پر بھلائی کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے۔ پھر سفر کے لیے نکلنے کے ساتھ ہی جتنا جتنا وہ خدا کے گھر کی طرف بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی اتنا اس کے اندر نیکی کا جذبہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی کو اس سے اذیت نہ پہنچے، اور جس کی جتنی خدمت یا مدد ہو سکے کرے۔ بد کلامی یا بیہودگی، یا بے حیائی، یا بددیانتی کرنے سے خود اس کی اپنی طبیعت اندر سے رُکتی ہے کیونکہ وہ خدا کے راستے میں چل رہا ہے۔ حرمِ الٰہی کا مسافر ہو اور پھر بدکاریاں کرتا ہوا جائے۔ ایسی شرم کی بات کسی سے کیسے ہو؟ اُس کا تو یہ سفر پورا کا پورا عبادت ہے، اس عبادت کی حالت میں ظلم اور فسق کا کیا کام؟ دوسرے تمام سفروں کے برعکس یہ ایسا سفر ہے جو ہر دم آدمی کے نفس کو پاک کرتا رہتا ہے، اور یوں سمجھو کہ یہ ایک بہت بڑا اصلاحی کورس ہے جس سے لازماً ہر اُس مسلمان کو گذرنا ہوتا ہے جو حج کے لیے جائے۔

سفر کا ایک حصہ ختم کر چکنے کے بعد ایک خاص حد ایسی آتی ہے جس سے کوئی مسلمان جو مکہ جانا چاہتا ہو احرام باندھے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ احرام کیا ہے؟ ایک فقیرانہ لباس، جس میں ایک تہ بند، ایک چادر اور جوتی

کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تک تم جو کچھ تھے سو تھے، مگر اب جو تمہیں خدا کے دربار میں جانا ہے تو فقیر بن کر چلو، ظاہر میں بھی فقیر ہو اور دل کے فقیر بننے کی کوشش کرو۔ رنگین کپڑے اور زینت کے لباس بھی اتار دو، سادہ اور درویشانہ لباس پہن لو، موزے نہ پہنو، سر کھلا رکھو، خوشبو نہ لگاؤ، بال نہ بناؤ، ہر قسم کی زینت سے پرہیز کرو، عورت اور مرد کا تعلق بند کردو، بلکہ ایسی حرکات و سکنات اور ایسی باتوں سے بھی پرہیز کرو جو اس تعلق کا شوق یا اس کی یاد دلانے والی ہوں، شکار نہ کرو، بلکہ شکاری کو شکار کا نشان دینے یا اس کا پتہ بتانے سے بھی اجتناب کرو۔ ظاہر میں جب یہ رنگ اختیار کرو گے تو باطن پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ اندر سے تمہارا دل بھی فقیر بنے گا، کبر و غرور نکلے گا، مسکینی اور امن پسندی پیدا ہوگی، دنیا اور اس کی لذتوں میں پھنسنے سے جو کچھ آلائشیں تمہاری روح کو لگ گئی تھیں وہ صاف ہوں گی، اور خدا پرستی کی کیفیت تمہارے اوپر بھی طاری ہوگی اور اندر بھی۔

احرام باندھنے کے ساتھ جو کلمات حاجی کی زبان سے نکلتے ہیں، جن کو وہ ہر نماز کے بعد اور ہر بلندی پر چڑھتے وقت، اور پستی کی طرف اترتے وقت، اور ہر قافلے سے ملتے وقت، اور ہر روز صبح نیند سے بیدار ہو کر بلند آواز سے پکارتا ہے، وہ یہ ہیں:-

لبیک اللھم لبیک، لاشریک لک لبیک۔ ان الحمد والنعمۃ لک و الملک، لاشریک لک۔

یہ دراصل حج کی اس ندائے عام کا جواب ہے جو حکم الٰہی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔ ساڑھے چار ہزار برس ہوئے جب اللہ کے اس منادی نے پکارا تھا کہ "اللہ کے بندو! اللہ کے گھر کی طرف آؤ، زمین کے ہر گوشے سے آؤ، خواہ پیدل آؤ خواہ سواریوں پر آؤ" جواب میں آج تک حرم پاک کا ہر مسافر بلند آواز سے کہتا ہے "میں حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں صرف تیری طلبی پر حاضر ہوں، حمد تیرے لیے ہے، نعمت تیری ہے، ملک تیرا ہے، کسی چیز میں تیرا کوئی شریک نہیں"۔ اس طرح لبیک کی ہر صدا کے ساتھ حاجی کا تعلق سچی اور خالص خدا پرستی کی تحریک سے جڑ جاتا ہے جو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کے وقت سے چلی آرہی ہے۔

ساڑھے چار ہزار برس کا فاصلہ بیچ میں سے ہٹ جاتا ہے، یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا ادھر اللہ کی طرف سے حضرت ابراہیم پکار رہے ہیں اور ادھر سے یہ جواب دے رہا ہے۔ جواب دیتا جاتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے۔ جوں جوں آگے بڑھتا ہے شوق کی کیفیت اور زیادہ طاری ہوتی جاتی ہے۔ ہر چڑھاؤ اور ہر اتار پر اس کے کانوں میں اللہ کے منادی کی آواز گونجتی ہے اور یہ اس پر لبیک کہتا ہوا آگے چلتا ہے۔ ہر قافلہ اسے وہیں کا پیامی معلوم ہوتا ہے اور ایک عاشق کی طرح یہ اس کا پیغام سن کر پکار اٹھتا ہے "میں حاضر ہوں حاضر!" ہر نئی صبح اس کے لیے گویا پیغامِ دوست لاتی ہے اور نور کے تڑکے میں آنکھ کھولتے ہی یہ لبیک اللھم لبیک کی صدا لگانے لگتا ہے۔ غرض یہ بار بار کی صدا احرام کے اس فقیرانہ لباس، سفر کی اس حالت، اور منزل بمنزل کعبہ کے قریب تر ہوتے جانے کی اس کیفیت کے ساتھ مل کر کچھ ایسا سماں باندھ دیتی ہے کہ حاجی عشقِ الٰہی میں از خود رفتہ ہو جاتا ہے اور اس کے دل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ بس ایک یادِ دوست کے سوا "آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا"۔

اس شان سے حاجی مکہ پہنچتا ہے اور جاتے ہی سیدھا اس آستانے کا رخ کرتا ہے جس کی طرف بلایا گیا تھا۔ آستانِ دوست کو چومتا ہے، پھر اپنے عقیدے، اپنے ایمان، اپنے دین و مذہب کے اس مرکز کے گرد چکر لگاتا ہے اور ہر چکر آستانہ بوسی سے شروع اور آستانہ بوسی ہی پر ختم کرتا چلا جاتا ہے۔[1]

اس کے بعد مقامِ ابراہیم پر دو رکعتیں سلامی کی پڑھتا ہے، پھر وہاں سے نکل کر کوہِ صفا پر چڑھتا ہے اور وہاں سے جب کعبہ پر نظر پڑتی ہے تو پکار اٹھتا ہے۔

لا الٰہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون۔ "اللہ کے

---

[1] حجرِ اسود کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام نے آستانہ بوسی کے لیے اس جگہ کو متعین کر دیا تھا۔ وہ نہ بجائے خود اس پتھر میں کوئی بات نہیں ہے کہ چومنے کے لیے اسی کی کچھ خصوصیت ہو۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اس کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں تو محض ایک پتھر ہے اگر رسول نے تجھے نہ چوما ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا۔

معبود نہیں۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی ہم بندگی نہیں کرتے۔ ہماری اطاعت صرف اللہ کے لیے خاص ہے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو!"

پھر وہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتا ہے گویا اپنی حالت سے اس بات کا ثبوت دے رہا ہے کہ یونہی اپنے مالک کی خدمت میں اور یونہی اس کی خوشنودی کی طلب میں ہمیشہ سعی کرتا رہے گا۔ اس سعی کے دوران میں کبھی اس کی زبان سے نکلتا ہے

اللھم استعملنی بسنۃ نبیک، وتوفنی علی ملتہ واعذنی من مضلات الفتن

"خدایا! مجھ سے کام لے اسی طریقہ پر جو تیرے نبی کا طریقہ ہے، اور مجھے موت دے اسی راستہ پر جو تیرے نبی کا راستہ ہے۔ اور زندگی میں مجھے بچا ان فتنوں سے جو راہ راست سے بھٹکانے والے ہیں۔"

اور کبھی کہتا ہے

رب اغفر وارحم، وتجاوز عما تعلم، انک انت الاعز الاکرم۔ "پروردگار! معاف کر اور رحم کر، میرے قصوروں کو تو جانتا ہے، ان سے درگزر فرما، تیری طاقت سب سے بڑھ کر ہے اور تیرا کرم بھی سب سے بڑھ کر۔"

اس کے بعد وہ گویا اللہ کا سپاہی بن جاتا ہے اور اب پانچ چھ روز اس کو کیمپ کی سی زندگی بسر کرنی ہوتی ہے۔ ایک دن منیٰ میں پڑاؤ ہے۔ دوسرے دن عرفات میں کیمپ ہے اور خطبہ میں کمانڈر کی ہدایات سنی جا رہی ہیں، رات مزدلفہ میں جا کر چھاؤنی ڈالی جاتی ہے، دن نکلتا ہے تو منیٰ کی طرف کوچ ہوتا ہے اور وہاں اس ستون پر کنکریوں سے چاند ماری کی جاتی ہے جہاں تک اصحاب فیل کی فوجیں کعبہ کو ڈھانے کے لیے پہنچ گئی تھیں۔ ہر کنکری مارنے کے ساتھ اللہ کا سپاہی کہتا جاتا ہے اللہ اکبر، رغما للشیطان وحزبہ۔ اور اللھم تصدیقا بکتابک واتباعا لسنۃ نبیک۔ کنکریوں کی اس چاند ماری کا مطلب یہ ہے کہ خدایا جو تیرے دین کو مٹانے اور تیرا بول نیچا کرنے اٹھے گا، میں اس کے مقابلہ میں تیرا بول بالا کرنے کے لیے

یوں لڑوں گا۔ پھر اسی جگہ قربانی کی جاتی ہے تاکہ راہِ خدا میں خون بہانے کی نیت اور عزم کا اظہار عمل سے ہو جائے۔ پھر وہاں سے کعبہ کا رُخ کیا جاتا ہے، جیسے سپاہی اپنی ڈیوٹی ادا کر کے ہیڈ کوارٹر کی طرف سُرخ رو واپس آ رہا ہے۔ طواف اور دو رکعتوں سے فارغ ہو کر احرام کھل جاتا ہے، جو کچھ حرام کیا گیا تھا وہ پھر حلال ہو جاتا ہے، اور اب حاجی کی زندگی پھر معمولی طور پر شروع ہو جاتی ہے۔ اس معمولی زندگی کی طرف پلٹنے کے بعد حاجی منیٰ میں جا کر کیمپ کرتا ہے اور دوسرے دن پتھر کے ان تین ستونوں پر باری باری کنکریوں سے پھر چاند ماری کرتا ہے جن کو جمرات کہتے ہیں اور جو دراصل اُس ہاتھی والی فوج کی پسپائی اور تباہی کی یادگار ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے سال عین حج کے موقع پر اللہ کے اس گھر کو ڈھانے آئی تھی اور جسے اللہ کے حکم سے آسمانی چڑیوں نے کنکریاں مار مار کر تباہ کر دیا تھا۔[1] تیسرے دن پھر ان ستونوں پر سنگ باری کرنے کے بعد حاجی مکہ پلٹتا ہے اور سات دفعہ اپنے دین کے مرکز کا طواف کرتا ہے۔ یہ طواف وداع ہے اور اس سے فارغ ہونے کے معنی حج سے فارغ ہو جانے کے ہیں۔

یہ ساری تفصیل جو آپ نے سنی اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حج کے ارادے اور اس کی تیاری سے لے کر اپنے گھر واپس آنے تک، دو تین مہینے کی مدت میں، کتنے زبردست اثرات آدمی کے دل اور دماغ پر پڑتے ہیں۔ اس میں وقت کی قربانی ہے، مال کی قربانی ہے، آرام و آسائش کی قربانی ہے، اور یہ سب کچھ اللہ کی خاطر ہے کوئی ذاتی غرض اس میں شامل نہیں۔ پھر اس سفر میں پرہیزگاری و تقویٰ کے ساتھ مسلسل خدا کی یاد اور خدا کی طرف شوق و عشق کی جو کیفیت آدمی پر گذرتی ہے وہ اپنا ایک مستقل نقش دل پر

[1] عام طور پر مشہور یہ ہے کہ کنکریاں مارنے کا یہ فعل اس واقعہ کی یادگار میں کیا جاتا ہے جو حضرت ابراہیم کو پیش آیا تھا۔ یعنی حضرت اسماعیل کی قربانی دیتے وقت شیطان نے آکر آپ کو بہکایا تھا اور آپ نے اسے کنکریاں ماری تھیں، یا جب حضرت اسماعیل کے فدیہ میں مینڈھا آپ کو قربانی کے لیے دیا گیا تو وہ نکل کر بھاگا تھا اور اس کو آپ نے کنکریاں ماری تھیں لیکن کسی صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نہیں ہے کہ رمی جمار کی علت یہ ہے۔

چھوڑ جاتی ہے جس کا اثر برسوں قائم رہتا ہے۔ پھر حرم کی سرزمین میں پہنچ کر قدم قدم پر انسان ان لوگوں کے آثار دیکھتا ہے جنھوں نے اللہ کی بندگی و اطاعت میں اپنا سب کچھ قربان کیا دنیا بھر سے لڑے مصیبتیں اٹھائیں جلا وطن ہوئے ظلم پر ظلم سہے، مگر بالآخر اللہ کا کلمہ بلند کر کے چھوڑا اور ہر اس باطل قوت کا سر نیچا کر کے ہی دم لیا جو انسان سے اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرانا چاہتی تھی۔ ان آیات بینات اور ان آثار متبرکہ کو دیکھ کر ایک خدا پرست آدمی عزم و ہمت اور جہاد فی سبیل اللہ کا جو سبق لے سکتا ہے، شاید کسی دوسری چیز سے نہیں لے سکتا۔ پھر طواف کعبہ سے اس کو مرکز دین کے ساتھ جو وابستگی ہوتی ہے اور مناسک حج میں دوڑ دھوپ، کوچ اور قیام سے مجاہدانہ زندگی کی جو مشق اسے کرائی جاتی ہے، اسے اگر آپ نماز اور روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ ملا کر دیکھیں، تو آپ کو معلوم ہو کہ یہ ساری چیزیں کسی بہت بڑے کام کی ٹریننگ ہیں جو اسلام مسلمانوں سے لینا چاہتا ہے۔ اسی لیے ہر اس مسلمان پر جو کعبہ تک جانے آنے کی قدرت رکھتا ہو، حج لازم کر دیا گیا ہے تاکہ جہاں تک ممکن ہو ہر زمانہ میں زیادہ سے زیادہ مسلمان ایسے موجود رہیں جو اس پوری ٹریننگ سے گزر چکے ہوں۔

لیکن حج کے فائدوں کا پورا اندازہ کرنے سے آپ قاصر رہیں گے جب تک یہ بات آپ کے پیش نظر نہ ہو کہ ایک ایک مسلمان اکیلا اکیلا حج نہیں کرتا ہے بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے حج کا ایک ہی زمانہ رکھا گیا ہے اور ہزاروں لاکھوں مسلمان مل کر ایک وقت میں حج کرتے ہیں۔ پہلے جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس سے تو آپ کے سامنے صرف اتنی بات آتی ہے کہ فرداً فرداً ایک ایک حاجی پر اس عبادت کا کیا اثر ہوتا ہے۔ اب میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے حج کا ایک وقت مقرر کر کے ان فائدوں کو کس طرح لاکھوں درجے بڑھا دیا گیا ہے۔ اسلام کا کمال یہی ہے کہ یہ یک کرشمہ دو کار نہیں بلکہ ہزار کار نکال لے جاتا ہے۔ نماز علیحدہ پڑھنے ہی میں کچھ کم فائدے نہ تھے مگر اس کے ساتھ جماعت کی شرط لگا کر، اور امامت کا قاعدہ مقرر کر کے اور جمعہ و عیدین کی بڑی جماعتیں بنا کر اس کے فائدوں کو بے حد و حساب بڑھا دیا۔ روزہ فرداً فرداً رکھنا بھی اصلاح اور تربیت کا بہت بڑا ذریعہ تھا، مگر سب مسلمانوں کے لیے رمضان کا ایک ہی مہینہ مقرر کر کے اس

فائدے اتنے بڑھا دیے کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ زکوٰۃ الگ الگ دینے میں بھی بہت خوبیاں تھیں، مگر اس کے لیے بیت المال کا نظام مقرر کرکے اس کی منفعت اتنی بڑھا دی کہ آپ اس کا اندازہ اس وقت تک کر ہی نہیں سکتے جب تک اسلامی حکومت قائم نہ ہو، اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں کہ تمام مسلمانوں کی زکوٰۃ ایک جگہ جمع کرکے ایک انتظام کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کرنے سے کتنی خیر و برکت رونما ہوتی ہے۔ یہی معاملہ حج کا بھی ہے کہ اکیلا اکیلا آدمی حج کرے تب بھی اس کی زندگی میں بہت بڑا انقلاب ہو سکتا ہے، مگر تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک ہی وقت میں مل کر حج کرنے کا قاعدہ مقرر کرکے تو اس کے فائدوں کی کوئی حد باقی ہی نہیں رکھی گئی۔ یہ مضمون ذرا تفصیل چاہتا ہے۔ اس لیے ان شاء اللہ آئندہ خطبہ میں اس کو مفصل بیان کروں گا۔

حج کا عالمگیر اجتماع

برادرانِ اسلام! آپ جانتے ہیں کہ ایسے مسلمان جن پر حج فرض ہے یعنی جو کعبہ تک آنے جانے کی قدرت رکھتے ہیں ایک دو تو ہوتے نہیں ہیں۔ ہر بستی میں ان کی اچھی خاصی تعداد ہوتی ہے۔ ہر شہر میں ہزاروں اور ہر ملک میں لاکھوں ہی ہوتے ہیں۔ اور ہر سال ان میں سے بہت لوگ حج کا ارادہ کر کے نکلتے ہیں۔ اب ذرا تصور کیجیے کہ دنیا کے کونے کونے میں جہاں جہاں بھی مسلمان بستے ہیں، حج کا موسم آنے کے ساتھ ہی کس طرح اسلام کی زندگی جاگ اٹھتی ہے کیسی کچھ حرکت پیدا ہوتی ہے اور کتنی دیر تک رہتی ہے۔ تقریباً رمضان کے مہینے سے لے کر ذی القعدہ تک مختلف جگہ سے مختلف لوگ حج کی تیاریاں کر کے نکلتے ہیں اور اُدھر ذی الحجہ کے آخر سے صفر، ربیع الاول، بلکہ ربیع الثانی تک واپسیوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس چھ سات مہینے کی مدت تک گویا مسلسل تمام مسلمان آبادیوں میں ایک طرح کی دینی حرکت جاری رہتی ہے۔ جو لوگ حج کو جاتے اور حج سے واپس آتے ہیں وہ تو دینی کیفیت میں سرشار ہوتے ہی ہیں، مگر جو نہیں جاتے ان کو بھی حاجیوں کے رخصت کرنے اور ایک ایک بستی سے ان کے گذرنے اور پھر واپسی پر ان کا استقبال کرتے اور ان سے حج کے حالات سننے کی وجہ کر تھوڑا یا بہت اس کیفیت کا کچھ نہ کچھ حصہ مل ہی جاتا ہے۔

جب ایک ایک حاجی حج کی نیت کرتا ہے اور اس نیت کے ساتھ ہی اس پر خوفِ خدا اور پرہیزگاری اور توبہ و استغفار اور نیک اخلاق کے اثرات چھانے شروع ہوتے ہیں اور وہ اپنے عزیزوں، دوستوں، معاملہ داروں اور ہر قسم کے متعلقین سے اس طرح رخصت ہونا اور اپنے معاملات صاف کرنا شروع کرتا ہے کہ گویا اب یہ وہ پہلا سا شخص نہیں ہے، بلکہ خدا کی طرف لو لگ جانے کی وجہ سے اس کا دل پاک ہو رہا ہے، تو اندازہ کیجیے کہ ایک ایک حاجی کی اس حالت کا کتنے لوگوں پر اثر پڑتا ہوگا، اور اگر ہر سال دنیا کے مختلف حصوں میں ایک

آدمی بھی اوسطاً اس طرح حج کے لیے تیار ہوتے ہوں، تو ان کی تاثیر کتنے لاکھ آدمیوں کے اخلاق تک پہنچتی ہوگی، پھر حاجیوں کے قافلے جہاں جہاں سے گزرتے ہوں گے، وہاں ان کو دیکھ کر، ان سے مل کر، ان کی لبیک لبیک کی آوازیں سن کر کتنوں کے دل گرماتے ہوں گے، کتنوں کی توجہ اللہ کی طرف اور اللہ کے گھر کی طرف پھر جاتی ہوگی اور کتنوں کی سوئی ہوئی روح میں حج کے شوق سے حرکت پیدا ہو جاتی ہوگی، پھر جب یہ لوگ اپنے مرکز سے پھر کر اپنی اپنی بستیوں کی طرف دنیا کے مختلف حصوں میں حج کی کیفیتوں کا خمار لیے ہوئے پلٹتے ہوں گے اور لوگ ان سے ملاقات کرتے ہوں گے تو ان کی زبانِ حال اور زبانِ قال سے اللہ کے گھر کا ذکر سن کر کتنے بے شمار حلقوں میں دینی جذبات تازہ ہو جاتے ہوں گے۔

بس اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ جس طرح رمضان کا مہینہ تمام اسلامی دنیا میں تقویٰ کا موسم ہے اسی طرح حج کا زمانہ تمام روئے زمین میں اسلام کی زندگی اور بیداری کا زمانہ ہے۔ اس طریقہ سے شریعت بنانے والے حکیم و دانا نے ایسا بے نظیر انتظام کر دیا ہے کہ ان شاء اللہ قیامت تک اسلام کی عالمگیر تحریک مٹ نہیں سکتی۔ دنیا کے حالات خواہ کتنے ہی بگڑ جائیں اور زمانہ کتنا ہی خراب ہو جائے مگر یہ کعبہ کا مرکز اسلامی دنیا کے جسم میں کچھ اس طرح رکھ دیا گیا ہے جیسے آدمی کے جسم میں دل ہوتا ہے کہ جب تک وہ حرکت کرتا رہے، آدمی مر نہیں سکتا، چاہے بیماریوں کی وجہ سے وہ ہلنے تک کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ بالکل اسی طرح اسلامی دنیا کا یہ دل بھی ہر سال اس کی دور دراز رگوں تک سے خون کھینچتا رہتا ہے اور پھر اس کو رگ رگ تک پھیلا دیتا ہے۔ جب تک اس کے دل کی یہ حرکت جاری ہے اور جب تک خون کے کھنچنے اور پھیلنے کا یہ سلسلہ چل رہا ہے اس وقت تک یہ بالکل محال ہے کہ اس جسم کی زندگی ختم ہو جائے، خواہ بیماریوں سے یہ کتنا ہی زار و نزار ہو۔

ذرا آنکھیں بند کر کے اپنے دل میں اس نقشے کا تصور تو کیجیے کہ اِدھر مشرق سے، اُدھر جنوب سے، اُدھر مغرب سے، اُدھر شمال سے اَن گنت قوموں اور بے شمار ملکوں کے لوگ ہزاروں راستوں سے ایک ہی مرکز کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ شکلیں اور صورتیں مختلف ہیں، رنگ مختلف ہیں، زبانیں مختلف ہیں، مگر مرکز کے قریب

ایک خاص حد پر پہنچتے ہی سب اپنے اپنے قومی لباس اتار دیتے ہیں، اور سارے کے سارے ایک ہی طرز کا سادہ یونیفارم پہن لیتے ہیں۔ احرام کا یہ یونیفارم پہننے کے بعد علانیہ یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ سلطان عالم اور بادشاہ زمین و آسمان کی یہ فوج، جو دنیا میں ہزاروں قوموں سے بھرتی ہو کر آرہی ہے، ایک ہی بادشاہ کی فوج ہے، ایک ہی کی اطاعت و بندگی کا نشان ان سب پر لگا ہوا ہے، ایک ہی کی وفاداری کے رشتہ میں یہ سب بندھے ہوئے ہیں، اور ایک ہی دارالسلطنت کی طرف اپنے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہونے کے لیے جارہے ہیں۔ یہ یونیفارم پہنے ہوئے سپاہی جب میقات سے آگے چلتے ہیں تو ان سب کی زبانوں سے وہی ایک نعرہ بلند ہوتا ہے۔ لبیک، اللھم لبیک، لاشریک لک لبیک۔ بولنے کی زبانیں سب کی مختلف ہیں، مگر نعرہ سب کا ایک ہی ہے۔ پھر جوں جوں مرکز قریب آتا جاتا ہے، دائرہ سمٹ کر چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے۔ مختلف ملکوں کے قافلے ملتے چلے جاتے ہیں اور سب کے سب نمازیں مل کر ایک ہی طرز پر پڑھتے ہیں سب کا ایک یونیفارم، سب کا ایک امام، سب کی ایک ہی حرکت، سب کی ایک ہی زبان میں نماز، سب ایک اللہ اکبر کے ہی اشارے پر اٹھتے اور بیٹھتے اور رکوع اور سجدہ کرتے ہیں اور سب اسی ایک قرآن عربی کو پڑھتے اور سنتے ہیں۔ یوں زبانوں اور قومیتوں اور وطنوں اور نسلوں کا اختلاف ٹوٹتا ہے اور یوں خدا پرستوں کی ایک عالمگیر جماعت بنتی ہے۔ پھر جب یہ قافلے ایک زبان ہو کر لبیک لبیک کے نعرے بلند کرتے ہوئے چلتے ہیں، جب ہر بلندی اور ہر پستی پر یہی نعرے لگتے ہیں، جب قافلوں کے ایک دوسرے سے ملنے کے وقت دونوں طرف سے یہی صدائیں اٹھتی ہیں، جب نمازوں کے وقت اور صبح کے تڑکے میں یہی آوازیں گونجتی ہیں تو ایک عجیب فضا پیدا ہو جاتی ہے جس کے نشے میں آدمی سرشار ہو کر اپنی خودی کو بھول جاتا ہے اور اس لبیک کی کیفیت میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر کعبے پہنچ کر تمام دنیا سے آئے ہوئے آدمیوں کا ایک لباس میں ایک مرکز کے گرد گھومنا، پھر سب کا ایک ساتھ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، پھر سب کا منیٰ میں کیمپ لگانا، پھر سب کا عرفات کی طرف کوچ کرنا اور وہاں ایک امام سے خطبہ سننا، پھر سب کا

مزدلفہ میں رات کو چھاؤنی ڈالنا، پھر سب کا ایک ساتھ منیٰ کی طرف پلٹنا، پھر سب کا متفق ہو کر جمرہ عقبہ پر کنکریوں کی چاند ماری کرنا، پھر سب کا قربانیاں کرنا، پھر سب کا ایک ہی مرکز کے گرد اگر د نماز پڑھنا، یہ اپنے اندر وہ کیفیت رکھتا ہے جس کی نظیر دنیا میں ناپید ہے۔

دنیا بھر کی قوموں سے نکلے ہوئے لوگوں کا ایک مرکز پر اجتماع، اور وہ بھی ایسی یک دلی و یک جہتی کے ساتھ، ایسی ہم خیالی و ہم آہنگی کے ساتھ، ایسے پاک جذبات، پاک مقاصد اور پاک اعمال کے ساتھ، حقیقت میں اتنی بڑی نعمت ہے جو آدم کی اولاد کو اسلام کے سوا کسی نے نہیں دی۔ دنیا کی قومیں ہمیشہ ایک دوسرے سے ملتی رہی ہیں، مگر کس طرح؟ میدانِ جنگ میں، گلے کاٹنے کے لیے۔ یا صلح کانفرنسوں میں، ملکوں کی تقسیم اور قوموں کے بٹوارے کے لیے۔ یا مجلس اقوام میں تاکہ ہر قوم دوسری قوم کے خلاف دھوکے، فریب، سازش اور بے ایمانیوں کے جال پھیلائے اور دوسروں کے نقصان سے اپنا فائدہ کرنے کی کوشش کرے۔ تمام قوموں کے عام لوگوں کا صاف دلی کے ساتھ ملنا، نیک اخلاق اور پاک خیالات کے ساتھ ملنا، محبت اور خلوص کے ساتھ ملنا، قلبی و روحانی اتحاد کے ساتھ ملنا، خیالات، اعمال اور مقاصد کی یک جہتی کے ساتھ ملنا، اور صرف ایک ہی دفعہ مل کر نہ رہ جانا، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہر سال ایک مرکز پر اسی طرح اکٹھے ہوتے رہنا، کیا یہ نعمت اسلام کے سوا بنی نوعِ انسان کو اور بھی کہیں ملتی ہے؟ دنیا میں امن قائم کرنے، قوموں کی دشمنیوں کو مٹانے اور لڑائی جھگڑوں کے بجائے محبت، دوستی اور برادری کی فضا پیدا کرنے کے لیے اس سے بہتر نسخہ کس نے تجویز کیا ہے؟

اسلام صرف اتنا ہی نہیں کرتا۔ اس سے بڑھ کر یہاں اور بہت کچھ ہے۔

اس نے لازم کیا ہے کہ سال کے چار مہینے جو حج اور عمرہ کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، ان میں کوشش کی جائے کہ کعبہ کی طرف آنے والے تمام راستوں میں امن قائم رہے۔ یہ دنیا میں امن قائم رکھنے کی سب سے بڑی دوامی تحریک ہے۔ اور اگر دنیا کی سیاست کی باگیں اسلام کے ہاتھوں میں ہوں، تو کم از کم سال کا ایک تہائی

حصہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنگ اور غارت گری سے خالی رہ سکتا ہے۔

اس نے دنیا کو ایک ایسا حرم دیا ہے جو قیامت تک کے لیے امن کا شہر ہے، جس میں آدمی تو کیا جانور تک کا شکار نہیں کیا جا سکتا، جس میں گھاس تک کاٹنے کی اجازت نہیں، جس کی زمین کا کانٹا تک نہیں توڑا جا سکتا، جس میں حکم ہے کہ کسی کی کوئی چیز گری پڑی ہو تو اسے ہاتھ تک نہ لگاؤ۔

اس نے دنیا کو ایک ایسا شہر دیا ہے جس میں ہتھیار لانے کی ممانعت ہے، جس میں غلّہ کو اور دوسری عام ضرورت کی چیزوں کو روک کر مہنگا کرنا "الحاد" کی حد تک پہنچ جاتا ہے، جس میں ظلم کرنے والے کو اللہ نے دھمکی دی ہے کہ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ "ہم اُسے دردناک سزا دیں گے"۔

اُس نے دنیا کو ایک ایسا مرکز دیا ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ۔ یعنی وہاں تمام اُن انسانوں کے حقوق بالکل برابر ہیں جو خدا کی بادشاہی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی تسلیم کر کے اسلام کی برادری میں داخل ہو جائیں۔ خواہ کوئی شخص امریکہ کا رہنے والا ہو یا افریقہ کا، یا چین کا یا ہندوستان کا، اگر وہ مسلمان ہو جائے، تو مکہ کی زمین پر اس کے وہی حقوق ہیں جو خود مکہ والوں کے ہیں۔ پورے حرم کے علاقے کی حیثیت گویا مسجد کی سی حیثیت ہے کہ جو شخص مسجد میں جا کر کسی جگہ اپنا ڈیرہ جما دے وہ جگہ اسی کی ہے، کوئی اس کو وہاں سے اٹھا نہیں سکتا، نہ اس سے کرایہ مانگ سکتا ہے، مگر وہ اس جگہ خواہ تمام عمر بیٹھا رہا ہو اسے یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ یہ جگہ میری ملک ہے، نہ وہ اس کو بیچ سکتا ہے، نہ اس کا کرایہ وصول کر سکتا ہے حتیٰ کہ جب وہ شخص اس جگہ سے اُٹھ جائے تو دوسرے کو بھی وہاں ڈیرہ جمانے کا ویسا ہی حق ہے جیسا اس کو تھا۔ بالکل یہی حال پورے مکہ کے حرم کا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مکۃ مناخ لمن سبق۔ یعنی "جو شخص اس شہر میں کسی جگہ آکر پہلے اتر جائے وہ جگہ اسی کی ہے"۔ وہاں کے مکانوں کا کرایہ لینا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں کے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ اپنے مکانات کے گرد صحنوں پر دروازے نہ لگاؤ، تاکہ جو چاہے تمہارے

صحن میں آ کر بیٹھ سکے۔ بعض فقہاء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ شہر مکہ کے مکانات پر نہ کسی کی ملکیت ہے اور نہ وہ وراثت میں منتقل ہو سکتے ہیں۔

کیا اسلام کے سوا یہ نعمتیں انسان کو کہیں اور بھی مل سکتی ہیں؟

بھائیو! یہ ہے وہ حج جس کے متعلق فرمایا گیا تھا کہ اسے کر کے دیکھو، اس میں تمہارے لیے کتنے منافع ہیں۔ میری زبان میں اتنی قدرت نہیں کہ اس کے سارے منافع گنا سکوں تاہم اس کے فائدوں کا یہ ذرا سا خاکہ جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے اُسی سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔

مگر یہ سب کچھ سننے کے بعد ذرا میرے جلے دل کی کچھ باتیں بھی سن لو۔ تم نسلی مسلمانوں کا حال اس بچے کا سا ہے جو ہیرے کی کان میں پیدا ہو۔ ایسا بچہ جب ہر طرف ہیرے ہی ہیرے دیکھتا ہے اور پتھروں کی طرح ہیروں سے کھیلتا ہے تو ہیرے اس کی نگاہ میں ایسے ہی بے قدر ہو جاتے ہیں جیسے پتھر۔ یہی حالت تمہاری بھی ہے کہ دنیا جن نعمتوں سے محروم ہے، جن سے محروم ہو کر سخت مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھا رہی ہے، اور جن کی تلاش میں حیران و سرگرداں ہے، وہ نعمتیں تم کو بغیر کسی تلاش و جستجو کے، صرف اس وجہ سے مل گئیں کہ خوش قسمتی سے تم مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے ہو۔ وہ کلمۂ توحید جو انسان کی زندگی کے تمام پیچیدہ مسئلوں کو سلجھا کر ایک صاف سیدھا راستہ بنا دیتا ہے، بچپن سے تمہارے کانوں میں پڑا۔ نماز اور روزے کے وہ کیمیا سے زیادہ قیمتی نسخے جو آدمی کو جانور سے انسان بناتے ہیں، اور انسانوں کو ایک دوسرے کا بھائی، ہمدرد اور دوست بنانے کے لیے جن سے بہتر نسخے آج تک دریافت نہیں ہو سکے ہیں، تم کو آنکھ کھولتے ہی خود بخود باپ دادا کی میراث میں مل گئے۔ زکوٰۃ کی وہ بے نظیر ترکیب جس سے محض دلوں ہی کی ناپاکی دور نہیں ہوتی، بلکہ دنیا کے مالیات کا نظام بھی درست ہو جاتا ہے، جس سے محروم ہو کر تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ دنیا کے لوگ ایک دوسرے کا منہ نوچنے لگتے ہیں، انھیں وہ

اس طرح مل گئی جیسے کسی حکیم حاذق کے بچے کو بغیر محنت کے وہ نسخے مل جاتے ہیں جنھیں دوسرے لوگ ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح حج کا وہ عظیم الشان طریقہ بھی جس کا آج دنیا میں کہیں جواب نہیں ہے، جس سے زیادہ طاقت ور ذریعہ کسی تحریک کو چار دانگ عالم میں پھیلانے اور ابدالآباد تک زندہ رکھنے کے لیے آج تک دریافت نہیں ہو سکا ہے، جس کے سوا آج دنیا میں کوئی عالمگیر طاقت ایسی موجود نہیں ہے کہ آدم کی ساری اولاد کو زمین کے گوشے گوشے سے کھینچ کر خدائے واحد کے نام پر ایک مرکز پر جمع کر دے، اور بے شمار نسلوں اور قوموں کو ایک خدا پرست، نیک نیت، خیر خواہ برادری میں پیوست کر کے رکھ دے، ہاں ایسا بے نظیر طریقہ بھی تمھیں بغیر کسی جستجو کے بنا بنایا اور صدہا برس سے چلتا ہوا مل گیا۔ مگر تم نے ان نعمتوں کی کوئی قدر نہ کی، کیونکہ آنکھ کھولتے ہی یہ تم کو اپنے گھر میں ہاتھ آ گئیں۔ اب تم ان سے بالکل اسی طرح کھیل رہے ہو جس طرح ہیرے کی کان میں پیدا ہونے والا نادان بچہ ہیروں سے کھیلتا ہے اور انھیں کنکر پتھر سمجھنے لگتا ہے۔ اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے جس بری طرح تم اس زبردست دولت اور طاقت کو ضائع کر رہے ہو اس کا نظارہ دیکھ کر دل جل اٹھتا ہے۔ کوئی کہاں سے اتنی قوت برداشت لائے کہ پتھر پھوڑوں کے ہاتھوں جواہر کو برباد ہوتے دیکھ کر ضبط کر سکے؟

میرے عزیزو! تم نے شاعر کا یہ شعر تو سنا ہی ہو گا کہ

خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود   چوں بیاید ہنوز خر باشد

یعنی گدھا خواہ عیسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر ہی کا کیوں نہ ہو مکہ کی زیارت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اگر وہ وہاں ہو آئے تب بھی جیسا گدھا تھا ویسا ہی رہے گا۔

نماز، روزہ ہو یا حج، یہ سب چیزیں سمجھ بوجھ رکھنے والے انسانوں کی تربیت کے لیے ہیں، جانوروں کو سدھانے کے لیے نہیں ہیں۔ جو لوگ نہ ان کے معنی و مطلب کو سمجھیں، نہ ان کے مقا

سے کچھ غرض رکھیں، نہ اُس فائدے کو حاصل کرنے کا ارادہ ہی کریں جو ان عبادتوں میں بھرا ہوا ہے، بلکہ جن کے دماغ میں ان عبادتوں کے مقصد و مطلب کا سرے سے کوئی تصور ہی نہ ہو، وہ اگر ان افعال کی نقل اس طرح اتار دیا کریں کہ جیسا اگلوں کو کرتے دیکھا ویسا ہی خود بھی کر دیا تو اس سے آخر کس نتیجہ کی توقع کی جا سکتی ہے؟ بدقسمتی سے عموماً آج کل کے مسلمان اسی طریقہ سے ان افعال کو ادا کر رہے ہیں۔ ہر عبادت کی ظاہری شکل جیسی مقرر کر دی گئی ہے ویسی ہی بنا کر رکھ دیتے ہیں، مگر وہ شکل روح سے بالکل خالی ہوتی ہے تم دیکھتے ہو کہ ہر سال ہزارہا زائرین مرکز اسلام کی طرف جاتے ہیں اور حج سے مشرف ہو کر پلٹتے ہیں، مگر نہ جاتے وقت ہی ان پر وہ اصلی کیفیت طاری ہوتی ہے جو ایک مسافر حرم میں ہونی چاہیے، نہ وہاں سے واپس آکر ہی اُن میں کوئی اثر حج کا پایا جاتا ہے، اور نہ اس سفر کے دوران میں وہ اُن آبادیوں کے مسلمانوں اور غیر مسلموں پر اپنے اخلاق کا کوئی اچھا نقش بٹھاتے ہیں جن پر سے ان کا گذر ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ان میں زیادہ تر وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو اپنی گندگی، بے تمیزی، اور اخلاقی پستی کی نمائش کر کے اسلام کی عزت کو بٹہ لگاتے ہیں۔ ان کی زندگی کو دیکھ کر بجائے اس کے کہ دین کی بزرگی کا سکہ غیروں پر جمے، خود اپنوں کی نگاہوں میں بھی وہ بے وقعت ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج خود ہماری اپنی قوم کے بہت سے نوجوان ہم سے پوچھتے ہیں کہ ذرا اس حج کا فائدہ تو ہمیں سمجھاؤ۔ حالانکہ یہ حج وہ چیز تھی کہ اگر اسے اس کی اصلی شان کے ساتھ ادا کیا جاتا تو کافر تک اس کے فائدوں کو علانیہ دیکھ کر ایمان لے آتے۔ کسی تحریک کے ہزاروں لاکھوں ممبر ہر سال دنیا کے ہر حصے سے کھنچ کر ایک جگہ جمع ہوں اور پھر اپنے اپنے ملکوں کو واپس جائیں، ملک ملک اور شہر شہر سے گذرتے ہوئے اپنی پاکیزہ زندگی، پاکیزہ خیالات اور پاکیزہ اخلاق کا اظہار کرتے جائیں، جہاں جہاں سے گذریں وہاں اپنی تحریک کے اصولوں کا نہ صرف پرچار کریں بلکہ اپنے احرام کے یونیفارم سے اور اپنی احرام بند زندگی

سے ان کا پورا پورا اظہار بھی کر دیں، اور یہ سلسلہ دس بیس برس نہیں بلکہ صدیوں تک سال بسال چلتا رہے۔ بھلا غور تو کیجیے کہ یہ بھی کوئی ایسی چیز تھی کہ اس کے فائدے پوچھنے کی کسی کو ضرورت پیش آتی؟ خدا کی قسم، اگر یہ کام صحیح طریقہ پر ہوتا تو اندھے تک اس کے فائدے دیکھتے، بہروں کے کانوں میں بھی اس کے فائدے پہنچ جاتے، ہر سال کا حج ہزاروں غیر مسلموں کو اسلام کے دائرے میں کھینچ لاتا، اور لاکھوں غیر مسلموں کے دلوں پر اسلام کی بزرگی کا سکہ بٹھا دیتا۔ مگر برا ہو جہالت کا، جاہلوں کے ہاتھ پڑ کر کتنی بیش قیمت چیز کس بری طرح ضائع ہو رہی ہے۔

حج کے پورے فائدے حاصل ہونے کے لیے ضروری تھا کہ مرکز اسلام میں کوئی ایسا ہاتھ ہوتا جو اس عالمگیر طاقت سے کام لیتا، کوئی ایسا دل ہوتا جو ہر سال تمام دنیا کے جسم میں صالح خون دوڑاتا رہتا، کوئی ایسا دماغ ہوتا جو ان ہزاروں لاکھوں خدا کے قاصدوں کے واسطے سے دنیا بھر میں اسلام کے پیغام کو پھیلانے کی کوشش کرتا، اور کچھ نہیں تو کم از کم اتنا ہی ہوتا کہ وہاں خالص اسلامی زندگی کا ایک مکمل نمونہ موجود ہوتا اور ہر سال دنیا کے مسلمان وہاں سے صحیح دینداری کا تازہ سبق لے کر پلٹتے۔ مگر وائے افسوس کہ وہاں کچھ بھی نہیں۔ مدتہائے دراز سے عرب میں جہالت پرورش پا رہی ہے۔ نالائق حکمراں اپنے دین کے مرکز میں رہنے والوں کو ترقی دینے کے بجائے صدیوں سے پیہم گرانے کی کوشش کرتے رہے ہیں، اور انھوں نے اہل عرب کو علم، اخلاق، تمدن، ہر چیز کے اعتبار سے پستی کی انتہا تک پہنچا کر چھوڑا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ سرزمین جہاں سے کبھی اسلام کا نور تمام عالم میں پھیلا تھا، آج اسی جاہلیت کے قریب پہنچ گئی ہے جس میں وہ اسلام سے پہلے مبتلا تھی۔ اب نہ وہاں اسلام کا علم ہے، نہ اسلامی اخلاق ہیں، نہ اسلامی زندگی ہے، لوگ دور دور سے بڑی گہری عقیدتیں لیے ہوئے حرم پاک کا سفر کرتے ہیں، مگر اس علاقہ میں پہنچ کر جب ہر طرف ان کو جہالت، گندگی، طمع، بے حیائی، دنیا پرستی، بداخلاقی، بدانتظامی

اور عام باشندوں کی ہر طرح گری ہوئی حالت نظر آتی ہے تو ان کی توقعات کا سارا طلسم پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگ حج کر کے اپنا ایمان بڑھانے کے بجائے اور اُلٹا کچھ کھو آتے ہیں۔ وہی پرانی مہنت گری جو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے بعد جاہلیت کے زمانے میں کعبہ پر مسلط ہو گئی تھی اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ختم کیا تھا، اب پھر تازہ ہو گئی ہے۔ حرم کعبہ کے منتظم پھر اسی طرح مہنت بن کر بیٹھ گئے ہیں۔ خدا کا گھر ان کے لیے جائداد بن گیا ہے اور اس گھر سے عقیدت رکھنے والوں کو وہ اسامی سمجھتے ہیں۔ مختلف ملکوں میں بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے ایجنٹ مقرر ہیں تاکہ اسامیوں کو گھیر گھیر کر بھیجیں۔ ہر سال اجمیر کے خادموں کی طرح ایک لشکر کا لشکر دلالوں اور سفری ایجنٹوں کا مکہ سے نکلتا ہے تاکہ دنیا بھر کے ملکوں سے اسامیوں کو گھیر لائے۔ قرآن کی آیتیں اور حدیث کے احکام لوگوں کو سنا سنا کر حج پر آمادہ کیا جاتا ہے، نہ اس لیے کہ انھیں خدا کا عائد کیا ہوا فرض یاد دلایا جائے، بلکہ صرف اس لیے کہ ان احکام کو سن کر یہ لوگ حج کو نکلیں تو آمدنی کا دروازہ کھُلے۔ گویا اللہ اور اس کے رسول نے یہ سارا کاروبار انہی مہنتوں اور ان کے دلالوں کی پرورش کے لیے پھیلایا تھا۔ پھر جب اس فرض کو ادا کرنے کے لیے آدمی گھر سے نکلتا ہے تو سفر شروع کرنے سے لے کر واپسی تک ہر جگہ اس کو مزدوروں اور دینی تاجروں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ معلّم، مطوّف، وکیل مطوّف، کلید بردار کعبہ، اور خود حکومت حجاز، سب اس تجارت میں حصہ دار ہیں۔ حج کے سارے مناسک معاوضے کر ادا کرائے جاتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے خانۂ کعبہ کا دروازہ تک فیس کے بغیر نہیں کھل سکتا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ یہ بنارس اور ہردوار کے پنڈتوں کی سی حالت اُس دین کے امام نہاد خداوندوں اور مرکزی عبادت گاہ کے مجاوروں نے اختیار کر رکھی ہے جس نے مہنت گری کے کاروبار کی جڑ کاٹ دی تھی۔ بھلا جہاں عبادت کرانے کا کام مزدوری اور تجارت بن گیا ہو، جہاں عبادت گاہوں

کو ذریعۂ آمدنی بنا لیا گیا ہو، جہاں احکام الٰہی کو اس غرض کے لیے استعمال کیا جاتا ہو کہ خدا کا حکم سن کر لوگ فرض بجا لانے کے لیے مجبور ہوں اور اس طاقت کے بل پر ان کی جیبوں سے روپیہ گھسیٹا جائے، جہاں آدمی کو عبادت کا ہر رکن ادا کرنے کے لیے معاوضہ دینا پڑتا ہو اور دینی سعادت ایک طرح سے خرید و فروخت کی جنس بن گئی ہو، ایسی جگہ عبادت کی روح باقی کہاں رہ سکتی ہے؟ کس طرح آپ امید کر سکتے ہیں کہ حج کرنے والوں اور حج کرانے والوں کو اس عبادت کے حقیقی اخلاقی و روحانی فائدے حاصل ہوں گے جب کہ یہ سارا کام ایک طرف سوداگری اور دوسری طرف خریداری کی ذہنیت سے ہو رہا ہو؟

اس ذکر سے میرا مقصد کسی کو الزام دینا نہیں ہے، بلکہ صرف آپ لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ حج جیسی عظیم الشان طاقت کو آج کن چیزوں نے قریب قریب بالکل بے اثر بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہ غلط فہمی کسی کے دل میں نہ رہنی چاہیے کہ اسلام میں اور اس کے جاری کیے ہوئے طریقوں میں کوئی کوتاہی ہے۔ نہیں، کوتاہی دراصل اُن لوگوں میں ہے جو اسلام کی صحیح پیروی نہیں کرتے۔ یہ تمھارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے کہ جو طریقے تم کو انسانیت کا مکمل نمونہ بنانے والے تھے اور جن پر ٹھیک ٹھیک عمل کر کے تم دنیا کے مصلح اور امام بن سکتے تھے، ان سے آج کوئی اچھا پھل ظاہر نہیں ہو رہا ہے، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ لوگوں کو خود ان طریقوں کے مفید ہونے میں شک ہونے لگا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک طبیب حاذق چند بہترین تیر بہدف نسخے مرتب کر کے چھوڑ گیا ہو اور بعد میں اس کے وہ نسخے اناڑی اور جاہل جانشینوں کے ہاتھ پڑ کر بے کار بھی ہو رہے ہوں اور بدنام بھی۔ نسخہ بجائے خود چاہے کتنا ہی صحیح ہو، مگر بہرحال اس سے کام لینے کے لیے فن کی واقفیت اور سمجھ بوجھ ضروری ہے۔ اناڑی اس سے کام لیں گے تو عجب نہیں کہ وہ غیر مفید ہی

نہیں بلکہ مضر ہو جائے، اور جاہل لوگ، جو خود نسخے کو جانچنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں اس غلط فہمی میں پڑ جائیں کہ نسخہ خود ہی غلط ہے۔

جہاد

برادرانِ اسلام! پچھلے خطبوں میں بار بار میں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ نماز روزہ، اور یہ حج اور زکوٰۃ جنہیں اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرض کیا ہے اور اسلام کا رکن قرار دیا ہے، یہ ساری چیزیں دوسرے مذہبوں کی عبادات کی طرح پوجا پاٹ اور نذر نیاز اور جاترا کی رسمیں نہیں ہیں کہ بس آپ ان کو ادا کر دیں اور اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہو جائے گا۔ بلکہ دراصل یہ ایک بڑے مقصد کے لیے تیار کرنے اور ایک بڑے کام کے لیے آپ کی تربیت کرنے کی خاطر فرض کی گئی ہیں۔ اب چونکہ میں اس تربیت اور اس تیاری کے ڈھنگ کو کافی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں، اس لیے وقت آگیا ہے کہ آپ کو یہ بتایا جائے کہ وہ مقصد کیا ہے جس کے لیے یہ ساری تیاری ہے۔

مختصر الفاظ میں تو صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ وہ مقصد انسان پر سے انسان کی حکومت مٹا کر خدائے واحد کی حکومت قائم کرنا ہے اور اس مقصد کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینے اور جان توڑ کوشش کرنے کا نام جہاد ہے، اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب کے سب اسی کام کی تیاری کے لیے ہیں۔ لیکن چونکہ آپ لوگ مدتہائے دراز سے اس مقصد کو اور اس کام کو بھول چکے ہیں، اور ساری عبادتیں آپ کے لیے محض تصوف بن کر رہ گئی ہیں، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اس ذرا سے فقرے میں جو مطلب میں نے ادا کیا ہے اُسے آپ ایک معمہ سے زیادہ کچھ نہ سمجھے ہوں گے۔ اچھا تو لیجیے اب آپ کے سامنے اس مقصد کی تشریح کروں۔

دنیا میں آپ جتنی خرابیاں دیکھتے ہیں اُن سب کی جڑ دراصل حکومت کی خرابی ہے۔ طاقت اور دولت حکومت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ قانون حکومت بناتی ہے۔ انتظام کے سارے اختیارات حکومت کے قبضہ

میں ہوتے ہیں۔ پولیس اور فوج کا زور حکومت کے پاس ہوتا ہے۔ لہٰذا جو خرابی بھی لوگوں کی زندگی میں پھیلتی ہے، وہ یا تو خود حکومت کی پھیلائی ہوئی ہوتی ہے یا اس کی مدد سے پھیلتی ہے، کیونکہ کسی چیز کو پھیلنے کے لیے جس طاقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ حکومت ہی کے پاس ہے۔ مثال کے طور پر آپ دیکھتے ہیں کہ زنا دھڑلے سے ہو رہی ہے اور علانیہ کوٹھوں پر یہ کاروبار جاری ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ حکومت کے اختیارات جن لوگوں کے ہاتھ میں ہیں ان کی نگاہ میں زنا کوئی جرم نہیں ہے، وہ خود اس کام کو کرتے ہیں اور دوسروں کو کرنے دیتے ہیں، ورنہ وہ اسے بند کرنا چاہیں تو یہ کام اس دھڑلے سے چل نہیں سکتا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ سود خواری کا بازار خوب گرم ہو رہا ہے اور مالدار لوگ غریبوں کا خون چوسے چلے جاتے ہیں۔ یہ کیوں؟ صرف اس سبب سے کہ حکومت خود سود کھاتی ہے اور کھانے والوں کو مدد دیتی ہے۔ اس کی عدالتیں سود خواروں کو ڈگریاں دیتی ہیں اور اس کی حمایت ہی کے بل پر یہ بڑے بڑے ساہوکارے اور بینک چل رہے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگوں میں بے حیائی اور بداخلاقی روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ یہ کس لیے؟ محض اس لیے کہ حکومت نے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا ایسا ہی انتظام کیا ہے اور اس کو اخلاق اور انسانیت کے وہی نمونے پسند ہیں جو آپ کو نظر آ رہے ہیں۔ کسی دوسرے طرز کی تعلیم و تربیت سے آپ کسی اور نمونے کے انسان تیار کرنا چاہیں تو ذرائع کہاں سے لائیں گے؟ اور تھوڑے بہت تیار کر بھی دیں تو وہ کھپیں گے کہاں؟ رزق کے دروازے اور کھپت کے میدان تو سارے کے سارے بگڑی ہوئی حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بے حد و حساب خوں ریزی ہو رہی ہے، انسان کا علم اس کی تباہی کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے، انسان کی محنت کے پھل آگ کی نذر کیے جا رہے ہیں، اور بیش قیمت جانیں مٹی کے ٹھیکروں سے بھی زیادہ بے دردی کے ساتھ ضائع کی جا رہی ہیں۔ یہ کس وجہ سے؟ صرف اس وجہ سے کہ آدم کی اولاد میں جو لوگ سب سے زیادہ شریر اور بدنفس تھے وہ دنیا کی قوموں کے رہنما اور اقتدار کی باگوں کے مالک ہیں۔ قوت اُن کے ہاتھ میں ہے، اس لیے وہ دنیا کو جدھر چلا رہے

ہیں، اسی طرح دنیا چل رہی ہے۔ علم، دولت، محنت، جان، ہر چیز کا جو مصرف انھوں نے تجویز کیا ہے اُسی میں ہر چیز صرف ہو رہی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر طرف ظلم ہو رہا ہے، کمزور کے لیے کہیں انصاف نہیں، غریب کی زندگی دشوار ہے، عدالتیں بنیے کی دکان بنی ہوئی ہیں جہاں سے صرف روپے کے عوض ہی انصاف خریدا جا سکتا ہے۔ لوگوں سے بے حساب ٹیکس وصول کیے جاتے ہیں اور افسروں کی تنخواہوں پر، بڑی بڑی عمارتوں پر، لڑائی کے گولہ بارود پر اور ایسی دوسری فضول خرچیوں پر اڑا دیے جاتے ہیں۔ ساہوکار، زمیندار، راجہ اور رئیس، خطاب یافتہ اور خطاب کے امیدوار، عمائدین، گدی نشین پیر اور مہنت، سینما کمپنیوں کے مالک، شراب کے تاجر، فحش کتابیں اور رسالے شائع کرنے والے، جوئے کا کاروبار چلانے والے، اور ایسے ہی بہت سے لوگ، خلق خدا کی جان، مال، عزت، اخلاق ہر چیز کو تباہ کر رہے ہیں اور کوئی ان کو روکنے والا نہیں۔ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لیے کہ حکومت کی کل بگڑی ہوئی ہے۔ طاقت جن ہاتھوں میں ہے وہ خراب ہیں۔ وہ خود بھی ظلم کرتے ہیں اور ظالموں کا ساتھ بھی دیتے ہیں اور جو ظلم بھی ہوتا ہے اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اس کے ہونے کے خواہشمند یا کم از کم روادار ہیں۔

ان مثالوں سے یہ بات آپ کی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ حکومت کی خرابی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ لوگوں کے خیالات کا گمراہ ہونا، اخلاق کا بگڑنا، انسانی قوتوں اور قابلیتوں کا غلط راستوں میں صرف ہونا، کاروبار اور معاملات کی غلط صورتوں اور زندگی کے برے طور طریق کا رواج پانا، ظلم و ستم اور بداعمالیوں کا پھیلنا اور خلق خدا کا تباہ ہونا، یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس بات کا کہ اختیارات اور اقتدار کی کنجیاں غلط ہاتھوں میں ہوں۔ ظاہر ہے کہ جب طاقت بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی، اور جب خلق خدا کا رزق انھی کے تصرف میں ہوگا تو وہ نہ صرف خود بگاڑ کو پھیلائیں گے، بلکہ بگاڑ کی ہر صورت ان کی مدد اور حمایت سے پھیلے گی اور جب تک اختیارات ان کے قبضہ میں رہیں گے، کسی چیز کی اصلاح نہ ہو سکے گی۔

یہ بات جب آپ کے ذہن نشین ہو گئی تو یہ سمجھنا آپ کے لیے آسان ہے کہ خلق خدا کی اصلاح

کرنے اور لوگوں کو تباہی کے راستوں سے بچا کر فلاح اور سعادت کے راستے پر لانے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ حکومت کے بگاڑ کو درست کیا جائے۔ معمولی عقل کا آدمی بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ جہاں لوگوں کو زنا کی آزادی حاصل ہو، وہاں زنا کے خلاف خواہ کتنا ہی وعظ کہا جائے زنا کا بند ہونا محال ہے۔ لیکن اگر حکومت کے اختیارات پر قبضہ کر کے زبردستی زنا کو بند کر دیا جائے تو لوگ خود حرام کے راستے کو چھوڑ کر حلال کا راستہ اختیار کر لیں گے۔ شراب، جوا، سود، رشوت، فحش تماشے، بے حیائی کے لباس، بداخلاق بنانے والی تعلیم اور ایسی ہی دوسری چیزیں اگر آپ وعظوں سے دور کرنا چاہیں تو کامیابی ناممکن ہے۔ البتہ حکومت کے زور سے یہ سب بلائیں دور کی جا سکتی ہیں۔ جو لوگ خلق خدا کو لوٹتے اور اخلاق کو تباہ کرتے ہیں ان کو آپ محض پند و نصیحت سے چاہیں کہ اپنے فائدوں سے ہاتھ دھو لیں تو یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ ہاں اقتدار ہاتھ میں لے کر آپ بزور ان کی شرارتوں کا خاتمہ کر دیں تو ان ساری خرابیوں کا انسداد ہو سکتا ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ بندگان خدا کی محنت، دولت، ذہانت و قابلیت غلط راستوں میں ضائع ہونے سے بچے اور صحیح راستوں میں صرف ہو، اگر آپ چاہیں کہ زمین میں فساد نہ ہو، انسان انسان کا خون نہ چوسے نہ بہائے، دبے اور گرے ہوئے انسان اٹھائے جائیں، اور تمام انسانوں کو یکساں عزت، امن، خوش حالی اور ترقی کے مواقع حاصل ہوں، تو محض تبلیغ و تلقین کے زور سے یہ کام نہیں ہو سکتا، البتہ حکومت کا زور آپ کے پاس ہو تو یہ سب کچھ ہونا ممکن ہے۔ پس یہ بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے جس کو سمجھنے کے لیے کچھ بہت زیادہ غور کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ اصلاحِ خلق کی کوئی اسکیم بھی حکومت کے اختیارات پر قبضہ کیے بغیر نہیں چل سکتی۔ جو کوئی حقیقت میں خدا کی زمین سے فتنہ و فساد کو مٹانا چاہتا ہو اور واقعی یہ چاہتا ہو کہ خلق خدا کی اصلاح ہو تو اس کے لیے محض واعظ اور ناصح بن کر کام کرنا فضول ہے۔ اسے اٹھنا چاہیے اور غلط اصول کی حکومت کا خاتمہ کر کے، غلط کار لوگوں کے ہاتھ سے اقتدار چھین کر صحیح اصول اور صحیح طریقہ کی حکومت قائم کرنی چاہیے۔

یہ نکتہ سمجھ لینے کے بعد ایک قدم اور آگے بڑھیے۔ آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ بندگانِ خدا کی زندگی میں جو خرابیاں پھیلتی ہیں اُن کی جڑ حکومت کی خرابی ہے، اور اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ اس جڑ کی اصلاح کی جائے۔ مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود حکومت کی خرابی کا بنیادی سبب کیا ہے؟ اس خرابی کی جڑ کہاں ہے؟ اور اس میں کونسی بنیادی اصلاح کی جائے کہ وہ برائیاں پیدا نہ ہوں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خرابی کی جڑ دراصل انسان پر انسان کی حکومت ہے، اور اصلاح کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں کہ انسان پر خدا کی حکومت ہو۔ اتنے بڑے سوال کا اتنا مختصر سا جواب سن کر آپ تعجب تو کریں۔ اس سوال کی تحقیق میں جتنا کھوج آپ لگائیں گے یہی جواب آپ کو ملے گا۔

ذرا غور تو کیجیے، یہ زمین جس پر آپ رہتے ہیں، یہ خدا کی بنائی ہوئی ہے یا کسی اور کی؟ یہ انسان جو زمین پر بستے ہیں ان کو خدا نے پیدا کیا ہے یا کسی اور نے؟ یہ بے شمار اسباب زندگی جن کے بل پر سب انسان جی رہے ہیں انھیں خدا نے مہیا کیا ہے یا کسی اور نے؟ اگر ان سب سوالات کا جواب یہی ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ زمین اور انسان اور یہ تمام سامان خدا ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ملک خدا کا ہے، دولت خدا کی ہے اور رعیت بھی خدا کی ہے۔ پھر جب معاملہ یہ ہے تو آخر کوئی دوسرا اس کا حقدار کیسے ہو گا کہ خدا کے ملک میں اپنا حکم چلائے؟ آخر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ خدا کی رعیت پر خدا کے سوا کسی دوسرے کا قانون یا خود رعیت کا اپنا بنایا ہوا قانون جاری ہو؟ ملک کسی کا ہو اور حکم دوسرے کا چلے، ملکیت کسی کی ہو اور مالک کوئی دوسرا بن جائے، رعیت کسی کی ہو اور اس پر فرماں روائی دوسرا کرے، یہ بات آپ کی عقل کیسے قبول کر سکتی ہے؟ ایسا ہونا تو صریح حق کے خلاف ہے اور چونکہ یہ حق کے خلاف ہے اس لیے جہاں کہیں اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے نتیجہ بُرا ہی نکلتا ہے۔ جن انسانوں کے ہاتھ میں قانون بنانے اور حکم چلانے کے اختیارات آتے ہیں وہ کچھ تو اپنی جہالت کی وجہ سے مجبوراً غلطیاں کرتے ہیں، اور کچھ اپنی نفسانی

خواہشات کی وجہ سے قصداً ظلم اور بے انصافی کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ کیونکہ اول تو ان کے پاس اتنا علم ہی نہیں ہوتا کہ انسانی معاملات کو چلانے کے لیے صحیح قاعدے اور قانون بنا سکیں، اور پھر اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ خدا کے خوف اور خدا کے سامنے جواب دہی سے غافل ہو کر لامحالہ وہ شتر بے مہار بن جاتے ہیں۔ ذرا سی عقل اس بات کو سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ جو انسان خدا سے بے خوف ہو، جسے یہ فکر ہو ہی نہیں کہ کسی کو حساب دینا ہے، جو اپنی جگہ یہ سمجھ رہا ہو کہ اوپر کوئی نہیں جو مجھ سے پوچھ گچھ کرنے والا ہو، وہ طاقت اور اختیارات پا کر شتر بے مہار نہ بنے گا تو اور کیا بنے گا؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایسے شخص کے ہاتھ میں جب لوگوں کے رزق کی کنجیاں ہوں، جب لوگوں کی جانیں اور ان کے مال اس کی مٹھی میں ہوں، جب ہزاروں لاکھوں سر اس کے حکم کے آگے جھک رہے ہوں، تو کیا وہ راستی اور انصاف پر قائم رہ جائے گا؟ کیا آپ توقع کرتے ہیں کہ وہ خزانوں کا امین ثابت ہو گا؟ کیا آپ امید رکھتے ہیں کہ وہ حق مارنے، حرام کھانے اور بندگانِ خدا کو اپنی خواہشات کا غلام بنانے سے باز رہے گا؟ کیا آپ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایسا شخص خود بھی سیدھے راستے پر چلے اور دوسروں کو بھی سیدھا چلائے؟ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! ایسا ہونا عقل کے خلاف ہے۔ ہزارہا برس کا تجربہ اس کے خلاف شہادت دیتا ہے۔ آج اپنی آنکھوں سے آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ خدا سے بے خوف اور آخرت کی جواب دہی سے غافل ہیں وہ اختیارات پا کر کس قدر ظالم، خائن اور بدراہ ہوتے ہیں۔

لہٰذا حکومت کی بنیاد میں جس اصلاح کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ انسان پر انسان کی حکومت نہ ہو بلکہ خدا کی حکومت ہو۔ اس حکومت کو چلانے والے خود مالک الملک نہ بنیں بلکہ خدا کو بادشاہ تسلیم کر کے اس کے نائب اور امین کی حیثیت سے کام کریں اور یہ سمجھتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں کہ آخر کار اس امانت کا حساب اس بادشاہ کو دینا ہے جو کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے۔ حکومت کا قانون اس خدا کی ہدایت پر مبنی ہو جو تمام حقیقتوں کا علم رکھتا ہے اور دانائی کا سرچشمہ ہے۔ اس قانون کو بدلنے یا اس میں ترمیم و تنسیخ کرنے

کے اختیارات کسی کو نہ ہوں تاکہ وہ انسانوں کی جہالت یا خودغرضی اور ناروا خواہشات کے دخل پا جانے سے بگڑنہ جائے۔

یہی وہ بنیادی اصلاح ہے جس کو اسلام جاری کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ خدا کو اپنا بادشاہ (محض خیالی نہیں بلکہ واقعی بادشاہ) تسلیم کرلیں، اور اس قانون پر جو خدا نے اپنے نبی کے ذریعہ سے بھیجا ہے ایمان لے آئیں، ان سے اسلام یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کے ملک میں اس کا قانون جاری کرنے کے لیے اٹھیں، اُس کی رعیت میں سے جو لوگ باغی ہوگئے ہیں اور خود مالک الملک بن بیٹھے ہیں ان کا زور توڑ دیں، اور اللہ کی رعیت کو دوسروں کی رعیت بننے سے بچائیں۔ اسلام کی نگاہ میں یہ بات ہرگز کافی نہیں ہے کہ تم نے خدا کو خدا اور اس کے قانون کو قانونِ برحق مان لیا۔ نہیں اس کو ماننے کے ساتھ ہی آپ سے آپ یہ فرض تم پر عائد ہوجاتا ہے کہ جہاں بھی تم ہو، جس سرزمین میں بھی تمہاری سکونت ہو، وہاں خلقِ خدا کی اصلاح کے لیے اٹھو، حکومت کے غلط اصول کو صحیح اصول سے بدلنے کی کوشش کرو، ناخدا ترس اور شتربے مہار قسم کے لوگوں سے قانون سازی اور فرماں روائی کا اقتدار چھین لو، اور بندگانِ خدا کی رہنمائی و سربراہ کاری اپنے ہاتھ میں لے کر خدا کے قانون کے مطابق، آخرت کی ذمہ داری و جوابدہی کا اور خدا کے عالم الغیب ہونے کا یقین رکھتے ہوئے، حکومت کے معاملات انجام دو۔ اسی کوشش اور اسی جدوجہد کا نام جہاد ہے۔

لیکن حکومت اور فرماں روائی جیسی کچھ بدبلا ہے ہر شخص اس کو جانتا ہے۔ اس کے حاصل ہونے کا خیال کرتے ہی انسان کے اندر لالچ کے طوفان اٹھنے لگتے ہیں۔ خواہشاتِ نفسانی یہ چاہتی ہیں کہ زمین کے خزانے اور خلقِ خدا کی گردنیں اپنے ہاتھ میں آئیں تو دل کھول کر خدائی کی جائے۔ حکومت کے اختیارات پر قبضہ کرلینا اتنا مشکل نہیں جتنا ان اختیارات کے ہاتھ آجانے کے بعد خدا بننے سے بچنا اور بندۂ خدا بن کر کام کرنا مشکل ہے۔ پھر بھلا فائدہ کیا ہوا اگر فرعون کو ہٹا کر تم خود فرعون بن گئے؟ لہٰذا

اس شدید آزمائش کے کام کی طرف بلانے سے پہلے اسلام تم کو اس کے لیے تیار کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ تم کو حکومت کا دعویٰ لے کر اٹھنے اور دنیا سے لڑنے کا حق اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچتا جب تک تمہارے دل سے خود غرضی اور نفسانیت نکل نہ جائے۔ جب تک تم میں اتنی پاک نفسی پیدا نہ ہو جائے کہ تمہاری لڑائی اپنی ذاتی یا قومی اغراض کے لیے نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی رضا اور خلق اللہ کی اصلاح کے لیے ہو۔ اور جب تک تم میں یہ صلاحیت مستحکم نہ ہو جائے کہ حکومت پا کر تم اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو بلکہ خدا کے قانون کی پیروی پر ثابت قدم رہ سکو۔ محض یہ بات کہ تم کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے ہو تمھیں اس کا مستحق نہیں بنا دیتی کہ اسلام تمھیں خلق خدا پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دے دے، اور پھر تم خدا اور رسول کا نام لے لے کر وہی سب حرکتیں کرنے لگو جو خدا کے باغی اور ظالم لوگ کرتے ہیں۔ قبل اس کے کہ اتنی بڑی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے لیے تم کو حکم دیا جائے، اسلام یہ ضروری سمجھتا ہے کہ تم میں وہ طاقت پیدا کی جائے جس سے تم اس بوجھ کو سہار سکو۔

یہ نماز اور روزہ اور یہ زکوٰۃ اور حج دراصل اسی تیاری اور تربیت کے لیے ہیں۔ جس طرح تمام دنیا کی سلطنتیں اپنی فوج، پولیس، اور سول سروس کے لیے آدمیوں کو پہلے خاص قسم کی ٹریننگ دیتی ہیں پھر ان سے کام لیتی ہیں، اسی طرح اللہ کا دین (اسلام) بھی اُن تمام آدمیوں کو، جو اس کی ملازمت میں بھرتی ہوں، پہلے خاص طریقہ سے تربیت دیتا ہے، پھر ان سے جہاد اور حکومتِ الٰہی کی خدمت لینا چاہتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا کی سلطنتوں کو اپنے آدمیوں سے جو کام لینا ہوتا ہے اس میں اخلاق اور نیک نفسی اور خدا ترسی کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، اس لیے وہ انھیں صرف کاررواں بنانے کی کوشش کرتی ہیں خواہ وہ کیسے ہی زانی، شرابی، بے ایمان اور بدنفس ہوں۔ مگر دینِ الٰہی کو جو کام اپنے آدمیوں سے لینا ہے وہ چونکہ سارا کا سارا ہے ہی اخلاقی کام اس لیے وہ انھیں کارواں بنانے سے زیادہ اہم اس بات کو سمجھتا ہے کہ انھیں خدا ترس اور نیک نفس بنائے۔ وہ ان میں اتنی طاقت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جب وہ زمین میں خدا کی حکومت قائم کرنے کا دعویٰ لے کر اٹھیں تو اپنے دعوے کو سچا کر کے دکھا سکیں۔

وہ لڑیں تو اس لیے نہ لڑیں کہ انھیں خود اپنے واسطے مال و دولت اور زمین درکار ہے، بلکہ ان کے عمل سے ثابت ہوجائے کہ ان کی لڑائی خدا کی رضا کے لیے اور اس کے بندوں کی فلاح وبہبود کے لیے ہے۔ وہ فتح پائیں تو متکبر وسرکش نہ ہوں بلکہ ان کے سر خدا کے آگے جھکے ہوئے رہیں۔ وہ حاکم بنیں تو لوگوں کو اپنا غلام نہ بنائیں بلکہ خود بھی خدا کے غلام بن کر رہیں اور دوسروں کو بھی خدا کے سوا کسی کا غلام نہ رہنے دیں۔ وہ زمین کے خزانوں پر قابض ہوں تو اپنی یا اپنے خاندان والوں یا اپنی قوم کے لوگوں کی جیبیں نہ بھرنے لگیں۔ بلکہ خدا کے رزق کو اس کے بندوں پر انصاف کے ساتھ تقسیم کریں اور ایک سچے امانت دار کی طرح یہ سمجھتے ہوئے کام کریں کہ کوئی آنکھ ہمیں ہر حال میں دیکھ رہی ہے اور اوپر کوئی ہے جسے ہم کو ایک ایک پائی کا حساب دینا ہے۔ اس تربیت کے لیے ان عبادتوں کے سوا اور کوئی دوسرا طریقہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اور جب اسلام اس طرح اپنے آدمیوں کو تیار کر لیتا ہے، تب وہ ان سے کہتا ہے کہ ہاں، اب تم روئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہو، لہٰذا آگے بڑھو، لڑکر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کر دو اور خلافت کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جہاں فوج، پولیس، عدالت، جیل، تحصیلداری، ٹیکس کلکٹری، اور تمام دوسرے سرکاری کام ایسے اہل کاروں اور عہدہ داروں کے ہاتھ میں ہوں جو سب کے سب خدا سے ڈرنے والے اور آخرت کی جواب دہی کا خیال رکھنے والے ہوں اور جہاں حکومت کے سارے قاعدے اور ضابطے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر قائم ہوں جس میں بے انصافی اور نادانی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے اور جہاں بدی و بدکاری کی ہر صورت کا بروقت تدارک کر دیا جائے اور نیکی و نیکوکاری کی ہر بات کو حکومت اپنے روپے اور اپنی طاقت سے پروان چڑھانے کے لیے مستعد ہے، ایسی جگہ خلق خدا کی بہتری کا کیا حال ہوگا۔ پھر آپ ذرا غور کریں تو یہ بات بھی آسانی کے ساتھ آپ کی سمجھ میں آجائے گی کہ ایسی حکومت جب کچھ مدت تک کام کرکے لوگوں کی بگڑی ہوئی عادتوں کو درست کر دے گی، جب وہ حرام خوری

بدکاری، ظلم، بے حیائی اور بداخلاقی کے سارے رستے بند کر دے گی، جب وہ غلط قسم کی تعلیم و تربیت کا انسداد کر کے صحیح تعلیم و تربیت سے لوگوں کے خیالات ٹھیک کر دے گی، اور جب اس کے ماتحت عدل و انصاف، امن و امان، اور نیک اطواری و خوش اخلاقی کی پاک صاف فضا میں لوگوں کو زندگی بسر کرنے کا موقع ملے گا، تو وہ آنکھیں جو بدکار اور ناخدا ترس لوگوں کی سرداری میں مدت ہائے دراز تک رہنے کی وجہ سے اندھی ہو گئی تھیں، رفتہ رفتہ خود ہی حق کو دیکھنے اور پہچاننے کے قابل ہو جائیں گی، وہ دل جن پر صدیوں تک بداخلاقیوں میں گھرے رہنے کی وجہ سے زنگ کی تہیں چڑھ گئی تھیں، آہستہ آہستہ خود ہی آئینے کی طرح صاف ہوتے چلے جائیں گے اور ان میں سچائی کا عکس قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ اُس وقت لوگوں کے لیے اس سیدھی سی بات کا سمجھنا اور مان لینا کچھ بھی مشکل نہ ہوگا کہ حقیقت میں اللہ ہی ان کا خدا ہے اور اس کے سوا کوئی اس کا مستحق نہیں کہ وہ اس کی بندگی کریں، اور یہ کہ واقعی وہ پیغمبر سچے تھے جن کے ذریعہ سے ایسے صحیح قوانین ہم کو ملے۔ آج جس بات کو لوگوں کے دماغ میں اُتارنا سخت مشکل نظر آتا ہے، اُس وقت وہ خود دماغوں میں اُترنے لگے گی۔ آج تقریروں اور کتابوں کے ذریعہ سے جس بات کو نہیں سمجھایا جا سکتا۔ اس وقت وہ ایسی آسانی سے سمجھ میں آئے گی کہ گویا اس میں کوئی پیچیدگی تھی ہی نہیں۔ جو لوگ اپنی آنکھوں سے اس فرق کو دیکھ لیں گے کہ انسان کے خود گھڑے ہوئے طریقوں پر دنیا کا کاروبار چلتا ہے تو کیا حال ہوتا ہے۔ اور خدا کے بتائے ہوئے طریقوں پر اسی دنیا کے کام چلائے جاتے ہیں تب کیا کیفیت ہوتی ہے، ان کے لیے خدا کی توحید اور اس کے پیغمبر کی صداقت پر ایمان لانا آسان اور ایمان نہ لانا مشکل ہو جائے گا، بالکل اسی طرح جیسے پھول اور کانٹوں کا فرق محسوس کر لینے کے بعد پھول کا انتخاب کرنا آسان اور کانٹوں کا چننا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس وقت اسلام کی سچائی سے انکار کرنے اور کفر و شرک پر اڑے رہنے کے لیے بہت ہی زیادہ ہٹ دھرمی کی ضرورت ہوگی، اور مشکل سے ہزار میں دس پانچ ہی آدمی ایسے نکلیں گے جن میں اتنی زیادہ ہٹ دھرمی

موجود ہو۔

بھائیو! اب مجھے امید ہے کہ تم نے اچھی طرح سمجھ لیا ہو گا کہ یہ نماز اور روزہ اور یہ حج اور زکوٰۃ کس غرض کے لیے ہیں۔ تم اب تک یہ سمجھتے رہے ہو اور مدتوں سے تم کو اس غلط فہمی میں مبتلا رکھا گیا ہے کہ یہ عبادتیں محض پوجا پاٹ کی قسم کی چیزیں ہیں، تمھیں یہ بتایا ہی نہیں گیا کہ یہ ایک بڑی خدمت کی تیاری کے لیے ہیں۔ اسی وجہ سے تم بغیر کسی مقصد کے ان رسموں کو ادا کرتے رہے اور اس کام کے لیے کبھی تیار ہونے کا خیال تک تمھارے دلوں میں نہ آیا جس کے لیے دراصل انھیں مقرر کیا گیا تھا۔ مگر اب میں تمھیں بتاتا ہوں کہ جس دل میں جہاد کی نیت نہ ہو اور جس کے پیشِ نظر جہاد کا مقصد نہ ہو اس کی ساری عبادتیں بے معنی ہیں۔ ان بے معنی عبادتوں سے اگر تم گمان رکھتے ہو کہ خدا کا تقرب نصیب ہوتا ہے تو خدا کے ہاں جا کر تم خود دیکھ لو گے کہ انھوں نے تم کو اس سے کتنا قریب کیا!

جہاد کی اہمیت

برادرانِ اسلام! اس سے پہلے ایک مرتبہ میں آپ کو دین اور شریعت اور عبادت کے معنی بتا چکا ہوں۔ اب ذرا پھر اس مضمون کو اپنے دماغ میں تازہ کر لیجیے۔

دین کے معنی اطاعت کے ہیں۔

شریعت قانون کو کہتے ہیں۔

عبادت سے مراد بندگی ہے۔

جب آپ کسی کی اطاعت میں داخل ہوئے اور اس کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا تو گویا آپ نے اس کا دین قبول کیا۔ پھر جب وہ آپ کا حاکم ہوا اور آپ اس کی رعایا بن گئے تو اس کے احکام اور اس کے مقرر کیے ہوئے ضابطے آپ کے لیے قانون یا شریعت ہوں گے۔ اور جب آپ اس کی اطاعت کرتے ہوئے اس کی شریعت کے مطابق زندگی بسر کریں گے، جو کچھ وہ طلب کرے گا حاضر کر دیں گے، جس بات کا وہ حکم دے گا اسے بجا لائیں گے، جن کاموں سے منع کرے گا ان سے رک جائیں گے، جن حدود کے اندر رہ کر کام کرنا وہ آپ کے لیے جائز ٹھیرائے گا انہی حدود کے اندر آپ رہیں گے، اور اپنے آپس کے تعلقات و معاملات اور مقدموں اور قضیوں میں اسی کی ہدایت پر چلیں گے اور اسی کے فیصلے پر سر جھکائیں گے، تو آپ کے اس رویے کا نام بندگی یا عبادت ہوگا۔

اس تشریح سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ دین دراصل حکومت کا نام ہے، شریعت اس حکومت کا قانون ہے، اور عبادت اس کے قانون اور ضابطہ کی پابندی ہے۔ آپ جس کسی کو حاکم مان کر اس کی محکومی قبول کرتے ہیں، دراصل آپ اس کے دین میں داخل ہوتے ہیں۔ اگر آپ کا وہ حاکم اللہ ہے تو آپ دینِ

اللہ میں داخل ہوئے، اگر وہ کوئی بادشاہ ہے تو آپ دینِ بادشاہ میں داخل ہوئے، اگر وہ کوئی خاص قوم ہے تو آپ اسی قوم کے دین میں داخل ہوئے، اور اگر وہ خود آپ کی اپنی قوم یا آپ کے وطن کے جمہور ہیں تو آپ دینِ جمہور میں داخل ہوئے، غرض جس کی اطاعت کا قلادہ آپ کی گردن میں ہے فی الواقع اُسی کے دین میں آپ ہیں، اور جس کے قانون پر آپ عمل کر رہے ہیں دراصل اسی کی عبادت کر رہے ہیں۔

یہ بات جب آپ نے سمجھ لی تو بغیر کسی دقت کے یہ سیدھی سی بات بھی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کے دو دین کسی طرح نہیں ہو سکتے، کیونکہ مختلف حکمرانوں میں سے بہرحال ایک ہی کی اطاعت آپ کر سکتے ہیں، مختلف قانونوں میں سے بہرحال ایک ہی قانون آپ کی زندگی کا ضابطہ بن سکتا ہے، اور مختلف معبودوں میں سے ایک ہی کی عبادت کرنا آپ کے لیے ممکن ہے۔ آپ کہیں گے کہ ایک صورت یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ عقیدے میں ہم ایک کو حاکم مانیں اور واقعہ میں طاعت دوسرے کی کریں، پوجا اور پرستش ایک کے آگے کریں اور بندگی دوسرے کی بجالائیں، اپنے دل میں عقیدہ ایک قانون پر رکھیں اور واقعہ میں ہماری زندگی کے سارے معاملات دوسرے قانون کے مطابق چلتے رہیں۔ میں اس کے جواب میں عرض کروں گا بے شک یہ ہو تو سکتا ہے، اور ہو رہا ہے، مگر یہ ہے شرک اور یہ شرک سر سے پاؤں تک جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ حقیقت میں تو آپ اُسی کے دین پر ہیں جس کی اطاعت واقعی آپ کر رہے ہیں، پھر یہ جھوٹ نہیں تو کیا ہے کہ جس کی اطاعت آپ نہیں کر رہے ہیں اُس کو اپنا حاکم اور اس کے دین کو اپنا دین کہیں؟ اور اگر زبان سے آپ کہتے بھی ہیں یا دل میں ایسا سمجھتے بھی ہیں تو اس کا فائدہ اور اثر کیا ہے؟ آپ کا یہ کہنا کہ ہم اس کی شریعت پر ایمان لاتے ہیں بالکل ہی بے معنی ہے جبکہ آپ کی زندگی کے تمام معاملات اس کی شریعت کے دائرے سے نکل گئے ہوں اور کسی دوسری شریعت پر چل رہے ہوں۔ آپ کا یہ کہنا کہ ہم فلاں کو معبود مانتے ہیں، اور آپ کا اپنے ان سروں کو جو گردنوں پر رکھے ہوئے ہیں، سجدے میں اس کے آگے زمین پر ٹیک دینا، بالکل ایک مصنوعی فعل بن کر رہ جاتا ہے جبکہ آپ واقع میں بندگی دوسرے کی کر رہے ہوں۔ حقیقت میں آپ کا معبود تو وہ ہے اور آپ

دراصل عبادت اسی کی کر رہے ہیں جس کے حکم کی آپ تعمیل کرتے ہیں، جس کے منع کرنے سے آپ رُکتے ہیں جس کی قائم کی ہوئی حدود کے اندر رہ کر آپ کام کرتے ہیں جس کے مقرر کیے ہوئے طریقوں پر آپ چلتے ہیں جس کے ضابطے کے مطابق آپ دوسروں کا مال لیتے اور اپنا مال دوسروں کو دیتے ہیں جس کے فیصلوں کی طرف آپ اپنے معاملات میں رجوع کرتے ہیں جس کی شریعت پر آپ کے باہمی تعلقات کی تنظیم اور آپ کے درمیان حقوق کی تقسیم ہوتی ہے، اور جس کی طلبی پر آپ اپنے دل و دماغ اور ہاتھ پاؤں کی ساری قوتیں، اور اپنے کمائے ہوئے مال اور آخر کار اپنی جانیں تک پیش کر دیتے ہیں۔ پس اگر آپ کا عقیدہ کچھ ہو اور واقعہ اس کے خلاف ہو، تو اصل چیز واقعہ ہی ہو گا عقیدے کے لیے اس صورت میں سرے سے کوئی جگہ نہ ہو گی، نہ ایسے عقیدے کا کوئی وزن ہی ہو گا۔ اگر واقعہ میں آپ دینِ بادشاہ پر ہوں تو اس میں دین اللہ کے لیے کوئی جگہ نہ ہو گی، اگر واقعہ میں آپ دینِ جمہور پر ہوں، یا دینِ انگریز یا دینِ ملک و وطن پر ہوں تو اس میں بھی دین اللہ کے لیے کوئی جگہ نہ ہو گی۔ اور اگر فی الواقع آپ دین اللہ پر ہوں تو اسی طرح اس میں بھی کسی دوسرے دین کے لیے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ بہرحال یہ خوب سمجھ لیجیے کہ شرک جہاں بھی ہو گا، جھوٹ ہی ہو گا۔

یہ نکتہ بھی جب آپ کے ذہن نشین ہو گیا تو بغیر کسی لمبی چوڑی بحث کے آپ کا دماغ خود اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ دین، خواہ کوئی سا بھی ہو، لامحالہ اپنی حکومت چاہتا ہے۔ دینِ جمہوری ہو یا دینِ بادشاہی، دینِ اشتراکی ہو یا دینِ الٰہی، یا کوئی اور دین، بہرحال ہر دین کو اپنے قیام کے لیے خود اپنی حکومت کی ضرورت ہوتی ہے۔ حکومت کے بغیر دین بالکل ایسا ہے جیسے ایک عمارت کا نقشہ آپ کے دماغ میں ہو مگر عمارت زمین پر موجود نہ ہو ایسے دماغی نقشہ کے ہونے کا فائدہ ہی کیا ہے جب کہ آپ رہیں گے اس عمارت میں جو فی الواقع موجود ہو گی؟ اسی کے دروازے میں آپ داخل ہوں گے اور اسی کے دروازے سے نکلیں گے۔ اسی کی چھت اور اسی کی دیواروں کا سایہ آپ پر ہو گا۔ اسی کے نقشہ پر آپ کو اپنی سکونت کا سارا انتظام کرنا ہو گا۔ پھر بھلا ایک نقشہ کی عمارت میں رہتے ہوئے آپ کا کسی دوسرے طرز یا دوسرے نقشے کی عمارت اپنے ذہن

ین رکھنا، یا اس کا محض معتقد ہو جانا آخر معنی ہی کیا رکھتا ہے؟ وہ خیالی عمارت آپ کے ذہن میں ہوگی اور
آپ خود اس واقعی عمارت کے اندر رہ رہے ہوں گے جو زمین پر بنی ہوئی ہے۔ عمارت کا نقشہ دماغ والی عمارت کے لیے
کوئی ہوتا نہیں ہے، تو ایسی عمارت میں کوئی رہ سکتا ہے۔ عمارت تو کہتے ہی اس کو ہیں، اور آدمی رہ اسی عمارت
میں سکتا ہے جس کی بنیادیں زمین میں ہوں اور جس کی چھت اور دیواریں زمین پر قائم ہوں۔ بالکل اسی مثال
کے مطابق کسی دین کے حق ہونے کا محض اعتقاد کوئی معنی نہیں رکھتا اور ایسا اعتقاد لاحاصل ہے جب کہ لوگ عملاً
ایک دوسرے دین میں زندگی بسر کر رہے ہوں۔ جس طرح خیالی نقشہ کا نام عمارت نہیں ہے، اسی طرح خیالی
دین کا نام بھی دین نہیں ہے۔ اور خیالی عمارت کی طرح کوئی شخص خیالی دین میں بھی نہیں رہ سکتا۔ دین وہی ہے جس کا اقتدار
زمین میں قائم ہو، جس کا قانون چلے، اور جس کے ضابطے پر زندگی کے معاملات کا انتظام ہو۔ لہٰذا ہر دین
عین اپنی فطرت ہی کے لحاظ سے اپنی حکومت کا تقاضا کرتا ہے، اور دین ہوتا ہی اس لیے ہے کہ جس اقتدار کو وہ
قائم کرانا چاہتا ہے اسی کی عبادت و بندگی ہو اور اسی کی شریعت نافذ ہو۔

مثال کے طور پر دیکھیے۔

دین جمہور کا کیا مفہوم ہے؟ یہی نا کہ ایک ملک کے عام لوگ خود اپنے اقتدار کے مالک ہوں، ان پر خود
انہی کی بنائی ہوئی شریعت چلے، اور ملک کے سب باشندے اپنے جمہوری اقتدار کی اطاعت و بندگی کریں۔
بتائیے یہ دین کیونکر قائم ہو سکتا ہے جب تک کہ ملک کا قبضہ واقعی جمہوری اقتدار کو حاصل نہ ہو جائے
اور جمہوری شریعت نافذ نہ ہونے لگے؟ اگر جمہور کے بجائے کسی غیر قوم کا یا کسی بادشاہ کا اقتدار ملک
میں قائم ہو اور اسی کی شریعت چلے تو دین جمہوری کہاں رہا؟ کوئی شخص دین جمہوری پر اعتقاد رکھتا
ہو تو رکھا کرے، جب تک بادشاہ کا یا غیر قوم کا دین قائم ہے، دین جمہوری کی پیروی تو وہ نہیں
کر سکتا۔

دین پادشاہی کو لیجیے۔ یہ دین جس بادشاہ کو بھی حاکم اعلیٰ قرار دیتا ہے، اسی کے لیے تو قرار دیتا ہے

کہ اطاعت و عبادت اس کی ہو اور شریعت اس کی نافذ ہو۔ اگر یہی بات نہ ہوئی تو بادشاہ کو بادشاہ ماننے اور اُسے حاکمِ اعلیٰ تسلیم کرنے کے معنی ہی کیا ہوئے؟ دینِ جمہور چل پڑا ہو یا کسی دوسری قوم کی حکومت قائم ہو گئی ہو تو دینِ بادشاہی رہا کب کہ کوئی اس کی پیروی کر سکے۔

دور نہ جائیے اسی دینِ انگریز کو دیکھ لیجیے جو اس وقت ہندوستان کا دین ہے۔ یہ دین اسی وجہ سے تو چل رہا ہے کہ تعزیراتِ ہند اور ضابطۂ دیوانی انگریزی طاقت سے نافذ ہے۔ آپ کی زندگی کے سارے کاروبار انگریز کے مقرر کردہ طریقہ پر انجام پاتے ہیں اور آپ سب اسی کے حکم کے آگے سرِ اطاعت جھکا رہے ہیں۔ جب تک یہ دین اس قوت کے ساتھ قائم ہے، آپ خواہ کسی دین کے معتقد ہوں، بہرحال اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ لیکن اگر تعزیراتِ ہند اور ضابطۂ دیوانی چلنا بند ہو جائے اور انگریز کے حکم کی اطاعت و بندگی نہ ہو تو بتائیے کہ دینِ انگریز کا کیا مفہوم باقی رہ جاتا ہے؟

ایسا ہی معاملہ دینِ اسلام کا بھی ہے۔ اس دین کی بنا یہ ہے کہ زمین کا مالک اور انسانوں کا بادشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا اسی کی اطاعت اور بندگی ہونی چاہیے اور اسی کی شریعت پر انسانی زندگی کے سارے معاملات چلنے چاہییں۔ یہ اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کا اصول جو اسلام پیش کرتا ہے یہ بھی اسی غرض کے لیے ہے، اور اس کے سوا کوئی دوسری غرض اس کی نہیں ہے کہ زمین میں صرف اللہ کا حکم چلے، عدالت میں فیصلہ اسی کی شریعت پر ہو، پولیس اسی کے احکام جاری کرے، لین دین اسی کے ضابطے کی پیروی میں ہو، ٹیکس اسی کی مرضی کے مطابق لگائے جائیں اور انہی مصارف میں صرف ہوں جو اس نے مقرر کیے ہیں، سول سروس اور فوج اسی کے زیرِ حکم ہو۔ تقویٰ اور خوف اسی سے کیا جائے، رعیت اسی کی مطیع ہو، اور فی الجملہ انسان اس کے سوا کسی کے بندے بن کر نہ رہیں۔ ظاہر بات ہے کہ یہ غرض پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ خالص الٰہی حکومت نہ ہو۔ کسی دوسرے دین کے ساتھ

یہ دین شرکت کہاں قبول کر سکتا ہے؟ اور کونسا دین ہے جو دوسرے دین کی شرکت قبول کرتا ہو؟ ہر دین کی طرح یہ دین بھی یہی کہتا ہے کہ اقتدار خالصاً، مخلصاً میرا ہونا چاہیے اور ہر دوسرا دین میرے مقابلہ میں مغلوب ہو جانا چاہیے، ورنہ میری پیروی نہیں ہو سکتی۔ میں ہوں گا تو دینِ جمہوری نہ ہوگا، دینِ بادشاہی نہ ہوگا، دینِ اشتراکی نہ ہوگا، کوئی بھی دوسرا دین نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی دوسرا دین ہوگا تو میں نہ ہوں گا، اور اس صورت میں محض مجھے حق مان لینے کا کوئی نتیجہ نہیں۔ یہی بات ہے جس کو قرآن بار بار دہراتا ہے۔ مثلاً:-

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ ۔ (البینہ۔)

لوگوں کو اس کے سوا کسی بات کا حکم نہیں دیا گیا کہ سب طرف سے منہ موڑ کر اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کریں اور اسی کی عبادت کریں

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۔ (التوبہ)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا کہ اس کو پوری جنسِ دین پر غالب کرے خواہ شرک کرنے والوں کو ایسا کرنا کتنا ہی ناگوار ہو۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (الانفال۔۵)

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارا کا سارا اللہ کے لیے ہو جائے۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (یوسف۔۵)

حکم اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (الکہف۔۱۲)

تو جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اس کو چاہیے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی دوسرے کی عبادت شریک نہ کرے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ

تو نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں

اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ..... وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء - ۹)	کہ ہم ایمان لائے ہیں اس ہدایت پر جو تیری طرف اور تجھ سے پہلے کے نبیوں کی طرف اتاری گئی تھی اور پھر ارادہ یہ کرتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ طاغوت سے کرائیں حالانکہ انھیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا..... ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے تو بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے۔

اوپر میں عبادت اور دین اور شرک کی جو تشریح کر چکا ہوں اس کے بعد آپ کو یہ سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی کہ ان آیات میں قرآن کیا کہہ رہا ہے۔

اب یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ اسلام میں جہاد کی اس قدر اہمیت کیوں ہے، دوسرے تمام دینوں کی طرح دین اللہ بھی محض اس بات پر مطمئن نہیں ہو سکتا کہ آپ بس اس کے حق ہونے کو مان لیں اور اپنے اس اعتقاد کی علامت کے طور پر محض رسمی پوجا پاٹ کر لیا کریں۔ کسی دوسرے دین کے ماتحت رہ کر آپ اس دین کی پیروی کر ہی نہیں سکتے۔ کسی دوسرے دین کی شرکت میں بھی اس کی پیروی ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر آپ واقعی اس دین کو حق سمجھتے ہیں تو آپ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس دین کو زمین میں قائم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں اور یا تو اسے قائم کرکے چھوڑیں یا اسی کوشش میں جان دے دیں۔ یہی کسوٹی ہے جس پر آپ کے ایمان و اعتقاد کی صداقت پرکھی جا سکتی ہے۔ آپ کا اعتقاد سچا ہوگا تو آپ کو کسی دوسرے دین کے اندر رہتے ہوئے آرام کی نیند تک نہ آسکے گی کجا کہ آپ اس کی خدمت کریں اور اس خدمت کی روٹی مزے سے کھائیں اور آرام سے پاؤں پھیلا کر سوئیں۔ اس دین کو حق مانتے ہوئے تو جو لمحہ آپ پر کسی دوسرے دین کی ماتحتی میں گزرے گا اس طرح گزرے گا کہ بستر آپ کے لیے کانٹوں کا بستر ہوگا، کھانا زہر اور حنظل کا کھانا ہوگا اور دین حق کو قائم کرنے کی کوشش کیے بغیر آپ کو کسی کل چین نہ آسکے گا لیکن اگر آپ کو دین اللہ کے سوا کسی دوسرے دین کے اندر رہنے میں چین آ رہا ہو اور آپ اس حالت پر راضی ہوں تو آپ مومن ہی نہیں ہیں، خواہ آپ کتنی ہی دل لگا کر نمازیں پڑھیں، کتنے ہی لمبے لمبے مراقبے کریں، کتنی ہی قرآن

وحدیث کی شرح فرمائیں، اور کتنا ہی اسلام کا فلسفہ بگھاریں یہ تو ان لوگوں کا معاملہ ہے جو دوسرے دین پر راضی ہوں، رہے وہ منافقین جو دوسرے دین کی خدمتگاری کرتے ہوں یا کسی اور دین (مثلاً دینِ جمہوری) کو لانے کے لیے جہاد کرتے ہوں تو ان کے متعلق میں کیا کہوں؟ موت کچھ دور نہیں ہے، وہ وقت جب آئے گا تو جو کچھ کمائی انھوں نے دنیا کی زندگی میں کی ہے خدا خود ہی ان کے سامنے رکھ دے گا۔ یہ لوگ اگر اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں تو سخت حماقت میں مبتلا ہیں۔ عقل ہوتی تو ان کی سمجھ میں آجاتا کہ ایک دین کو برحق ماننا اور اس کے خلاف دوسرے دین کے قیام میں حصہ لینا یا دوسرے دین کو قائم کرنے کی کوشش کرنا، بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں، آگ اور پانی جمع ہو سکتے ہیں، مگر ایمان باللہ کے ساتھ یہ عمل قطعاً جمع نہیں ہو سکتا۔

قرآن اس سلسلہ میں جو کچھ کہتا ہے، وہ سب کا سب تو اس خطبہ میں کہاں نقل کیا جا سکتا ہے، چند آیتیں آپ کو سناتا ہوں۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (العنکبوت - ۱)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس یہ کہہ کر کہ ہم ایمان لائے چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ان سے پہلے بھی جنہوں نے ایمان کا دعویٰ کیا ہے اس کو ہم نے آزمایا ہے پس ضرور ہے کہ اللہ دیکھے کہ ایمان کے دعوے میں سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ (العنکبوت - ۱)

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر مگر جب اللہ کے رستے میں وہ ستایا گیا تو انسانوں کی ستائی سے ایسا ڈرا جیسے اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ حالانکہ اگر تیرے رب کی طرف سے فتح آ جائے تو وہی کہے گا کہ ہم تو تمہارے ساتھی تھے۔ کیا اللہ جانتا نہیں ہے جو کچھ لوگوں کے دلوں میں ہے؟ مگر وہ ضرور دیکھ کر رہے گا کہ مومن کون ہیں اور منافق کون۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلٰى مَا
اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔
(آل عمران - ۱۰)

اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ مومنوں کو اسی طرح رہنے دے جس طرح وہ اب
ہیں (کہ سچے اور جھوٹے مدعیانِ ایمان خلط ملط ہیں) وہ یا نہ رہے گا حب تک
خبیث اور طیب کو چھانٹ کر الگ الگ نہ کر دے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ
الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ
اللّٰهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً۔ (التوبہ ۲)

کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے نہیں
دیکھا کہ تم میں سے جہاد کتنوں نے کیا اور کون ہیں جنھوں نے اللہ اور رسول
اور مومنوں کو چھوڑ کر دوسروں سے اندرونی تعلق نہیں رکھا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ . . . . اُولٰٓئِكَ
حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ
الْخٰسِرُونَ۔ اِنَّ الَّذِينَ يُحَآدُّونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ
اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّينَ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ
رُسُلِي اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ۔ (المجادلہ - ۳)

تو نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو ساتھ دیتے ہیں اس گروہ کا جس سے
اللہ ناراض ہے؟ یہ لوگ تمھارے ہی ہیں نہ انہی کے ہیں . . . . یہ تو
شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں خبردار، ہو کہ شیطان کی پارٹی والے ہی نامراد
رہنے والے ہیں۔ یقیناً جو لوگ اللہ اور رسول کا مقابلہ کرتے ہیں (یعنی دینِ
حق کے قیام کے خلاف کام کرتے ہیں) وہ شکست کھانے والوں میں
ہوں گے۔ اللہ کا فیصلہ ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے
یقیناً اللہ طاقت ور اور زبردست ہے۔

ان آیات میں قرآن مجید نے ان لوگوں کو بھی جواب دے دیا ہے جو دینِ حق کو قائم کرنے کی مشکلات عذ
بے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دینِ حق کو جب کبھی قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی، کوئی نہ کوئی دینِ باطل
ت اور زور کے ساتھ قائم شدہ تو پہلے سے موجود ہوگا ہی۔ طاقت بھی اس کے پاس ہوگی، رزق کے خزانے بھی
س کے قبضے میں ہوں گے، اور زندگی کے سارے میدان پر وہی مسلط ہوگا۔ ایسے ایک قائم شدہ دین کی جگہ کسی دوسرے
ن کو قائم کرنے کا معاملہ بہرحال پھولوں کی سیج تو نہیں ہو سکتا۔ آرام اور سہولت کے ساتھ بیٹھے بیٹھے قدم چل کر یہ کام
بھی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ آپ چاہیں کہ جو کچھ فائدے دینِ باطل کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہوئے حاصل ہوتے

ہیں یہ بھی ہاتھ سے نہ جائیں اور دینِ حق بھی قائم ہو جائے تو یہ قطعاً محال ہے۔ یہ کام تو جب بھی ہو گا اسی طرح ہو گا کہ آپ ان تمام حقوق کو، ان تمام فائدوں کو، اور ان تمام آسائشوں کو لات مارنے کے لیے تیار ہو جائیں جو دینِ باطل کے ماتحت آپ کو حاصل ہوں، اور جو نقصان بھی اس مجاہدے میں پہنچ سکتا ہے اس کو ہمت کے ساتھ انگیز کریں۔ جن لوگوں میں یہ کھکیڑ اٹھانے کی ہمت ہو، جہاد فی سبیل اللہ انہی کا کام ہے، اور ایسے لوگ ہمیشہ کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو دینِ حق کی پیروی کرنا تو چاہتے ہیں مگر آرام کے ساتھ، تو ان کے بس بڑھ بڑھ کر بولنا مناسب نہیں۔ ان کا کام تو یہی ہے کہ آرام سے بیٹھے اپنے نفس کی خدمت کرتے رہیں اور جب خدا کی راہ میں مصیبتیں اٹھانے والے آخر کار اپنی قربانیوں سے دینِ حق کو قائم کر دیں تو وہ آکر کہیں اِنَّا کُنَّا مَعَکُمْ یعنی ہم تو تمہاری ہی جماعت کے آدمی ہیں، لاؤ اب ہمارا حصہ دو۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی پرنٹر و پبلشر نے مرکنٹائل پریس، ریچمبرلین روڈ۔ لاہور میں چھپا کر دار الاسلام متصل پٹھان کوٹ سے شائع کیا